جا میست جہان نمائے ہر صفحہ درین

۲۷ ۱۲۳

الناظر

نمبر ۹	یکم مارچ ۱۹۱۰ء	قیمت سالانہ للعہ

فہرست مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
بکرما دیتہ یا بکرما جیت یا بکرم اعظم (نمبر ۲)	منشی دیانت حسین صدیقی	۱
غزل	آغا کمال الدین شتجر طہرانی	۹
الکلام مولفۂ مولانا شبلی پر تنقیدی نظر (نمبر ۱)	ایک طالب علم	۱۰
غزل	سید علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوی	۳۲
فغان بسمل (نظم)	مسٹر عبدالحکیم بسمل	۳۳
مقدس گنگا	مسٹر محمد عمر مجذب	۳۴
گل و بلبل (نظم)	... محمد محی الدین احمد قمر	۴۰
لیڈیز کانفرنس کی ضرورت	سید امین الحسن رضوی	۴۱
غیبت و اعتراض	بیگم صفدر علی	۴۵
نظرے خوش گذرے	اڈیٹر	۴۸
ربع مجیب	پروفیسر مرزا محمد ہادی بی اے	۱۷/۲۴

اڈیٹران

وصی الحسن علوی بی اے ایل ایل بی ظفر الملک علوی

پروپرائٹر (مالک) جناب منشی سخاوت علی صاحب علوی سکریٹری فلاو. ملز لکھنؤ

دفتر رسالہ الناظر - فلاور ملز لکھنؤ سے شایع ہوا

کوپر کمپنی کا ولایتی پانی

غیر خالص ہوا سے اتنا ہی بچنا چاہیئے جتنا سانپ بچھو یا زہر سے کیونکہ ایسی ہوا تندرستی کو بالکل بگاڑ دیتی ہی۔ ہوا پانی مین شامل ہوتی رہتی ہی۔ اسلئے غیر خالص پانی سے بھی اتنا ہی بچنا فرض ہے جتنا غیر خالص ہوا سے تندرستی اور زندگی کے لئے ہوا کے بعد پانی کا مرتبہ ہے۔

ہمارے کارخانہ مین اسٹیم انجن سے پانی تیار ہوتا ہے اور ہر قسم کا پانی جس تعداد مین درکار ہو ہر وقت مل سکتا ہے۔

حضرت گنج متصل حق مود کمپنی

شہاب الدین اینڈ سنز
حضرت گنج لکھنؤ
الناس باللباس

مثل مشہور ہی "ایک نور آدمی ہزار نور کپڑا" اور کپڑے کی ساری رونق عمدہ تراش اور سلائی پر ہی۔ ہمارا کارخانہ پبلک کی خدمت ۱۸۹۳ء سے کر رہا ہی۔ ہر قسم کا کپڑا موجود رہتا ہی صرف فرمایش کی دیر ہی۔ جس قسم کی پوشاک درکار ہو مردانہ زنانہ۔ ولایتی یا ہندوستانی کسی طرز فیشن۔ یا وضع کی ہم نہایت کفایت اور خوبی کیساتھ تیار کر دینگے آزمایش کر لیجیے خدا سے امید ہے آپ خوش ہونگے۔ پیمایش کا فارم اور کپڑونکے نمونے طلب فرمائیے۔

قطب الدین مینجنگ پروپرائیٹر

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق — سامان صد ہزار نمکدان کئے ہوئے

دی فونو اکسچینج۔ لکھنؤ۔ متصل کوتوالی چوک

باتھی فون — گرامو فون — راماگراف — اوڈین — بیکا چیمبر آپرا

کچھ درد ہے مطربون کی لے مین — کچھ سوز بھرا ہوا ہے نے مین

لوکل اور بیرونجات کے خریدارونکی آسانی کیلئے خوش گلو یونکے تین ہزار دو سو مختلف گانون سے بہتر سے بہتر ریکارڈونکا انتخاب لکھنؤ مین صرف ایک یہی مرکز ہی جہان ہر مشہور کمپنی کے ہندوستانی ریکارڈ ایک ہی جگہ ملسکتے ہین ہر ساخت کی مشینون اور ریکارڈونکا موازنہ اور جانچ اسی مقام پر اچھی ہو سکتا ہی یورپ کے ذہین کاریگر اس خاص لائن کی ترقی مین نہایت تیزی سے مصروف ہین امسال کچھ نکچھ نئی ایجاد ہوتی رہتی خریداری سے پہلے ہماری دوکان کی نمایش گاہ مین تشریف لاکر ہماری مختلف ساخت کے۔ ریکارڈ جدید اسٹائل کی مشین اور رنگ برنگ کے خوشنما غلاف وہارن ملاحظہ فرمائیے ضرور ہی سامان متعلقہ ٹاکنگ مشین ہارمونیم پیانو۔ اسٹیل ہرنگ گیس لائٹ لیمپ کیش کبس۔ جاپانی منی بیگ صابن اور ٹوتھ پاوڈر۔ وغیرہ بھی فروخت ہوتے ہین

منیجر دی فونو اکسچینج

فرمایش کے وقت الناظر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔

الناظر

نمبر ۹ — یکم مارچ سنہ ۱۹۱۰ء

سلسلہ کے لئے "الناظر" بابت ماہ نومبر سنہ ۱۹۰۹ع ملاحظہ طلب ہے

بکرمادیتہ یا بکرماجیت یا بکرم اعظم

نمبر ۲

اب ہم ان طولانی مباحث سے قطع نظر کرتے ہین اور آٹھ بکرماجیت مین سے بکرماجیت اعظم اُسی کو قرار دیتے ہین۔ جو سب سے پہلے ہوگذرا ہے۔ بقیہ سات اُس کے بعد مختلف زمانون مین ہندوستان کے مختلف حصون پر حکمران ہوتے گئے! جن مین بکرم اعظم کے سے اوصاف حمیدہ ہون یا نہ ہون مگر فخر و مباہات کے لئے یا یمن و برکت کے خیال سے۔ خود اُنھون نے اس نام ولقب کو اختیار کیا یا اُن کے خوشامدیون نے اُن کو ایسا مشہور کردیا۔

معذرت - یہان پر یہ عرض کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بکرم اعظم کی کوئی مستقل سوانحعمری موجود نہ ہونے کی وجہ سے مجھکو اس مضمون کی ترتیب مین مختلف ماخذون کیطرف رجوع کرناپڑا ہے مثلاً: ہندی فارسی اورانگریزی تاریخین۔ قصے کہانیان زبانی افسانے سُنی سنائی روایتین۔ ضرب المثلین وغیرہ -- اور اسطرح بہت سی سڑی گلی گھاس پھونس کو اکٹھا کرکے یہ مختصر سی جھونپڑی طیار کی گئی ہے پس اگر کسی قسم کی فروگذاشت

باکوئی زیادتی مبصرین کامل الفن کی نظر کیمیا اثر مین بدنما معلوم ہو تو خاکسار کی ہیچمدانی اور کم بضاعتی پر نظر فرما کر اس عیب سے چشم پوشی فرما دین۔ العذر عندالکرام الناس مقبولٌ۔

بکرم اعظم کا حسب نسب۔ بکرماجیت اعظم پرمرا خاندان سے تھا جس کو مختصراً اب پوار کہتے ہین اس نسل کے راجے ہندوستان کے بہت سے ملکون پر حکمرانی کرتے تھے۔ چنانچہ دکن مین نربدا کے پار تک ان کی سلطنتین پھیلی ہوئی تھین۔ پچھم مین سندھ دریا ان کے ملکون کی سرحد تھا اور جو ملک اور صوبے ان حدود کے اندر واقع تھے۔ اُن مین سے اکثر ان راجاؤن کے زیر فرمان رہے۔

پرمرا کی اصل و حقیقت۔ عیسوی صدی سے تقریباً دو یا تین سو برس پیشتر قریب قریب سارا ہندوستان اقوام تاتار سے بھر گیا تھا۔ اور راجپوتون کی نسلین صرف بگڑ ہی گئی تھین۔ بلکہ تقریباً نیست و نابود ہو گئی تھین۔ چونکہ یہ قومین بودھ مذہب رکھتی تھین۔ جو برہمنون کے قدیم مذہب کے سراسر خلاف تھا اسلئے ان زبردست دشمنون سے لڑنے کے لئے برہمنون نے **بید** کی رسمیت* کے مطابق چھتریون کے چار مورثان اعلیٰ کو آگ سے پیدا کیا۔ جن سے اس شجاع قوم کے چار نئے خاندان قائم ہوئے اور ان کی نسلین آناً فاناً تمامی ہندوستان مین پھیل گئین۔ ان چارون کی اولاد **اگنی کُل** کہلائی اور ان کے نام یہ ہین **پرمرا۔ چوہان۔ تنکنکی۔ پرہار**۔ چارون اگنی کل والون مین پرمرا والے بڑے ذی اختیار ہوئے اسی خاندان مین بکرم اعظم تھا۔

بکرم اعظم کا باپ۔ بکرم اعظم کے باپ کا نام گندھرپ سین تھا۔ وہ راجہ باہوبل کا وزیر تھا۔ جو اُجین سے دور ایک خوش فضا میدان اور جنگل مین ایک عالی شان محل بنا کر اُسی مین

* اس موقع پر بید کی جو جو رسمین برتی گئین۔ اُن کی تفصیل باعث طوالت ہے اور درایۃً تاریخی حیثیت سے ساقط الاعتبار ہین۔ مارش مین صاحب نے اپنی ہسٹری آف انڈیا مین ان رسمون کو خوب مفصل لکھا ہے۔ مگر ہم نے فضول سمجھکر قلم انداز کر دیا۔

بڑے عیش و عشرت کے ساتھ خوش گذرانی کرتا تھا اور اُسی کو راجدھانی مقرر کیا تھا۔

گندھرپ سین اور امباوتی- ایک مدت تک گندھرپ سین وزارت کے خطیر کام کو بڑی دانشمندی اور ہوشیاری سے انجام دیتا رہا لیکن اتفاقاً اس سے ایک ایسی حرکت سرزد ہوئی جس سے راجہ کو اُس کی نسبت بدگمانی پیدا ہوگئی۔ اور وہ بدگمانی اُس سادہ دل آقا کی کمال ناراضی کا باعث ہوئی اور نتیجہ اس رنجش کا یہ ہوا کہ معتوب گندھرپ سین کو اپنے وطن مالوف اوجین کو خیرباد کہنا پڑا۔

جلاوطن گندھرپ سین اپنے آبائی مسکن (اُجین) سے نکلتے ہی سیدھا امباوتی نگر چلا گیا بخت بلند نے مساعدت کی اور وہان پہونچکر تھوڑے ہی دنون مین اُس نے اپنے زور بازو اور عقل تدبیر سے ایک مستقل حکومت قائم کرلی۔

امباوتی ہی مین اُس نے چار دن برن (برہمن - چھتری بیش شُدر) کی چار عورتون سے شادیان کین اور چار ون سے چھ بیٹے پیدا ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے۔

برہمنی سے ایک لڑکا ہوا اُس کا نام برہمنت تھا۔

چھترانی سے تین بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہین:- امر سنگھ[1] بکرم[2] اور بھرتھری[3] بیشانی سے جو لڑکا ہوا اُس کا نام چندر رکھا تھا۔ اور شدرنی کے بیٹے کا نام دھنوتر تھا۔

غریب الوطن گندھرپ سین چند روز تک امباوتی مین حکومت کرنے کے بعد معہ اہل و عیال اوجین کو واپس آگیا اور وہین راج کرنے لگا۔ ذی اختیار و صاحب قدرت باہوبل نے باوجود پہلی مخاصمت کے اس وقت کچھ تعرض نہ کیا۔ اس کی کیا وجہ؟ یہہ ایک ایسا سوال ہے۔ جس کا جواب شافی موجودہ تاریخی یادداشتین نہین دے سکتین ناچار قیاس و گمان کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

قرینہ یہ ہے کہ باہوبل کو ضعیف العمری اور لاولدی کے باعث سلطنت کی طرف سے استغناء اور بےپروائی تھی۔ اور اسکی نیکدلی۔ بےنفسی۔ بےغرضی اور صلح

جوئی سے نے اس گذشتنی وگذاشتنی جاہ وثروت کے لیے کسی قسم کا جھگڑا یا تکرار کرنا پسند نہ کیا۔

اُجین ۔ اُجین کا پرانا نام **اونتیا** تھا اور ابتدا سے سورج بنسیون کے قبضے مین چلا آتا تھا۔ لیکن بکرم اعظم سے تقریبًا ڈھائی تین سو برس بیشتر۔ وہ مگدھ کے بودھ راجاؤن کا ایک ماتحت صوبہ بن گیا۔ چنانچہ پاٹلی پُتر کے موریہ خاندان کا چشم وچراغ آشوک اعظم۔ پہلے اسی صوبے کا گورنر تھا۔ ہنگام قیام مین اُس نے ایک سیٹھ کی لڑکی سے شادی کر لی۔ جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی دو اولادین پیدا ہوئین۔ بیٹے کا نام مہیندرا اور بیٹی کا نام سنگھمتا یا سُمترا تھا۔ دونون بھائی بہن تارک الدنیا ہو کر فقیر ہو گئے۔

موریہ خاندان کی تباہی کے بعد پاٹلی پُتر کی راجگدی پر سُنگا اور کنوان (غالبًا سُنگ اور کنو) دو گھرانے ۱۵۸ برس تک حکمران رہے۔ مگر رعب و داب۔ شان و شوکت رفعت و وسعت وغیرہ۔ جو جو باتین لازمۂ فرمانروائی ہین سب کی سب موریہ گھرانے کے ساتھ ہی رخصت ہو گئین اور اکثر دور و دراز صوبے دائرۂ انقیاد سے باہر نکل گئے۔ انھین آزادی طلب صوبون مین اُجین بھی تھا (غالبًا یہ واقعہ بکرم سے کچھ کم وبیش سو برس پہلے کا ہے)۔

مندرجۂ بالا دو گھرانون کے پیچھے اندھرا (اندھر) خاندان مگدھ پر مسلط ہوا اور ۴۵۶ سال تک بڑی شان وشوکت سے فرمانروائی کرتا رہا۔ یہ خاندان دکن مین ایک بڑی سلطنت پر پہلے سے قابض تھا۔ جو کرشنا اور نربدا کے دوآبہ مین واقع تھی۔ مگدھ پر قبضہ پانے سے وہ دو دو عظیم الشان سلطنتون کا مالک ہو گیا لیکن جب زوال آیا تو ۳۰۔۴۰ ہی برس مین دونون تتر بتر اور تہس نہس ہو گئین۔ اُس کے کُل ماتحت صوبے خود مختار ہو گئے۔ بلکہ خاص دار الخلافت کے علاقے بھی قبضے سے نکل گئے۔ لکھا ہے کہ اس ہر بونگ مین برہمن اور چھتری سے لیکر۔ دھانگڑ اور مسہر تک اور سپہ سالار اور صوبہ دار سے لیکر سوئیا اور خدمتگار تک ہر متنفس ملک کا ایک ایک حصہ دبا بیٹھا اور کوس لمن الملکی بجانے لگا۔

اُجین نے تو پہلے ہی انقلاب مین بند اطاعت سے آزادی حاصل کر کے اپنے
بال و پر درست کر لئے تھے۔ اس مدت دراز مین اُس کو گذشتہ مافات کی تلافی کا خاطر
خواہ موقع مل گیا۔ جس وقت یہان مگدھ کی راجگدی پر اندھرا خاندان براجمان تھا
وہان تخت اُجین پر بکرم اعظم کی اولاد جلوہ افروز تھی۔

اُجین کو آزادی تو مل گئی۔ مگر اسپر بھی مدتون تک اس کو پائے تخت ہونے کا
شرف حاصل نہ ہوا۔ چنانچہ جیساکہ اوپر کی سطرون مین لکھا گیا راجہ باہوبل اپنی شاہی بود و باش
اور شاہی کاروبار کے لئے۔ اُجین سے دور۔ ایک نہایت ہی دلچسپ جگہ مین علحدہ ایک
عالی شان محل سرا رکھتا تھا جو عمدہ عمدہ سامان آرایش اور اعلیٰ اعلیٰ لوازمات زیبایش سے
سجا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعزاز اس شہر کو گندہرپ سین ہی نے بخشا۔

گندھرپ سین کی وفات اور امرسنگھ کی گدی نشینی الغرض گندھرپ سین امباوتی سے واپس آکر اُجین
مین حکمرانی کرنے لگا مگر اجل نے زیادہ عرصہ تک اُسے
کامرانی اور فائز المرامی کا لطف نہ اُٹھانے دیا اور تھوڑے ہی زمانہ کے بعد وہ راہی مُلک
بقا ہوا۔

اس کے بعد امرسنگھ (جو چھتری کے تین لڑکون مین سب سے بڑا تھا) باپ کا
جانشین ہوا اور اپنے سوتیلے بھائی برہمنت کو (جو برہمنی کے بطن سے تھا) دیوان مقرر کیا۔
لیکن تھوڑے دنون کے بعد وہ بدا طوار کسی بے اعتدالی کے پاداش مین اس معزز عہدے سے
برطرف کیا گیا۔ چونکہ اسکو بھی امرسنگھ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ تھا۔ بلکہ مان کی طرف سے نسباً
اُسے ایک گونہ برتری حاصل تھی اس لئے اس بے توقیری کے ساتھ اُجین مین ٹھرنا پسند نکیا وہ ٹھکر
دھارانگر کو چلا گیا۔ جو اُجین کے ہمسرحد راج کی راجدھانی تھا۔

دھارانگر کے راجہ نے برہمنت کی بڑی عزت و توقیر کی اور اپنا خاص مصاحب بنالیا
لیکن ؎ خوے بد در طبیعتے کہ نشست ✢ نرود جز بوقت مرگ از دست ✢ بدسرشت اور

بدخصلت برہمنت نے اس مسافر پروری اور مہمان نوازی کی قدر نہ کی بلکہ بڑی سفاکی اور بے رحمی سے اُس غریب نواز راجہ کو قتل کرڈالا اور محسن کشی کا بدنما راج تلک جبین حال پر دے کر خود راجہ بن بیٹھا۔

ایسے بدکرداروں کی گذر کہاں ؟ آخر اپنے کیِ تلون کی بدولت اس کو وہان سے بھی نکلنا پڑا اور اجین مین واپس آکر بصد ناکامی واصل جہنم ہوا۔

دھارا نگر بھی اجین مین شامل ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مقتول راجہ کا کوئی جانشین نتھا اور اسی وجہ سے برہمنت کے بھاگ آنے پر دھارا نگر کا تخت خالی پڑا ہوا تھا۔ امرسنگھ نے موقع وقت سے کام لیا اور اس راج کو بھی دخل کرکے اپنی قلمرو مین شامل کرلیا۔

امرسنگھ کا قتل اور بکرم کی گدی نشینی۔ گو امرسنگھ کو اپنے باپ کا بڑا بیٹا ہونے کے سبب سے تخت وتاج مِل گیا تھا۔ مگر قیاساً یہ دریافت ہوتا ہے کہ عموماً جملہ اراکین دولت اور خصوصاً برہمن لوگ اُس سے دل مین ناراض تھے اور ہردلعزیز بکرم ہی کی گدی نشینی سبکو منظور تھی۔ رنجش کی وجہ کیا تھی ؟ یہ ٹھیک ٹھیک نہین معلوم۔ مگر واقعات سے اتنا مفہوم ہوتا ہے کہ امرسنگھ آزاد خیال آدمی تھا۔ اور اکثر اوقات اُس سے ایسی ایسی حرکتین سرزد ہوا کرتی تھین۔ جو قدامت پرستون کی آنکھون مین بدنما نظر آتی تھین۔ بلکہ بعض دفعہ اُس کی بے اعتدالیون سے ان کو صدمۂ دلی ہوتا تھا ٭ نتیجہ اس بے اعتدالی کا امرسنگھ کے حق مین اچھا نہ ہوا اور وہ لوگ اسکو بے تاج ونگین کرنے۔ بلکہ اس کی جان لینے کے درپئے ہوگئے۔ اور اگرچہ اس

٭ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ جب برہمن لوگ امرسنگھ کو بکرم کے قتل پر آمادہ کرکر جنگل مین لے گئے تو امرسنگھ نے اُس مٹی کے مہادیو پر پیشاب کردیا جس کو بکرم نے ابھی پوجا تھا۔ یہ نازیبا حرکت اُس کے ہمراہیون کو سخت ناگوار گذری اور انھون نے اُس کو ٹوکا بھی۔ لیکن اُس نے آئین بائین شائین جواب دے دیا۔ ۱۲

بدگمانی کا کوئی پکا ثبوت نہین ہے - لیکن قیاس یہ ہے کہ اس نا جائز منصوبے مین بکرم سے بھی مشورے لئے گئے اور اسکو اپنی گدی نشینی اور امر سنگھ کے قتل پر راضی کیا گیا۔

بکرم ان دنون عین شباب مین تھا - علاوہ ڈنڑ - مگدر - کشتی اور دیگر فنون سپاہگری کے (جو راجپوتون کی بہترین قومی خصوصیات مین داخل ہین) اس کو ریاضت اور تپسیا کا بھی بدرجۂ غایت شوق تھا - ہمیشہ صبح کو اٹھکر اکھاڑا کرتا - اشنان کرتا - پوجا پاٹ کرتا - اور پھر دھیان گیان مین مصروف رہتا یہی اُسکا روزمرہ تھا۔

تاریخ التواریخ مین لکھا ہے کہ بکرم ایام جوانی و عالم شباب مین درویشانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا ہندوستان کے تمام تیرتھون کی زیارت کرتا پھرتا تھا اور ہر جگہ جوگیون - سناسیون اور تپسیون کی صحبت سے فیضیاب ہوتا تھا اور اپنے مذہب کے مطابق مشکل مشکل ریاضتین اور بڑی بڑی تپسیا ئین کھینچتا تھا -

الغرض جب سب معاملہ ٹھیک ٹھاک ہو گیا تو برہمنون نے ایک روز دربار مین حاضر ہوکر راجہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کی بڑے تصنع سے نہایت ہی پُر درد اور ہمدردی کے لہجے مین عرض کیا کہ پرتھوی ناتھ ! بڑے شوک کی بات ہے کہ آپ کا ناش کرنے والا جنم لے چکا اسکا دوران رہنا اچت ہے جب راجہ نے اُن کی پیشین گوئی پر مطلق توجہ نہ کی - تو ہاتھ جوڑ کر پھر کہا کہ ایک بات اور ہے جس کو کہتے ہوے ہم لوگ ڈرتے ہین اگر جیودان بر ملے تو عرض کرین - اجازت ملنے پر عرض کیا کہ شاستر کے بچار سے ایسا جان پڑتا ہے کہ بکرم امر سنگھ کو مار کر راج کریگا -

پھر یہ حضرات برہمن امر سنگھ کو بکرم کے قتل پر آمادہ کرکے جنگل مین لے گئے اور وہان الٹی گنگا بہائی یعنی امر سنگھ ہی کو بکرم سے قتل کروادیا ٭ اور جیسا کہ اُن کا دلی مقصد تھا - بکرم کو تخت نشین کراکر اُس کے زیر سایہ بڑی کامرانی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے - اور بکرم

٭ جو صورت قتل کی لکھی ہے وہ محض ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے اس لئے اُس کی تفصیل قلم انداز کردی گئی ۱۴

کبھی تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہو کر ہمیشہ ان محسنون کا شکر گذار رہا بلکہ اپنی دلی شکر گذاری کو حمایت مذہب اور احیاء رسومات قدیم کے ذریعہ سے ہر موقع پر عملی طور سے ثابت کرتا رہا سب اراکین دولت اور ماتحتین اس خبر سے نہایت خوش ہوئے اطراف و جوانب سے مبارکبادین موصول ہونے لگین امر سنگھ کی جیٹھ رانی اُس کی لاش کے ساتھ ستی ہوئی فاعتبروا یا اولی الابصار

فتح دہلی و کشمیر - مہابھارت کی جنگ خونریز کے بعد تقریباً ساڑھے تین ہزار برس تک اندر پرست یا دہلی کے تخت پر مہاراجہ پریچھت کی ۲۷ پشتین حکمران رہین مگر اٹھائیسویں راجہ کھیم راج کو اس کے وزیر نے قتل کرکے راج گدی پر خود قبضہ کرلیا اس غاصب خاندان کی بربادی کے بعد دو اور خاندان یکے بعد دیگرے راج کرتے گئے اور تینون گھرانے کے کل ۸۳ راجے برسر حکومت رہے ۸۳ وان راجہ بکرم کا ہمعصر تھا اور اُسکا نام راج پال تھا - راج پال پر کماون کے راجہ سکھونت نے بڑے زور شور سے حملہ کیا اور اُس کو مار کر دہلی کی پرانی سلطنت پر قبضہ کرلیا -

بکرم اعظم کو جب یہ خبر لگی تو ایک فوج جرار لے کر اُس پر دھاوا کردیا اور ایک گھمسان لڑائی کے بعد اس پہاڑی لٹیرے پر فتح نمایان حاصل کی اور اس کو شکست فاش دیکر دلی سے نکال باہر کیا -

اس مردانہ فتح و فیروزی کے بعد بکرم اعظم نے پانڈون کی قدیم اور آبائی سلطنت اندر پرست کو اپنی قلمرو مین شامل کرلیا -

بکرم نے دلی کے سوا اور اور ملکون کو بھی زیر نگین کیا - یہان تک کہ اسکی فتوحات کشمیر تک پھیل گئین لیکن ان فتوحات کی تفصیل نہین ملی -

بمن اور جاٹ اور دیگر تاتاری قومین تاتاری قومون کے تفصیلی حالات کی اس مختصر مین گنجایش نہین اگر فرصت ملی تو اس خصوص مین ایک علیحدہ مضمون نذر ناظرین کیا جائے گا - مختصر یہ کہ ہندوستان ہمیشہ سے ان غارتگرون کی جولانگاہ بنا رہا مشرق شمال

شمال و مغرب اور مغرب کا کوئی خطہ ان حملہ آورون کی تاخت و تاراج سے محفوظ نہ رہا۔ ان کی قدیمی خصلت و جبلت انھین کشان کشان بکرم کی قلمرو مین بھی لے گئی۔ اور انھون نے اپنے معمولی ہتھکنڈے لوٹ اور تاراج کے وہان بھی پھیلانے شروع کئے۔ لیکن بہادر بکرم کے مقابلہ مین خوب ہی مُنھ کی کھائی اور اُس نے اُنپر خوب خوب فتحین پائین (باقی آیندہ)

دیانت حسین صدیقی

غزل

دلم از درد ہجر گشتہ دو نیم ۔۔۔ چارہ کو جز رضا و جز تسلیم

ہست رخسار و قد و دندانت ۔۔۔ ماہ و سرو سہی و دُرِ یتیم

چون تو ہرگز نمی شود پیدا ۔۔۔ مادرِ روزگار گشتہ عقیم

ہست در خط زوال نعمت حسن ۔۔۔ خوب چہرا بہ بیم باش بہ بیم

چند روزِ دگر بر آرد سر ۔۔۔ ضیم انت بزیر زلف چو جیم

مفتنان زلف بر رخ سیمین ۔۔۔ تا نگردد برنگ مشکت سیم

زان شراب آر ساقیا کز وے ۔۔۔ زندہ گردد بو جد عظم رمیم

صاف شفاف چون چکیدۂ جان ۔۔۔ نغز و سرشار ہمچو طبع سلیم

خواہم امروز غوطہ ور گردم ۔۔۔ در شطِ می بسانِ ماہی بیم

این ہمان آذرین می است کزاد ۔۔۔ گشت گلزار نار ابراہیم

این اثر اندرین شراب بود ۔۔۔ کہ نہ در کوثر است و نے تسنیم

دردنوشان لاابالے را ۔۔۔ در جزا نیست غیر اجر عظیم

سنجر اندر پیالہ مے بیند ۔۔۔ آنچہ در طور دیدہ بود کلیم

آغا کمال الدین سنجر طہرانی

الکلام

مولفہ مولانا شبلی پر

تنقیدی نظر

نمبر اوّل

تمہید

(فلسفۂ تصنیف وتالیف کا یہ ایک قانون ہے کہ جو اہل قلم کسی ایک خاص فن مین شہرت وکمال حاصل کرلیتا ہے وہ علم کے دوسرے شعبون مین اپنے اُس درجہ اور مرتبہ کو قائم نہین رکھ سکتا سعدی جو اخلاقی نظم کا خدا مانا جاتا ہے جسوقت رزم کا رنگ اختیار کرتا ہے۔ تو ایک بھی حکایت صحیح طور سے نہین منظوم کرسکتا فردوسی اقلیم رزم کا تاجدار ہے مگر بزم کی سرحد مین قدم رکھتے ہی بے بس ہو جاتا ہے) امام بخاری جن کے مجموعۂ احادیث کے متعلق تقریباً تمام دنیاے اسلام ہم آہنگ ہے کہ بلحاظ صحت کے صرف قرآن اُس سے برتر ہے جب تاریخ کے لئے قلم اُٹھاتے ہین تو بلا تحقیق تمام رطب ویابس واقعات نقل کردیتے ہین ڈیوڈ ہیوم جو انگلستان مین ایک اعلیٰ درجہ کا فلسفی ہوا ہے تاریخ مرتب کرتے وقت ملکی تعصبات کو اس کثرت سے دخل دیتا ہے کہ اسکو اعتبار واستناد کے رتبہ سے ساقط کرنا پڑا ہے۔

اس عقدہ کو حل کرنا اور اس عیب کلیہ کے علل واسباب کی تشریح اگرچہ فلسفیانہ حیثیت سے نہایت دلچسپ ہے لیکن چونکہ ہمارے موضوع سے یہ بحث خارج ہے اس لئے ہم اسکو یہان پر نظر انداز کرتے ہین۔

(شمس العلما مولانا شبلی نعمانی جنکی ایک تالیف پر ہمکو اسوقت مفصل تنقید کرنا ہے

متذکرۂ بالا اصول کی ایک عمدہ مثال ہین۔ مولانا موصوف کو تاریخ سے فطری مناسبت و دلچسپی ہے اور اپنی طبیعت کا نہایت صحیح اندازہ کرکے "اُنھون نے ابتدائے زمانہ تصنیف سے اپنی تمام تصانیف (؟) کا موضوع تاریخ قرار دیا" (علم الکلام: ص ۵) چنانچہ ابتک اُنکی جسقدر کتابین شایع ہوئی ہین اُن مین سے بعض تو مشاہیر اسلام کی سوانح عمریان ہین بعض علوم یا ادب کی تاریخین ہین اور بعض کسی شہرت پذیر واقعہ کی تاریخی غلطی ظاہر کرنے کی غرض سے تحریر کی گئی ہین۔ الغرض وہ سب تاریخ ہی کے متعلق ہین۔ اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ ان تاریخی تالیفات مین بعض مقامات پر ناکافی شہادت اور ناواقفیت کی مثالین پائی جاتی ہین (جس کا نمونہ شعر العجم اور رسائل شبلی مین متعدد مقامات پر ملتا ہی) لیکن سخت ناانصافی ہوگی اگر مولانا کی عرقریزی و جانکاہی کی داد نہ دیجائے۔ جس تحقیق و قابلیت کے ساتھ انھون نے اپنی زبان کے سرمایۂ تاریخ مین اضافہ کیا اور جن ان تھک کوششون اور جانفشانیون کے ساتھ انھون نے اس خدمت کو انجام دیا ان کے لحاظ سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ اپنے دائرۂ عمل مین ایک نہایت وقیع و اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہین اور صحیح طور پر یہ استحقاق رکھتے ہین کہ نکتہ رس مورخون کی صف اول مین اُن کو جگہ دیجائے۔

ایک علمی شہسوار کے جولانگاہ کے لئے میدان تاریخ بہت کافی وسعت رکھتا ہی لیکن مذہب کو مخالفون کے نرغہ مین محصور دیکھکر مولانا سے ضبط نہ ہوسکا اور انھون نے بادل ناخواستہ اپنے مقررہ حدود سے نکل کر علم کلام کی سرحد مین قدم رکھا اور عقل و مذہب کی مطابقت پر ایک کتاب مرتب کی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس چیز نے ان کی محققانہ شہرت کو سب سے زیادہ صدمہ پہونچایا اور جو اُن کے علمی کارنامون کے چہرہ پر ایک بدنما داغ ہی وہ اُن کی یہی تالیف "الکلام" ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ چند سال ہوئے مولانا نے یہ دیکھکر کہ "عباسیون کے[۱]

---

[۱] علم کلام صفحہ ۲۔

زمانہ مین اسلام کو جس خطرہ کا سامنا ہوا تھا آج کچھ اُس سے بھی بڑھکر در پیش ہے مغربی علوم گھر گھر پھیل گئے ہین اور ...... مذہبی خیالات مین عموماً بھونچال آگیا ہے۔ نئے تعلیم یافتہ مرعوب ہوگئے ہین اور قدیم علما بھی عزلت کے دریچہ سے سر نکال کر دیکھتے ہین تو مذہب کا افق غبار آلود نظر آتا ہے ایک نئے علم کلام کی ضرورت محسوس کی اور خواہش کی کہ عقل و مذہب مین مطابقت دی جاسے لیکن یہان پہونچکر اُن کو یہ بھی نظر آیا کہ موجودہ مصنفین اسلام نے "یورپ کے ہر قسم کے معتقدات وخیالات کو حق کا معیار قرار دیا ہے اور پھر قران و حدیث کو زبردستی کھینچ تان کر اُن سے ملایا ہے" اس لئے مولانا کو جدید علم کلام کا تمام دفتر (یعنی سر سید احمد خان وغیرہ کی تصانیف کا ذخیرہ) بے سود معلوم ہوا اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے خود اُنھون نے ارادہ کیا کہ علم کلام کے متعلق ایک جدید سلسلۂ تالیفات شایع کیا جائے۔

مولانا کی راے مین جدید علم کلام کی ترتیب کے وقت حسب ذیل شرایط کی پابندی ضروری ہے:-

(۱) عقائد کے متعلق قدما کے علم کلام مین ترمیم کی حاجت نہین "کسی شے کی صحت و واقعیت زمانہ کے انقلاب سے نہین بدلتی" اس لئے "جدید علم کلام کے مرتب کرنے والے کا صرف یہ کام ہے کہ ان بزرگون نے جن خزانون کو سربمہر کر رکھا تھا انکو وقف عام کردے"

(۲) قانونی و اخلاقی مسائل کے متعلق نئے مباحث درج کرنا ہونگے کیونکہ قدیم علم کلام مین ان کا پتہ نہین۔

(۳) طرز بیان وادائے مطالب مین تعقید و پیچیدگی نہ ہو "دلائل و براہین ایسے صاف و سادہ پیرایہ مین بیان کئے جائین جو سریع الفہم ہونے کے ساتھ دل مین اُتر جائین۔

ان شرایط کی بنا پر یہ ضروری تھا کہ نئے علم کلام مین "بزرگون کے مقرر کردہ اصول کا سررشتہ لیہن ہاتھ سے نہ جانے پائے" اور اس امر کی تحقیقات بھی لازمی تھی

کہ "ہر عہد مین ائمہ اسلام نے کیا اصول قرار دیئے تھے" چنانچہ مولانا نے اپنے قیام حیدرآباد کے زمانہ مین "علم الکلام" کے عنوان سے ایک کتاب شایع کی جسمین علم کلام کی ابتدا اور اُسکے عہد بہ عہد کی وسعت ترقی و تغیرات کی تاریخ درج ہے اسکے کچھ عرصہ کے بعد مولانا نے ایک دوسری تالیف "الکلام" کے عنوان سے شایع فرمائی جسکا مقصد اس کے سرورق پر ان الفاظ مین بیان کیا گیا ہے:-

"علم کلام جدید جس مین اسلام کے تمام عقائد کو فلسفہ حال کے مقابلہ مین نہایت بسط و خوبی کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے"

منقولہ بالا عبارت اپنا مفہوم ظاہر کرنے کے لئے محتاج تشریح نہین۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے مصنف کو حسب ذیل دو امور سے کامل واقفیت رکھنا چاہیئے۔

(۱) عقائد اسلام

(۲) فلسفۂ حال

جو مصنف کہ ان دونون سے کامل واقفیت کے بغیر ان مین مطابقت دینا چاہتا ہو اسکی کوشش کا نتیجہ سوائے ناکامی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے "علامۂ عصر" مین ہر دو شرائط پائے جاتے ہین؟ عقائد اسلام کے متعلق فیصلہ کرنے کا ہمکو کوئی حق نہین لیکن انکی مذہبی خدمات کو دیکھتے ہوے اور اسکو بھی ملحوظ رکھکر کہ وہ شمس العلما کے لقب سے مخاطب کئے جاتے ہین اور اُن کے زیر اہتمام مسلمانان ہند کا بہترین مذہبی دار العلوم ہے ہم یہ تسلیم کئے لیتے ہین کہ وہ عقائد اسلام سے کافی واقفیت رکھتے ہین۔ لیکن ہم افسوس مگر کامل وثوق کے ساتھ کہتے ہین کہ دوسری ضروری شرط مولانا مین قطعاً نہین پائی جاتی ہمارے مولانا بھی اس اصول سے ناواقف نہین وہ خود اسکو ایک نہایت لطیف پیرایہ مین ایک دوسرے مقام پر بیان کرتے ہین:-[۱]

---

[۱] الندوہ جلد ۵ نمبر ۱ صفحہ ۲ -

"ہندوستان مین ایک بھی عالم ایسا نہین ملسکتا جو فلسفۂ حال سے واقف ہو...... ایاز قدر خود بشناس ہم خود سمجھ سکتے ہین کہ ہم فلسفۂ حال کا کہان تک مقابلہ کرسکتے ہین - پہلے فارابی کیطرح فلسفۂ جدید سیکھو. پھر غزالی بنو - فارابی بننے سے پہلے غزالی بننا حماقت ہے "

یہی وہ اہم نکتہ ہے جبکو 'الکلام' کی تالیف کے وقت خود مولانا نظرانداز کرگئے ہین اور اسی ایک فروگذاشت کی وجہ سے وہ چند ظاہرفریب استدلالات اور محرف واقعات کا مجموعہ بن گئی ہے -

(الکلام - تصنیف تو درکنار صحیح معنی مین تالیف بھی نہین کہی جاسکتی بلکہ وہ درحقیقت مصر کے ایک اہل قلم فرید وجدی کے خیالات کا اردو زبان مین خلاصہ ہے - ہمارے مولانا چونکہ یوروپین زبانون سے ناآشنا ہین اسلئے انھون نے یورپ کے متعلق اپنا تمام سرمایہ معلومات فرید وجدی کے خزانۂ خیالات سے قرض لیا لیکن افسوس یہ ہے کہ مولانا نے انتخاب مین غلطی کی فرید وجدی مذہبی جماعت مین خواہ کسی حیثیت سے علامہ تسلیم کیا جاتا ہو لیکن یورپ و مشرق کے درمیان سفیر ہونے کی حیثیت سے وہ نہایت ناقابل اعتماد و غیرمعتبر ہے - اسنے اپنی تصانیف مین جسقدر تدلیس و تحریف سے کام لیا ہے اسکی پردہ دری کے لئے ایک مستقل رسالہ کی ضرورت ہے بہرحال ہمارا موجودہ فرض صرف 'الکلام' کی تنقید ہے اس لئے فرید وجدی سے ہم قطع نظر کرتے ہین -

الکلام مین متعدد مقامات پر جو یوروپین حکما کے اقوال درج ہین انکے متعلق خوش عقیدہ اردودان پبلک سمجھتی ہے کہ یہ اقوال براہ راست اصلی تصانیف سے اور صحیح معنی مین اقتباس کئے گئے ہونگے لیکن اس طلسم کو توڑنے کے لئے ہم ذیل مین ایک مثال درج کرتے ہین :-

'الکلام' مین دو مقامات پر ہربرٹ اسپنسر کا مندرجہ ذیل مقولہ نقل کیا گیا ہے :-[۵]

۵؎ الکلام صفحہ ۴۸ و صفحہ ۵۰ -

"ان تمام اسرار سے جن کی یہ کیفیت ہے کہ جسقدر ہم زیادہ غور کرتے ہین اسی قدر وہ اور غامض ہوتے جاتے ہین اسقدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی وابدی قوت موجود ہے جس سے تمام اشیا صادر ہوتی ہین"

اور دونون مواقع پر اس سے یہ استشہاد کیا گیا ہے کہ بڑے بڑے حکیمون اور فلسفیون نے انتہائے غور وفکر کے بعد خدا کے ثبوت مین یہ استدلال پیش کیا ہے۔ جیسا کہ خود مولانا کو مُسلّم ہے اُنھون نے براہ راست یہ قول اسپنسر کی کسی تصنیف سے نقل نہین کیا بلکہ یہ ماخوذ ہے فرید وجدی کی کتاب "حدیقۂ فکریہ" سے لیکن تعجب یہ ہے کہ خود فرید وجدی نے بھی اسپنسر کی اصلی تصنیف کا مطالعہ نہین کیا بلکہ اُس نے ایک مصری عالم کی کتاب ثمرۃ الحیوٰۃ سے نقل کیا۔[۵۱] جو ترجمہ ہے سر جان لیبک کی کتاب "یوز آف لائف" کا اور اسپنسر کی کسی خاص تصنیف کا حوالہ لیبک صاحب کی کتاب مین بھی نہین ہے!! لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت ناک اس کا موقع استشہاد ہے۔ فرید وجدی اور مولانا شبلی اس کے یہ معنی لیتے ہین کہ ہربرٹ اسپنسر خدا کا قایل تھا۔ اور اسکے ثبوت مین اس نے یون استدلال کیا تھا لیکن سر جان لیبک کی اصل کتاب جسکے یہ دونون خوشہ چین ہین ہمارے سامنے موجود ہے وہ اسکو خدا کے ثبوت مین نہین پیش کرتا بلکہ یہ ظاہر کرنے کو کہ ہماری عقل راز ہاے الٰہی کا انکشاف نہین کر سکتی اور اکثر امور مین ہمکو اپنی ناواقفیت وجہالت پر قانع ہونا پڑتا ہے۔[۵۲]

اسی قسم کی غلط بیانیون کی ایک دوسری مثال یہ ہے کہ ہمارے مولانا ایک مقام پر توحید وخدا پرستی کو حاسۂ فطری قرار دیتے ہوے "مشہور محقق میکسمولر" کا ایک قول نقل کرتے ہین[۵۳] یہ قول ماخوذ ہے حدیقہ فکریہ صفحہ ۱۴ سے فرید وجدی اس کی سند مین لکھتا ہے کہ یہ منقول ہے امریکا کے مشہور ومعروف پروفیسر میکسمولر کی کتاب "اصل الدین وارتقاءہ" سے

[۵۱] الحدیقۃ الفکریہ صفحہ ۵۴۔

[۵۲] دیکھو لیبک صاحب کی "ثمرہ حیات" صفحہ ۱۴۴ و ۱۴۵ مطبوعہ سنہ ۱۹۰۱ء (

[۵۳] علم الکلام صفحہ ۳۵ [۵۴] حدیقہ فکریہ صفحہ ۱۴۔

مگر ہم باادب مصر و ہندوستان کے دونوں علامہ بزرگون سے دریافت کرتے ہین کہ میکس مولر امریکہ کی کس یونیورسٹی مین پروفیسر تھا؟ اور کس زمانہ مین؟ اور اُسکی مذکورۂ بالا کتاب کہان شایع ہوئی ہے؟ - ہان اگر میکسمولر سے اُس شخص کی جانب اشارہ ہو جو علم الالسنہ کا بہت بڑا ماہر تھا - اور جس کے زیر اہتمام مشرق کی مذہبی کتابون کے ترجمہ کا سلسلہ شایع ہوا ہے تو یہ امر کسی سے مخفی نہین کہ وہ جرمنی کا باشندہ تھا اور امریکا مین نہین بلکہ انگلستان مین اکسفورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر تھا اُسکی سوانح عمری جو اُسکی بیوی نے دو ضخیم جلدون مین مرتب کی ہے ہمارے پیش نظر ہے اور اُسکے آخر مین اُسکی تمام تصانیف کی فہرست شامل ہے لیکن جس کتاب کا حوالہ فرید وجدی دیتا ہے اسکا کہین ذکر نہین ہے!

اسطرح کی متعدد مثالین الکلام - مین پائی جاتی ہین باانہمہ ہم مولانا کی نیک نیتی پر شبہہ نہین کرتے ہین ہمارے خیال مین اس کا باعث محض انکی مغربی زبانون سے ناواقفیت ہے اس بنا پر اور مولانا کی معقول پسندی پر نظر کرکے ہمکو قوی امید ہے کہ وہ اپنی غلطیون سے مطلع ہوکر پبلک کے سامنے ان کے اعتراف کرنے مین تامل نہ کرینگے آیندہ صفحات مین الکلام کے بعض مختلف فیہ اہم مسائل پر ہم تفصیل کے ساتھ تنقیدی نظر ڈالینگے۔

مذہب اور عقل

تمہید کے بعد آغاز کتاب مین مولانا نے ایک باب علوم جدیدہ اور مذہب کے عنوان سے قائم کیا ہے جس مین اس خیال کی کہ علوم جدیدہ کا مقابلہ مذہب نہین کرسکتا تردید کرتے ہوے فرماتے ہین ؛

"یونان مین فلسفہ ایک مجموعہ کا نام تھا جس مین طبیعیات ۔ فلکیات ۔ عنصریات ۔ الٰہیات ۔ مابعد الطبیعیات سب کچھ شامل تھا لیکن یورپ نے نہایت صحیح اصول پر اسکے دو حصہ کر دیئے جو مسائل کہ تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر قطعی و یقینی ثابت ہوگئے تھے انکا نام سائنس رکھا اور جو مسائل کہ تجربہ و مشاہدہ کی دسترس سے باہر تھے انکا نام فلسفہ رکھا ..." (صفحہ ۹)

"اب دیکھنا چاہیئے کہ سائنس کو مذہب سے کیا تعلق ہے؟ سائنس جن چیزون کا ابطال یا اثبات کرتا ہے مذہب کو اُن سے مطلق سروکار نہین - عناصر کس قدر ہین؟ پانی کن چیزون سے مرکب ہے؟ ہوا کا کیا وزن ہے؟ نور کی کیا رفتار ہے؟ زمین کے کسقدر طبقات ہین؟ یہ اور اسی قسم کے مسائل سائنس کے مسائل ہین - مذہب کو ان سے کچھ سروکار نہین -

مذہب جن چیزون سے بحث کرتا ہے وہ یہ ہین - خدا موجود ہے یا نہین؟ مرنے کے بعد اور کسی قسم کی زندگی ہے یا نہین؟ خیر و شر حقیقی یا ابدی کوئی چیز ہے یا نہین؟ ثواب و عقاب ہے یا نہین؟ ان مین سے کون چیز ہے جسکو سائنس ہاتھ لگا سکتا ہے؟ سائنس کے اساتذہ نے جب کہا ہے تو یہ کہا ہے کہ ہم کو ان چیزون کا علم نہین؟ یا یہ کہ یہ چیزین تجربہ و مشاہدہ کے احاطہ سے باہر ہین یا یہ کہ ہم ان باتون کا یقین نہین کرتے کیونکہ ہم صرف ان باتون کا یقین کرتے ہین جو تجربہ و مشاہدہ سے ثابت ہوسکتی ہین - کوتاہ نظر عدم علم سے علم عدم سمجھ جاتے ہین سائنس والے کہتے ہین کہ ہمکو یہ چیزین معلوم نہین کوتاہ بین اسکے یہ معنی لیتے ہین کہ ہمکو ان چیزونکا نہ ہونا معلوم ہے" (صفحہ)

اقتباس بالا کے حصہ اول مین سائینس و فلسفہ کی جو تعریف کی گئی ہے وہ اگرچہ کسی قدر ترمیم کی محتاج ہے لیکن سردست ہم اسکو تسلیم کرکے مذہب اور سائنس کے تعلقات پر غور کرتے ہین - بلا شبہ اگر ہمارے مولانا اسکی ذمہ داری کرلین کہ مذہب کو سائینس سے کچھ سروکار نہین تو ہم اُنکو اطمینان دلاتے ہین کہ سائنس کو بھی بلا وجہ مذہب سے مخالفت کی ضرورت نہین لیکن واقعات بتارہے ہین کہ ابتدا سے اسوقت تک متعدد مواقع پر مذہب نے سائنس اور علمی ترقیون کی مخالفت کی ہے ڈاکٹر ڈریپر کی لاجواب کتاب سائنس و مذہب کی معرکہ آرائیون کی تاریخ پڑھیا اسکے مثل کوئی اور علمی تاریخ پڑھو تو معلوم ہوگا کہ مذہب نے ایک ایک قدم پر سائنس کی مزاحمت کی ہے اور ہر عہد مین پیشوایان مذہب نے علمی ترقیون کو کفر و الحاد کے تازیانون سے روکنا چاہا ہے اگرچہ اس کوشش مین وہ ناکام رہے اس سے بھی بڑھکر ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ مذہب اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ

سائنس کی مخالفت کرے۔ مذہب اپنے حلقۂ حکومت کو کسی ایک خاص علم و فن تک محدود نہین رکھتا بلکہ اپنی عملداری کو عالمگیر کرنا چاہتا ہے اسکا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا کے علوم و فنون کے تمام مراحل صرف اسی کے وسیلے سے طے ہو سکتے ہین۔ کھانے پینے بات چیت کرنے۔ سونے جاگنے ناچنے گانے مین خفیف سی خفیف چیزون کے متعلق مذہب کی قیود و پابندیان قائم ہین خدا کا وجود خالق و مخلوق کے حقوق آفرینش عالم راز حیات ارض و سما کی خلقت مخلوقات کے باہمی تعلقات اصول معاشرت مسائل تمدن ملکی نظامات مباحث اخلاق ان مین کون سا عقدہ ہے جسکے حل کرنے کا مذہب نے دعویٰ نہین کیا؟ ان مین سے کون مسئلہ ہے جسکے متعلق مذہب نے فیصلہ صادر نہین کیا؟ مذہب علانیہ کہہ رہا ہے لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین مذہب صاف الفاظ مین دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے دنیا کے ہر شعبہ قانون اخلاق علم و فن کے متعلق وحی والہام کے ذریعہ سے بہترین ذخیرہ مہیا کر دیا ہے۔ لیکن اسکے اس صریح دعوے پر پردہ ڈالکر ہم سے کہا جاتا ہے کہ مذہب کو صرف معاد سے تعلق ہے اس تناقض پر غور کرو کہ ایک جانب تو مذہب کو صرف عقائد معاد تک محدود رکھا جاتا ہے[۱] اور پھر اسی کتاب مین چند صفحات آگے چلکر معاملات و اخلاق وغیرہ کے عنوان قائم کرکے مذہب کو "تمدن و ترقی کا مؤید" کہا جاتا ہے[۲] ہم علامہ شبلی سے دریافت کرتے ہین کہ اگر مذہب صرف ان ہی سوالات کا جواب دیتا ہے جنکو آپ نے بیان فرمایا ہے اور اس نے صاف صاف کہدیا ہے کہ "تم لوگ دنیا کی باتین خود خوب جانتے ہو" اور فی الواقع ان حضرت نے دنیاوی معاشرت اور تمدن کو مذہب کے دائرہ سے بالکل الگ رکھا ہے[۱]۔ تو کیا وجہ ہے کہ خود آپ آگے چلکر تحریر فرماتے ہین کہ "ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ (یعنی مذہب اسلام) تمدن کا ترقی دینے والا ہے اور اس حد تک پہونچانے والا ہے جو تمدن کا انتہائی درجہ ہے"[۳]۔ کیا یہ بدیہی تناقض نہین؟

---

[۱] الکلام صفحہ ۱۲ [۲] ایضاً صفحہ ۲۲۰ [۳] ایضاً صفحہ ۲۲۴۔

نتائج سے قطع نظر کر کے مذہب۔ سائنس اور فلسفہ کے طرز استدلال مین جو اختلاف ہے وہ بھی قابل غور ہے۔ سائنس ہم سے کسی مسئلہ کے تسلیم کرنے کے لئے اس بنیاد پر کہتا ہے کہ گذشتہ نسلون کے تمام تجربات اسکی تصدیق کرتے آئے ہین اور خود ہمارا ذاتی مشاہدہ بھی اسکی تائید کرتا ہے اور استقرا تام کی بنا پر وہ یقینی ہو چکا ہے۔ مثلاً مادہ کے ابدی و غیر فانی ہونے پر سائنس کہتا ہے کہ ہم کسی عملی طریقہ سے ایک ذرہ کو بھی فنا نہین کر سکتے اس لئے ہمکو اسکے غیر فانی ہونے پر اپنے مشاہدہ کی شہادت پر یقین کرنا چاہیئے۔ فلسفہ ہم سے کسی مسئلہ کو تسلیم کرنے کے لئے اس لئے کہتا ہے کہ اُسکا ماننا ہماری عقل و قیاس کے مطابق ہے اور اُسکے مخالف خیال کو ہماری عقل تسلیم نہین کرتی۔ مثلاً مادہ کے متعلق ایک فلسفی ہم سے یون استدلال کریگا کہ اپنے ذہن مین کسی مادی چیز کا تصور کرو اور کوشش کرو کہ اسکے اجزا کے معدوم محض ہونے کا تصور تمھارے دماغ مین پیدا ہو سکے۔ ہم سو سو طرح سے تصور کرینگے! ہم یہ تصور کر سکتے ہین کہ اس مادی چیز کو کوئی شخص ہٹا لیگیا یا یہ کہ اسکے نہایت باریک باریک ٹکڑے کر دیئے گئے یا یہ کہ اُس مین آگ لگا دی گئی اور وہ جل کر خاکستر ہو گئی الغرض جسقدر تصورات اسکے متعلق ہمارے ذہن مین آسکتے ہین۔ اُنکا ماحصل یہ ہے کہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت مین یا ایک صورت سے دوسری مین تبدیل ہو گئی لیکن اسکے اجزا کا فنا یا معدوم ہو جانا یہ ایک ایسا تصور ہے جس سے ہمارا ذہن عاجز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس چیز کا تصور ہی ہمارے ذہن میں نہین آسکتا اُسکو عملی طریقہ سے ثابت کرنے مین کہان تک کامیابی ہو سکتی ہے؟ اب ان کے مقابلہ مین مذہب کے طرز استدلال کو دیکھو۔ مذہب ہم سے کسی عقیدہ کو تسلیم کرنے کے لئے کہتا ہے تو کس بنیاد پر؟ کیا اس بنا پر کہ اس کی تصدیق تجربہ سے ہوتی ہے؟ کیا اس لئے کہ مشاہدہ اسکی تائید کرتا ہے؟ کیا اس لئے کہ وہ مقتضائے عقل و قرین قیاس ہے؟ نہین بلکہ محض اسلئے کہ مسیحؑ محمدؐ یا سری کرشن کا بیان ہے کہ وہ عقیدہ خود خالق کائنات کا تعلیم کیا ہوا ہے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہین کہ اسلام نے اس معاملہ مین نسبتاً آزادی سے کام لیا ہے اور

قرآن مین جابجا اس قسم کی آیات پائی جاتی ہین جنکا یہ مفہوم ہے کہ انسان کو غور و فکر عقل و فہم سے کام لینا چاہیئے لیکن یہ سب احکام اسی وقت تک ہین جب تک کہ عقل و مذہب مین اتحاد رہتا ہے اور جہان ان مین اختلاف پیدا ہوا عقل کو پس پشت ڈال دینے مین کبھی تامل نہین کیا گیا۔ جن لوگون کو کسی مسلہ پر یقین کرنے کے کافی وجوہ نہین ملتے اور جو لوگ معقول دلائل کی موجودگی مین کسی چیز پر یقین نہین کرتے انکی شان مین اسلام یہ کہتا ہے :۔

بل کذبوا بما لم یحیطوا العلم وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

کیا اس آیت سے بڑھکر اور کسی طریقہ سے یہ مفہوم ادا کیا جا سکتا ہے کہ اپنی عقل و علم کو کسی مسئلہ کی صحت و عدم صحت کا معیار قرار نہ دو ؟

اسی عقل کشی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج بھی مذہبی جماعت بجائے اسکے کہ عقل کو معیار قرار دیکر مذہب کو اُسکے مطابق جانچے مذہب کو اصل معیار قرار دیکر عقلی نتائج کو زبردستی کھینچ تانکر اُس سے مطابقت دینا چاہتی ہے۔ ایک معقول پسند شخص کے نزدیک وہ مذہبی اعتقاد غلط ہے جو عقل کے مخالف ہے ! لیکن مذہبی جماعت کے نزدیک وہ عقل ناقص ہے جو کسی مذہبی عقیدہ کے مخالف ہو۔ چنانچہ خود پروفیسر شبلی اسی بات پر سرسید سے ناراض ہین۔ کہ اُس بیچارے نے معقولات سے قرآن کی تشریح کرنا چاہی تھی حالانکہ ہمارے علامہ کے نزدیک منقول کی بنا پر معقول کی تاویل کرنا چاہیئے ۔

ہم کو اُن مصنفین پر حیرت ہوتی ہے جو اپنی تحریر مین فلسفۂ مذہب کا مرکب اضافی استعمال کرتے ہین یا کسی مذہب کو فلسفیانہ قرار دیتے ہین۔ اس قسم کے جملے نہ صرف غلط ہین بلکہ بے معنی ہین فلسفہ کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص بجاے خود اپنے قواے عقلی کی بنا پر رازہاے عالم کی تفتیش کرے لیکن فلسفۂ اسلام سے یہ مراد ہے کہ رازہاے عالم کی وہ حقیقت جو حضرت محمدؐ نے بتائی ہے اور وہ بھی اپنے قواے عقلی و دماغی کی بنا پر نہین بلکہ وحی و الہام کی مدد سے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وحی و الہام کی کیا حاجت تھی ؟ صرف اس لئے کہ ہمارے قواے عقلی ناکافی ہین

یا دوسرے الفاظ مین بعض مسائل ایسے ہین جنکی تحقیقات کا معیار عقل کے سوا کوئی اور مافوق الفطرت قوت ہے۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہان سے فلسفہ اور مذہب کے حدود بالکل علیحدہ ہو جاتے ہین۔

مذہب کی تعریف کرتے ہوے حامیان مذہب کو حسب ذیل دو صورتون مین سے ایک لازمی طور پر قبول کرنا پڑیگی:-

(۱) یا یہ کہ مذہب صرف روحانیات اور معاد سے تعلق رکھتا ہے۔

(۲) یا یہ کہ مذہب نے دنیا کے ہر معاملہ و مسئلہ مین راے زنی کی ہے۔

اول الذکر صورت مین یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر خدا کو صرف امور معاد سے کیا تخصیص تھی؟ قواے جسمانی و دماغی اسکی توجہ سے کیون محروم رہے؟ مقتضاے انصاف تو یہ تھا کہ وہ اپنی مخلوقات کی تمام ضروریات کے متعلق (خواہ وہ بادی النظر مین کتنی ہی حقیر معلوم ہون) ہدایت کرتا۔ خالق عالم کے نزدیک تمام مخلوقات مساوی حیثیت رکھتی ہین۔ اگر شق دوم اختیار کی جاے تو تمام عقلی و علمی ترقیون کا سد باب ہوا جاتا ہے جب خدا نے خود ہی کسی مسئلہ کا فیصلہ کر دیا تو اُس سے بہتر کون شخص راے دے سکتا ہے؟ اس بنا پر قانون، اخلاق، فلسفہ، سائنس غرض کسی علم پر غور و توجہ بیکار ہے۔

مولانا کے اس غلط دعوے کے کہ "مذہب کو سائنس سے مطلق سروکار نہین" جواب مین ہم محض چند مسائل ذیل مین درج کرتے ہین جو مذہب[۱] و سائنس مین مابہ النزاع ہین۔ اس قسم کے بیسیون مسائل اور مل سکتے ہین۔

مذہب	سائنس
(۱) مذہب کہتا ہے کہ تمام موجودات کو ایک قادر مطلق نے چھ روز (یا بہ قول بعض حامیان مذہب کے چھ وقتون) مین پیدا کر دیا۔	سائنس کا یہ دعویٰ ہے کہ کروڑون سالون مین تمام موجودات رفتہ رفتہ ترقی کے مدارج طے کرتی ہوئی اس حالت کو پہونچی ہے۔

[۱] ان مثالون مین مذہب سے صرف اسلام اور عیسائیت مراد ہے ۱۲

مذہب	سائنس
(۲) مذہب کہتا ہے کہ چند ہزار سال ہوئے ایک پیمبر کی دعا سے ایک نہایت ہی عظیم الشان سیلاب آیا تھا جو اگر تمام روے زمین پر نہین تو کم از کم اسکے ایک بہت بڑے حصہ پر ضرور محیط تھا اور جس مین باستثناء چند افراد کے کل مخلوقات فنا ہو گئی تھی —	سائنس اسکے جواب مین صرف یہ نہین کہتا کہ اس واقعہ کی کوئی معتبر شہادت نہین ملتی بلکہ یہ کہ اس طوفان کے عدم وقوع پر علم طبقات الارض (جیالوجی) کی شہادت موجود ہے ۔
(۳) مذہب رات ہونے کا سبب یہ بتاتا ہے کہ آفتاب گرم پانی کے ایک چشمہ مین ڈوب جاتا ہے (تغرب فی عینٍ حمئۃٍ)	جغرافیہ کا ابتدائی مسئلہ جس سے اسکول کا بچہ بچہ واقف ہے: یہ ہے کہ رات اور دن ہونے کا باعث زمین کی گردش ہے ۔
(۴) مذہب ہم کو یقین دلاتا ہے کہ زمانہ ماضی مین خدا نے کسی شخص کی دعا یا خود اپنی مرضی سے قوانین فطرت کو توڑ دیا ہے۔ رسیان سانپ بن گئی ہین۔ لاٹھی اژدہا ہو گئی ہے۔ چاند شق ہو گیا ہے مردہ دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔ اور طرح طرح کے خرق عادات سرزد ہوا کئے ہین	سائنس کا فتوی ہے کہ خرق عادات و معجزات کا وقوع غیر ممکن ہے اور قوانین فطرت کے خلاف ہونا محال ہے ۔ (معجزات کی بحث تفصیل کے ساتھ آگے آتی ہے)
(۵) مذہب کا دعوی ہے کہ مرد کے مقابلہ مین عورت کا درجہ نہایت پست ہے اور اسی بنا پر عورتون کے پامالی حقوق مین کبھی تامل نہین کیا گیا۔ اسلام نے جو اس معاملہ مین نسبتاً انصاف پسند ہے عورت کا درجہ مرد سے نصف	سائنس نے مرد و عورت کے قواے دماغی و جسمانی کا مقابلہ کرکے فیصلہ کر دیا ہے کہ اگرچہ بعض حیثیتون سے مرد کو عورت پر اور بعض حیثیتون سے عورت کو مرد پر فضیلت ہے؟ لیکن بہ حیثیت مجموعی دونون کا درجہ مساوی ہے اور ایک کو بہ حیثیت انسان دوسرے

مذہب	سائنس
رکھا ہے[۵۱] (وراثت اور شہادت کے معاملات مین) اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو علانیہ طور سے یہ مکرر کہا گیا کہ مرد کو عورت پر فضیلت ہے۔	پر ترجیح نہین۔
(۶) مذہب کا بیان ہے کہ تقریبًا دو ہزار سال ہوے ایک شخص (یعنی مسیح) دنیا کے مصائب سے تنگ آکر آسمان پر اُڑ گیا۔	سائنس کہتا ہے کہ بہ وجہ کشش ارض اور ہوا کی عدم موجودگی کے کسی شخص کا دوسرے اجرام فلکی تک اُڑ جانا ناممکن ہے (اور آسمان کا توسرے سے وجود ہی نہین)
(۷) مذہب کہتا ہے کہ خدا جسوقت چاہے کسی چیز کو پیدا کر سکتا ہے یعنی عدم محض سے وجود مین لا سکتا ہے اور جسوقت چاہے کسی چیز کو فنا کر سکتا ہے یعنی وجود سے عدم مین لا سکتا ہے	سائنس کہتا ہے کہ مادہ ازلی اور ابدی ہے نہ اسکو فنا ہے اور نہ وہ کسی چیز سے پیدا ہوا ہے۔
(۸) مذہب کہتا ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے	کمسٹری کی تحقیقات کے بموجب خاک کا خمیر انسانی ہونا تو درکنار کوئی عنصر ہونا اور مثل آکسیجن ہائڈروجن کاربن وغیرہ کے کوئی مستقل وجود رکھنا نہین ثابت ہوتا۔
(۹) مذہب کی تعلیم ہے کہ ایک وقت آئیگا جبکہ آسمان پھٹ جائیگا اور ستارے جھڑ پڑینگے (گویا آسمان ایک چھت ہے[۵۲]	علم ہیئت (اسٹرانومی) سے ثابت کر دیا ہے کہ آسمان کوئی مادی چیز نہین جس مین خرق و التیام ہو سکے اور نہ ستارے کہین جڑے

[۵۱] زمانۂ حال کے ایک مشہور و مقتدر مسلمان عالم یعنی شمس العلماء مولانا نذیر احمد ال ال ڈی نے قران کی ایک آیۃ سے یہان تک استدلال کیا ہے کہ مرد کی قوت حافظہ عورت کے حافظہ سے پوری دوگنی ہوتی ہے۔!!

[۵۲] قران مین متعدد آیات ایسی ملتی ہین جن مین آسمان کو مادی چیزون سے تشبیہ دی گئی ہے۔

جس مین ستارے بطور قمقمہ کے آویزان ہین) || ہوے ہین جو گر پڑین گے۔

اسی ضمن مین ایک دوسری غلطی مولانا سے سائنس دان جماعت کے منصب دفرائض کے سمجھنے مین واقع ہوئی ہے۔ ہمارے علامہ فرماتے ہین کہ سائنس کے اساتذہ صرف عدم علم کا اعتراف کرلیتے ہین اس لئے اس سے علم عدم کے معنی لینا غلط ہین۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اساتذہ سائنس محض عدم علم کا اعتراف نہین کرتے بلکہ عدم ثبوت وعدم یقین کے مدعی ہین وہ کہتے ہین کہ خدا کے ثبوت مین جسقدر دلائل مذہب پیش کرتا ہی وہ سب غیر تشفی بخش ہین اور اُن سے ایک سائنٹسٹ کا اطمینان نہین ہوسکتا۔ خدا کے متعلق ایک مذہبی شخص کہتا ہے کہ ہم اسکے وجود پر دلائل قائم کرتے ہین اور اسکا ہونا ثابت کرتے ہین۔ ایک دہریہ کہتا ہے کہ ہم اسکے عدم وجود پر دلائل قائم کرتے ہین اور اُسکا نہ ہونا ثابت کرتے ہین۔ لیکن ایک ماہر سائنس کا مسلک ان دونون سے جداگانہ ہی وہ کہتا ہے کہ ہم لوگ اسوقت تک کسی عقیدہ کو تسلیم نہین کرتے جب تک کہ اُسکے ثبوت مین کافی شہادت نہ موجود ہو اور وہ تجربات کی بنا پر ثابت نہ ہو۔ اب وجود باری کا مسئلہ جو پیش کیا جاتا ہے اسکے عدم وجود پر چونکہ تجربہ کی شہادت کافی طور سے موجود نہین اس لئے ہم اس سے قطعاً انکار بھی نہین کرسکتے باایہمہ اسکے تائید مین جو دلائل پیش کئے جاتے ہین وہ سب غیر معقول ہین اس لئے ہمارا ذہن اسکے وجود کے متعلق ایک عدم یقین کی حالت مین ہے۔

بلاشبہ لفظ اگنا سٹک کے لفظی معنی صرف نہ جاننے والے اور علم نہ رکھنے والے کے ہین لیکن سائنس کے اساتذہ نے اسکو جب کبھی اپنے لئے استعمال کیا ہے تو اسکے مفہوم مین "عدم یقین" کو بھی داخل کیا ہے۔ چنانچہ ذیل مین ہم اُس شخص کی شہادت نقل کرتے ہین جس نے پہلے پہل اس لفظ کو سائنٹفک جماعت کے لئے اختراع کیا اور جو انگلستان کے ماہرین سائنس کا مسلم الثبوت پیشوا تھا

پروفیسر ہکسلی[1] ایک مضمون مین جو مشہور انگریزی رسالہ "نینسوین صدی" مین "اگناسٹی سی ازم اور عیسائیت" کے عنوان سے شایع ہوا تھا حسب ذیل تحریر کرتا ہے:۔

مین یہ بھی کہتا ہون کہ اگنا سٹی سی ازم کو کسی منفی مذہب کا لقب نہین دیا جا سکتا اور در اصل وہ کسی قسم کا مذہب نہین کہا جا سکتا ہے بجز اسکے کہ وہ صرف اپنے اصول کی صحت کا یقین دلاتا ہے، جسکا تعلق جس قدر عقل سے ہے اسی قدر اخلاق سے بھی ہے۔

یہ اصول مختلف طرز سے بیان کیا جا سکتا ہے لیکن اُن کا خلاصہ اِن الفاظ مین ہو سکتا ہے:۔ انسان کے لئے یہ کہنا کہ وہ کسی دعوی کی واقعیت کا یقین رکھتا ہے تا وقتیکہ اسکے ثبوت مین اسکو کافی طور سے منطقی شہادت نہ ملے محض غلط ہے۔

اگنا سٹی سی ازم کا یہی دعوی ہے اور اُسکے لئے صرف یہی ضروری ہے اگناسٹک جماعت جن اعتقاد سے انکار کرتی ہے اور جسکو وہ اخلاقی حیثیت سے جرم سمجھتی ہے یہ ہے کہ "آدمی کو اُن چیزون کا بھی یقین کرنا چاہیے جسکے ثبوت مین اسکو قابل اطمینان دلائل نہ ملین۔ اور یہ کہ اُنکو ایسے دعاوی کے نہ قبول کرنے پر ملامت کیجاسے"

...... جہان تک میری ذات کو تعلق ہے مین یہ بھی کہتا ہون کہ اگنا سٹی سی ازم اگرچہ نہ مذہب ہے اور نہ ہو سکتا ہے تاہم اس (متذکرہ بالا) عام اصول پر عملدرآمد کا نتیجہ یا تو اُن چیزون کا انکار ہوتا ہے جن کے متعلق ہمارے ہم عصر مذہبی علم رکھنے والی جماعت یقین کامل کا اظہار کرتی ہے اور یا اُن کے متعلق کوئی رائے نہین قائم کرنا ہوتی ہے" (دیکھو مجموعہ مضامین جلد پنجم)

غور کرو کہ ہکسلی نے ہر موقع پر بجائے علم کے یقین کا لفظ استعال کیا ہے اور آخر مین اس راز سے بالکل پردہ اٹھا دیا ہے۔

جیمس ہل جو علم النفس والقوی (سایکالوجی) کا مشہور عالم ہوا ہے اگرچہ اس امر کا قائل

[1] ٹامس ہنری ہکسلی سال ولادت ۱۸۲۵ء وفات ۱۸۹۵ء قانون فلسفہ اور علم العلاج مین متعدد یونیورسٹیون سے "ڈاکٹر" کی ڈگری پائی تھی انگلستان کی رائل سوسائٹی کا ایک عرصہ تک صدر انجمن تھا۔ یورپ مین شاید ہی کوئی سائنٹفک مجلس ہو جسکا ممبر وہ نہ ہو۔ انگلستان مین اس سے بڑھکر کوئی علم الحیات (بیالوجی) کا ماہر نہین پیدا ہوا۔

تھا کہ حقایق اشیا کے متعلق انسان کو مطلق علم نہین ہوسکتا تاہم مذہب کے بارے مین سکوت یا تذبذب کی حالت مین نہ تھا بلکہ جیسا کہ اُسکا نامی گرامی فرزند اسٹوارٹ مل لکھتا ہے۔[۱]

"وہ یہ یقین کرنا غیر ممکن سمجھتا تھا کہ دنیا جو سقدر برائیون سے لبریز ہے کسی ایک خالق کا جو غیر محدود طاقت اور کامل نیکی کا جامع ہو کام ہوسکتی ہے اسکی عقل ان دلائل کو حقارت کی نظر سے دیکھتی تھی جنکی وجہ سے لوگ اس صریحی تناقض کو دیکھنے سے اندھے ہوگئے ہین .... وہ مذہب کو محض ایک عقلی غلطی ہونے کی وجہ سے نفرت کی نظر سے نہین دیکھتا تھا بلکہ اسکو اخلاقی حیثیت سے بھی مضر سمجھتا تھا"

خود جان مل بھی اپنی سوانح عمری مین لکھتا ہے کہ میرا نشو و نما مذہب کی جانب سے ایک عدم یقین کی حالت مین ہوا لیکن اپنی وفات سے چند روز پہلے اُس نے جو مضامین مذہب کے متعلق تحریر کئے۔ جانتے ہو کہ اُن مین کیا تھا؟ کیا یہ تھا کہ مین مذہب کے متعلق۔ سکوت کی حالت مین ہون؟ نہین بلکہ اُس نے اُن تمام دلائل کی جو مذہب کی حمایت مین پیش کئے جاتے ہین تردید کی تھی اور ثابت کیا تھا کہ یہ تمام دلائل مغالطہ پر مبنی ہین (یہ مضامین کتاب کی شکل مین شایع ہو گئے ہین اور انکو دیکھکر ہر شخص خود اطمینان کرسکتا ہے)

مذکورۂ بالا بیانات سے صاف انکار مذہب ظاہر ہوتا ہے لیکن ہمارا دعویٰ ہو کہ اگر اُن لوگون کے خیالات کی تحلیل کیجاے جو واقعی اپنی زبان سے صرف عدم علم کا اعتراف کرتے ہین تو اُنکو بھی چار و ناچار انکار ہی کے دامن مین پناہ لینا پڑیگی مگر اس نتیجہ تک پہونچنے کے قبل مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرلو۔

(۱) انسان کسی واقعہ کے متعلق بالکل خالی الذہن نہین رہ سکتا۔ اسکو جب کسی واقعہ کی اطلاع ملتی ہے تو اسکے اقرار یا انکار پر وہ ضرور کوئی راے قائم کرتا ہے۔ اگر وہ علم محسوسات پر مبنی ہوتا ہے اور ہمارے گذشتہ تجربات کے مطابق ہوتا ہے تو ہم اسکی صحت پر

---

[۱] جان اسٹوارٹ مل کی آٹو بیاگرافی" صفحہ ۴۳ جان اسٹوارٹ مل منطق فلسفہ اور پالیٹکس مین نہایت بلند پایہ مصنف ہوا ہے دنیا کے فلسفیون مین صرف یہی شخص تھا جسکی راے کا لحاظ ہربرٹ اسپنسر بھی کرتا تھا۔

بلا تامل یقین کر لیتے ہین - لیکن جسقدر کمی کے ساتھ اس مین یہ شرائط پائے جاتے ہین اسی نسبت سے وہ مرتبہ یقین سے گرا ہوا ہوتا ہے -

(۲) جب کسی واقعہ کے انکار و اقرار دونون پہلوؤن مین سے کسی جانب شہادت نہین ملتی تو ہمارے یقین کا رجحان اسکی عدم صحت کی جانب ہوتا ہے[1] اور علی الخصوص جبکہ وہ واقعہ ہمارے تجربات و بدیہیات سے بعید ہو - اس اصول کی مثال خود ہمارے علامہ نے بھی ایک دلچسپ پیرایہ مین دی ہے جسکو ہم بجنسہ یہان پر درج کرتے ہین - مولانا فرماتے ہین[2] کہ ہم روزمرہ کے تجربہ مین اسی اصول کے پابند ہین - فرض کرو ایک شئے ہے جس کے وجود کی شہادت ہے نہ عدم کی تو ہمارا علم اسکی نسبت کس قسم کا ہوتا ہے ؟ ہم یہ نہین کہتے کہ ہم اس شے کے متعلق کچھ نہین جانتے بلکہ یہ کہتے ہین کہ جہان تک ہمکو معلوم ہے یہ شئے موجود نہین - مثلاً یہ ممکن ہے کہ دنیا کے کسی حصہ مین ایسے آدمی ہون جنکے دو سر ہون ممکن ہے کہ ...... ایسے دریا ہون جن مین مچھلیون کے بجائے آدمی رہتے ہون مگر ہم ان چیزون کی نفی کا یقین رکھتے ہین کیون اسلئے کہ ان کے وجود کی کوئی شہادت موجود نہین -

ان دونون مقدمات کے تسلیم کرنے کے بعد یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ مذہب کے بارہ مین عدم علم کا اعتراف کرتے ہین ان کے یقین کا رجحان بھی اسی جانب ہوتا ہے کہ مذہب کی صحت ثابت نہین -

اب جبکہ یورپ کے اساتذہ فن کے بیانات سے ثابت ہو چکا کہ وہ لوگ مذہب کے منکر ہین اور جبکہ یہ بھی مسلم ہو چکا کہ جو لوگ عدم علم کے معترف ہین انکا طبعی رجحان بھی

---

[1] انگریزی منطق کا امام ڈاکٹر بین مندرجہ ذیل کلیہ کو اصول یقین قرار دیتا ہے "کسی امر کے وقوع کے دعوے کو جسکی تائید یا تردید مین کسی قسم کی شہادت موجود نہین ہے غلط قرار دینا چاہیئے (پروفیسر موصوف کی منطق استقرائی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲)

[2] الکلام صفحہ ۴۲ -

دراصل انکار کی جانب ہے تو ایک مرتبہ پھر علامہ کے اس قول پر نظر ڈالو کہ ماہرین فن کی رای مذہب کے مخالف نہیں بلکہ یہ بعض کم درجہ کے مادئین ہیں جنکی ملمع کاریون نے ہمارے ملک کے نوجوانون کی آنکھون کو خیرہ کر رکھا ہے"!!! جس قوم کے علامہ مصنفین ہکسلی مل بوشنر[۵۱] دیرشو کو کم درجہ کے مادئین قرار دین اور کمیل فیلمرین[۵۳] کی راے کو ماہرین فن کا قائمقام تسلیم کرین۔ اسکی دماغی حالت کی اصلاح کون کرسکتا ہے؟

غالب سوختہ جان راچہ بگفتار آری
بدیارے کہ ندانند نظیری زقتیل

مذہب وسائنس کے ان ہی اختلافات کو پیش نظر رکھکر اور پھران دونون کی گذشتہ تاریخ پر لحاظ رکھکر یہ امید کرنا بیجا نہیں کہ مذہب اب چندروز مہمان ہے اور جسطرح آفتاب علم کے سامنے توہمات کی تاریکی دور ہوتی جاتی ہے اسیطرح جیون جیون سائنس کی تعلیم عام ہوتی جائیگی اسی نسبت سے مذہب کا اثر بھی زائل ہوتا جائیگا۔ انگلستان کا ایک مصنف جیمس کازماہین لکھتا ہے کہ مذہب عیسوی کی بنیاد اسقدر متزلزل ہوگئی ہے کہ اسکے قیام کی کوئی معقول امید نہیں معلوم ہوتی[۵۴]۔ لیکن ہمارے خیال مین یہ ریمارک آج دنیا کے تمام مذاہب پر صادق آتا ہے۔

لیکن تحریر بالا کی بنا پر اگناسٹی سی ازم اور دہریت کو مرادف ہرگز نہ قرار دینا چاہیئے حاشا یہ ہمارا منشا نہیں۔ اگناسٹک کے نزدیک ایک دہریہ بھی حقیقت سے اتنا ہی دور ہے جتنا کہ ایک سخت پابند مذہب اسکے میزان خیال مین مذہب و دہریت دونون مساوی وزن رکھتے ہین۔ جس طرح سے حامیان مذہب بغیر کافی شہادت کے یہ فرض کر لیتے ہین کہ وجود عالم کی ایک علت فاعلی ہے جو اسکی خالق ہے قادر مطلق ہے عالم الغیب ہے اور جو ہرشے کی

---

[۵۱] جرمنی کا نہایت مستند محقق [۵۲] جرمنی کا نہایت مشہور عالم فزیالوجی کا ماہر۔ [۵۳] فرانس کا ایک ہئیت دان انیسوین صدی مین علم الامراض (پیتھالوجی) کا سب سے بڑا عالم اور علم الانسان (انتھراپالوجی) کا ماہر۔

[۵۴] خدمت انسان صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ واٹس اینڈ کو

مسبب ہے مگر خود بلا سبب ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح دہریہ بھی کسی معقول استدلال کے بغیر یہ یقین کر لیتا ہے کہ یہ عالم بلا کسی علت کے خود بخود قائم ہے! لیکن اگنا سٹک کی راے مین یہ دونون عقائد سطحی احتمالات سے زیادہ وقعت نہین رکھتے اور وہ دونون کی نسبت عدم یقین کا اظہار کرتا ہے۔

درحقیقت مذہب کی بنیاد اسوقت سے پڑتی ہے جبکہ انسان اپنے گردوپیش کے واقعات و حادثات کو تجسس و تفحص کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے وہ غور کرتا ہے کہ دنیا مین ہر لحظہ جو تغیرات ہوا کرتے ہین اِن کے علل و اسباب کا سلسلہ آخر کہین ختم ہوتا ہے؟ اگر ہوتا ہے تو کہان اور کیونکر؟ اس کے دل مین یہ خودبخود سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان عالم کی ابتدائی حالت کیا تھی؟ اسی قسم کے سوالات کے جواب پر مذہب کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسکے ساتھ ہی انسان کو یہ بھی نظر آتا ہے کہ دنیا مین ہر تغیر کسی دوسرے تغیر کا محتاج ہوتا ہے اور ہر نیا واقعہ کسی نہ کسی واقعہ سابقہ سے وابستہ ہوتا ہے اور یہ علت و معلول کا باہمی رشتہ تمام نظام عالم مین پایا جاتا ہے اپنے اسی روزمرہ کے مشاہدہ و تجربہ کو اپنی آیندہ تحقیقات کا سنگ بنیاد قرار دیکر وہ اپنی عقلی عمارت کھڑی کرنا چاہتا ہے اور اسی اصول اولین کی بنا پر وہ وجود عالم کے متعلق کسی تھیوری کے قایم کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن یہان پہونچکر جو راے وہ قائم کرتا ہے وہ اسکے سابقہ تجربات و مشاہدات کے مخالف و منافی ہوتی ہے اور ان کے درمیان مطابقت دینے کے لیے اُسکی تمام کوشش بے سود ثابت ہوتی ہے! بلکہ اس راز کے انکشاف مین جسقدر زیادہ موشگافی کی جاتی ہے اسی نسبت سے یہ عقدہ اور زیادہ پیچیدہ ہوتا جاتا ہے اور مذہبی جماعات طفلانہ احتمالات کو بنائے یقین قرار دیتی ہین۔

چون نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

وجود عالم کے متعلق جو رائین قائم کی جاتی ہین ان مین سے دو خاص کر

قابل الذکر ہین:[۵۱]—

(۱) ایک یہ کہ عالم ابتدأء معدوم محض تھا اور اسکی خلقت ایک ہستی مطلق کی قوت ارادی کی وجہ سے ہوتی ہے جسکی قوت علم وعقل لاانتہا ہے جسکو کبھی فنا نہین اور جو اپنے وجود کے لئے کسی دوسری علت کی محتاج نہین اہل مذاہب عموماً اسی شق کو اختیار کرتے ہین

(۲) دوسرے یہ کہ یہ عالم کسی کا مخلوق نہین - بلکہ کسی علت کا معلول نہین اور بذات خود ہمیشہ سے قایم ہے - اس راے کو صحیح تسلیم کرنے والے دہریہ کے لقب سے مشہور ہین -

اول الذکر احتمال کی تائید مین جو ظاہر فریب دلائل پیش کئے جاتے ہین انکی مفصل تنقید آیندہ نمبرون مین آیگی لیکن سردست ہم صرف اتنا بتانا چاہتے ہین کہ مادہ عالم کا عدم محض سے وجود مین آنا ہمارے تجربات ومشاہدات کے منافی ہے[۵۲] - لیکن اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مادہ عالم کی خلقت کے قبل کیا خلا بھی تھا؟ اگر تھا تو اسکا وجود کیونکر ہوا؟ اور اگر اسکا جواب نفی مین دیا جاے تو کیا عدم خلا کا تصور کسی انسانی دماغ مین آسکتا ہے؟ ان سوالات سے قطع نظر کرکے سب سے اہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس "ہستی مطلق" کی علت کیا ہے؟ اگر اسکے وجود کو علت ومعلول کے سلسلے سے

---

۵۱ - ان دو شقون کے علاوہ اور بھی بعض احتمالات وجود عالم کے متعلق فرض کئے جاتے ہین - مثلاً صوفیون کا مسئلہ ہمہ اوست وحدت وجود وغیرہ لیکن چونکہ اسوقت ہمارا روے سخن صوفیون کی جانب نہین ہے اسلئے ہم ان کے عقائد سے قطع نظر کرتے ہین -

۵۲ ہمارے ایک لایق عربی دان دوست اس اعتراض سے بچنے کے لئے یہ کہا کرتے ہین کہ الفاظ قرآن سے مادہ کا حدوث نہین ثابت ہوتا بلکہ قرآن اس مفہوم کا بھی متحمل ہے کہ مادہ عالم ہمیشہ سے موجود تھا خدا نے صرف ترکیب دیکر یہ صورت پیدا کردی - خود علامہ شبلی بھی قدامت مادہ کے قائل ہین اور بعض مسلمان علماے سلف بھی (جس مین غالباً ابن رشد بھی شامل ہی) ان کے ہم زبان ہین - لیکن اس تاویل پر ہمارا اعتراض بدستور قائم رہتا ہے آخر مادہ عالم کی ترکیب دینے والے اور اسکی صورت قایم کرنے والے کا وجود کیونکر ہوا؟ اور اسکی کیا علت ہے؟

مستثنیٰ سمجھا جائے تو یہ بھی بدیہیات کے خلاف ہے ۔

اگر شق دوم تسلیم کیجائے تو بھی ایسی ہی دقتون کا سامنا ہوتا ہے اسکے ماننے سے یہ ماننا لازم آتا ہے کہ دنیا کی ابتدا کسی زمانہ مین نہین ہوئی بلکہ ایک غیر محدود زمانہ سے قائم ہے لیکن ہم دریافت کرتے ہین کہ کیا ہمارے دماغ مین کسی غیر محدود زمانۂ ماضی کا تصور پیدا ہوسکتا ہے ؟ لیکن اگر بہ فرض محال ہم تسلیم کرلین کہ ہمارے دماغ مین سلسلہ نا متناہی کا تصور سما سکتا ہے تو بھی ایسا عقیدہ ہمارے پچھلے تجربات کے منافی ہے ہمارا مشاہدہ تو یہ کہتا ہے کہ ہر تغیر معلول ہے کسی تغیر سابقہ کا ؟ مگر دہریہ کہتا ہے کہ اسوقت تک تغیرات عالم مجموعی حیثیت سے کسی علت کے ساتھ وابستہ نہین !! اس سے قطع نظر کرکے یہ دیکھو کہ کیا اس جواب سے ہماری کچھ بھی تسکین ہوتی ہے ؟ کیا اس سے راز عالم کی گتھی کے سلجھنے مین مدد ملتی ہے ؟ ہمارا سوال یہ تھا کہ عالم کا وجود کیونکر ہوا ؟ اسکے جواب مین کہا جاتا ہے کہ یہ آج سے نہین بلکہ ہمیشہ سے قائم ہے ۔ غور کرو کہ کیا اس جواب مین معقولیت کا کوئی بھی حصہ شامل ہے !!

ان ہی وجوہ کی بنا پر ایک سائنس دان ایگناسٹک مذہب اور دہریت دونوں کو پایۂ معقولیت سے گرا ہوا اور غیر تشفی بخش قرار دیتا ہے وہ اگرچہ مذہب کا صاف صاف منکر ہے لیکن اسکے ساتھ ہی دہریت سے بھی متنفر ہے وہ بجائے کسی فرضی و غیر معقول احتمال کے تسلیم کرنے کے اپنے عقلی عجز و نارسائی کا اعتراف بدرجہا بہتر جانتا ہے وہ علانیہ کہتا ہے کہ ہمارے قوائے عقلی اسقدر قوی نہین کہ اس مادی عالم سے خارج کسی ہستی کی حقیقت دریافت کرسکین ہربرٹ اسپنسر کی راے کے مطابق ممکن ہے کہ کسی غیر مادی ہستی کا وجود ہو لیکن ہمارے سامنے اسکی تائید مین جسقدر دلائل پیش کئے جاتے ہین وہ سب غیر معقول ہین اس لئے ایک جانب تو ہم ان تمام پیش کردہ رایون کی صحت سے انکار کرتے ہین اور دوسری جانب اس مافوق العقل ہستی کے متعلق اپنی جانب سے کسی قسم کی راے

قائم کرنے سے ساکت رہتے ہین -

عرفی شیرازی نے مذہب والون کی نسبت کسقدر سچ کہا ہے -

آنان کہ وصف حسن تو تقریر می کنند

خواب ندیدہ را ہمہ تعبیر می کنند

راقم

"مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتدراز"

نقلم ایک طالب علم

غزل

کچھ مجھکو یہ خیال بھی ہے مشق نازمین
پامال کون ہوگیا اس ترکتازمین

کچھ کھل گئے ہین بند قبا خواب نازمین
نقد وصال ہے گرہ نسیم بازمین

نیچی نظر ہے شرم کی اونچی ہے قہر کی
بچتا نہین شکار نشیب و فرازمین

دل دیکے بھول جانے کی عادت ہے آپکو
اب کے گرہ لگائیے زلف درازمین

بے پردہ ہوگیا ہے تجلی سے حسن یار
ہے طاقت نگاہ کسی دیدہ بازمین

تیری زبان سے آگ لگی شمع انجمن
میری زبان کو دخل نہین میرے رازمین

پردہ مین زمزمہ زن ہے تو دھوکا ہی ہوگیا
ہے جسم مین یہ روح کہ آہنگ سازمین

کہتی تھی آج شمع سحر مجھکو دیکھکر
جیتے ہو کس طرح سے غم جان گدازمین

اُس بحر پرخطر مین ہون مین جسکی موج سے
ڈر کر ہوا سوار تلاطم جہازمین

وہ صید پر شکستہ ہون پائی ہے پرورش
مین نے ہوائے بال و پر شاہبازمین

خالی نہین فریب سے عیش اس جہانکا
ساغر شراب کا ہے کف شیشہ بازمین

پھانسی لگا رہی ہے اجل کیا بُری طرح
اولجھا کے رشتہ ہائے امید درازمین

علی حیدر طباطبائی لکھنوی

فغانِ بسمل

نہ قابو مین ہے دل میرا نہ بس مین ہو زبان میری
معاف اے ضبط اب معذور ہے تاب بیان میری

بجاے داغ خون دامن مین ہین آتش کے پرکالے
ہوئی ہے آتش افشان آج چشم خونفشان میری

دفور اشک مین آہون نے چشم بادبانی ہے
عجب منجدھار مین ہے کشتی عمر روان میری

میری تقدیر مین وارفتگی تھی اور بربادی
ہوئی اک مشت خاک آخر غبار کاروان میری

تمناؤن کا دل مین اور دل کا خون ہے آنکھون مین
بیان کن سرخیون سے ہو رہی ہے داستان میری

مجھے ہر ہر قدم پر دوری منزل کا رونا ہے
ہم آہنگ جرس ہے شورش طرز فغان میری

بتا کوئی سبیل اے خضر مرگ ناگہانی کی
رہین سخت جانی ہے حیات جاودان میری

جگاتا ہے مجھے خواب عدم سے بخت خفتہ کو
صداے صور محشر ہو گئی ہر فغان میری

مٹون خود یا مٹا دون حسرت و حرمان کی ہستی کو
کہ ایسی زندگی اک داغ ہے انسان کی ہستی کو

رہی جس قوم مین تاب عمل روح روان ہوکر
دکھایا اس نے سکان زمین کو آسمان ہوکر

یہ وہ طاقت ہے جس سے بادشاہ مصر کہلایا
وہی یوسف جو آیا تھا غلام کارِوان ہوکر

پشیمانی ہے ہمکو آہ اس بے دست و پائی سے
کہ غفلت نے دبایا ہے ہمین خواب گران ہوکر

نہ گرد راہ بنکر ساتھ پہونچے جانیوالون کے
رہے منزل مین پیچھے نقش پاے کاروان ہوکر

گئے آگے نکل وہ ہمسفر جو ہم سے پیچھے تھے
تن آسانی پڑی پانو مین اپنی بیڑیان ہوکر

متاع خانہ لوٹا سامنے قزاق دوران نے
خموشی نے نہ کچھ کہنے دیا مہر دہان ہوکر

حریفون نے کیا زیر نگین ملک تمدن کو
مٹے ہم صفحۂ ہستی سے بے نام و نشان ہوکر

کیے حاصل ہم آہنگون نے تمغے نیکنامی کے
کیا اک نام پیدا ہم نے رسواے جہان ہوکر

سیہ خانے جو تھے سب بنگئے ہین نور کے بقعے
ہماری شمع کا رنگ اڑ گیا آخر دھوان ہوکر

کوئی چارہ نہین اب سوز غمہاے نہانی کا
فقط یہ ہو کہ لین ہم آنسوؤن سے کام پانی کا

الٰہی دیکھتے ہین شان ہم تیری خدائی کی
جو دن کے واسطے بھی ہو کوئی صورت بھلائی کی

دعا کی تو رسائی ہو تری درگاہ تک آخر
نہین کچھ غم جو بخت نارسا نے نارسائی کی

خدایا بس ترے در پر ہو اب فرق نیاز اپنا
بتون کے آستانون پر بہت دن جبہہ سائی کی

لگا دے پار خود اپنے کرم سے قوم کا بیڑا
خداوندا دکھا دے شان اپنی ناخدائی کی

بُرے ہین یا بھلے ہین امت خیر الوریٰ ہین ہم
سفارش ہو یہی نسبت جناب مصطفائی کی

خلیلؑ و آدمؑ و ایوبؑ کے مطلب بر آئے تھے
اب اس مشکل کو بھی امید ہو مشکلکشائی کی

ترقی پھر ہو میدان عمل کی دوڑ مین حاصل
جگہ لے پھر قباے خسروی دلق گدائی کی

جھلک ہو قرن اولیٰ کی ہویدا قرن آخر مین
کہ ہے مشہور نسبت ابتدائی انتہائی کی

فقط بسملؔ نہین اک شوکت اسلام کا طالب
یہی ہو آرزو ہر ایک مذہب کے فدائی کی

نہ حسرت آفرین کی ہو نہ تحسین کی تمنا ہے
دعا کے ختم پر اے قوم آمین کی تمنا ہے

عبد الحکیم بسملؔ

مقدس گنگا

اے ہندوستان کی سب سے مقدس اور پاک ندی- اے دلفریب اور دلستان ادا سے بہنے والی ندی- اے صبح بنارس کا سمان دکھانے والی ندی تو کچھ اپنے حالات تو بتا سیاح اپنے سفر کے حالات بتاتے ہین اگر تو جو دائمی سیاح ہے کیون زبان بے زبانی اختیار کئے ہوئے ہو-

تیری داستان دلچسپ ہے- تیرے حالات بامزہ ہین تیرے جمال جہان آرا کی زیارت پاک ہندو دھرم کے ماننے والے لوگون کو ایک آن کی آن مین گناہون سے پاک

کرتی ہے - اور جنت الفردوس مین جسکو وہ لوگ اپنی زبان مین "سورگ" کہتے ہین
پہونچاتی ہے -

تیری سطح پر آفتاب جہان تاب کی کرنین کسی کی پرافشان پیشانی کی یاد دلاتی ہین -
تیری لہرون پرکسی کی زلف کا دھوکا ہوتا ہے - اور تیری چمک پرکسی کے رخسار تابان کا نقشہ
سامنے آجاتا ہے - توکبھی ہماری پالنہار بنی ہے توکبھی تونے ہمکو بحر فنا مین ڈبو دیا ہے
اور شاید یہی وجہ ہو کہ تجھکو لوگون نے ذات الوہیت بنا دیا مگر ہم تو اسپر بھی تیری خوبیون کے قائل ہین
اے مقدس اور اے پاک ندی ہمکو وہ زمانہ یاد ہے جبکہ سگر راجہ نے جسکے
ساٹھ ہزار لڑکے تھے یگ کیا تھا اور اندر اسکا گھوڑا پاتال مین لیگیا اور اُسکی تلاش مین
ساٹھون ہزار لڑکے زمین کھودنے لگے تھے - اور اُس سے ایک گڈھا پیدا ہو گیا تھا -
جسکو اب ساگر یا سمندر کہتے ہین اوسمین جو لڑائی ہوئی تھی اور ساٹھون ہزار مارے گئے
تھے جنکی مکتی کی فکر بھاگرتہ کو پیدا ہوئی تھی اور اسی وجہ سے وہ تجھکو اے مقدس ندی
ہمالیہ سے لایا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اُس قرب و جوار مین تیرا نام بھاگی رتی بھی ہے -
تو سورگ (فردوس برین) سے آئی ہے اسلئے تجھکو دیوتا ندی بھی کہتے ہین اور
وہان سے آکر تو شیوجی کی جٹا سے نکلی ہے اور وہان سے ہمالیہ کا چکر کاٹکر تو اس ملک
مین نمودار ہوئی ہے - اے ہندوستان کی ساری ندیون سے مقدس ندی اگر تو آج
خشک ہو جاے تو قیامت نمودار ہو جائیگی - اصلی قیامت چاہے آئے یا نہ آئے یا کل
کا وعدہ کرے مگر زندہ قیامت ضرور آجائیگی - جن زمینون کی رکشا اور پرورش تو کرتی ہے
اور جنکے دل تونے ہاتھ مین لے رکھے ہین وہ مرجھائینگی اور اُسیوقت واذا البحار سجرت
کا نمونہ ہو جائے گا -

ہردوار مین ہرکی پیٹرمان اور کنکھا گھاٹ علی گڈھ کے پاس راج گھاٹ فرخ آباد
کے پاس سورون گھاٹ اور بنارس مین منی کرنیکا گھاٹ تیرے تقدس کی آج تک

یادگارین ہین -

اے مقدس اور پاک ندی ہندوستان کا مشہور شاعر جگنناتھ کبھی تیرے لئے اپنی کتاب گنگا ہری مین کہتا ہے کہ " اے گنگا مہارانی جبکہ رانیان اپنے بدن مین چندن اور کستوری لگا کر تجھ مین نہاتی ہین تو جن برتون کی کستوری اُن کے بدن مین لگی ہوتی ہے وہ بھی تیرے پاک جل کی بدولت چتربھج روپ دہان کرکے سیدھے سورگ مین چلی جاتی ہین اللہ اللہ کیا تیری شان رحمت ہے -

نظر لطف سے دیکھے گی جنھین تو یکبار
مستحق خلد کے ہو جائینگے سارے سقری

اے مقدس ندی تیرے کنار عاطفت مین مرنا جنت کے داخلہ کا پروانہ ہے اور اسی لئے جو ہندو چوتھے آشرم مین آجاتے ہین وہ وہین عبادت کرتے کرتے رہ جاتے ہین -

تیرے آغوش عاطفت مین ہڈیان آجتک ڈالی جاتی ہین جسمین سب سے زیادہ دانت اور گھٹنے کی ہڈیان ہوتی ہین جنکو اصطلاح عام مین پھول کہتے ہین - اور انھین پھولون کی دیکھا دیکھی تیرے ماننے والون کے ہمنشینون نے سچ مچ کے پھول ایجاد کرلئے ہین - جو شخص تیرا پانی رامے شرم مین چڑھاتا ہے وہ شیولوک مین بلا روک ٹوک داخل ہوجاتا ہے اور یہی راجون کے راجہ مہاراجہ سری رامچندر جی کی نصیحت ہے - ہندؤن مین جسقدر پاک رسوم ادا کی جاتی ہین اسمین تیرا پاک پانی استعمال کرنا ضروری ہے تیرے ہی پانی سے کریا کرم ہوتا ہے اور تیرے ہی نام اور تیرے پانی سے حلف اٹھایا جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ ہندؤن کے لئے تیرا پانی آب زمزم کے برابر ہے چاہے ڈاکٹر دونون کو مرکری لوشن کے برابر نہ خیال کرین -

اے مقدس اور پاک ندی تیرے اسقدر احسانات ہین کہ اُنکا بیان کرنا مشکل ہے مگر اسپر بھی تیرے ملک کے رہنے ولے اور تجھسے ثواب اُخروی حاصل کرنے والے تجھ سے بے خبر - مسلمان تو شاید ہی جانتے ہونگے کہ تو کیا ہے مگر سچ یہ ہے کہ ہندو بھی بے خبر ہین

تو اسقدر مقدس ہے کہ جہان تو نہین تو تیرے عاشقون اور شیدائیون نے تیرے
نام پر اور دریاؤن کے نام رکھ لئے ہین اور انکو تیرا ظل یا بروز خیال کرتے ہین -
اے مقدس اور پاک ندی آج تیرے حالات یہ خادم پبلک مین پیش کرتا ہے
اگرچہ مین تیرے عقیدت مندون مین نہین ہون گر خدا کا حکم ہے کہ لا تسبوا الذین یدعون
من دون اللہ عدواً بغیر علم - اسلئے تیرا ادب کرتا ہون اور ادب سے ذکر - کاش
اور مذہب والے اسکی تقلید کرین تو مذہبی فسادات اٹھ جائین -
یہ مبارک اور مقدس ندی جسپر صوبہ جات متحدہ کے لوگ جسقدر ناز کرین کم ہے
ہمالیہ پہاڑ سے نکلی ہے اور سب سے پہلے ریاست گڑھوال کو اپنا مرہون منت بنایا اور
پندرہ سو میل کا سفر طے کرکے خلیج بنگالہ نامی ساگر سے ہم آغوش ہوگئی ہے - مقدس مقام
گنگوتری کے پاس ایک برف سے ڈھکا ہوا کوہ ہے وہان سے نکلی ہے جو ساگر کے
سطح سے دس ہزار تین سو فٹ بلند ہے شروع مین جھاری جو شمال مغرب سے
آتی ہے اور الک نندا دونون دیوپریاگ پر ملتی ہین اسکے بعد یہ گنگا کے مقدس اور
پیارے نام سے یاد کیجاتی ہی اور یہ مقام نہایت مقدس مانا جاتا ہی اور اسیطرح گنگوتری
بھی - سکھی مقام پر یہ ہمالیہ سے نکل آتی ہے اور جنوب اور مغرب کی طرف اسکا رُخ ہوجاتا
ہے اور ہردوار مین نمودار ہو جاتی ہے - دیرہ دون سہارنپور - مظفر نگر - بلند شہر -
فرخ آباد - کانپور مین ہوتی ہوئی یہ آگے روانہ ہوتی ہے - یہان تک نہ تو اسکا زیادہ جوش
وخروش ہے اور نہ اسمین پانی کی کثرت ہے صرف گرمیون مین جبکہ برف گھلتی ہی یا برسات
ہوتی ہے تو اسکا بھی پانی بڑھتا ہے - الہ آباد مین اس سے اسکی بہن جمنا ہم آغوش ہوجاتی
ہے پھر یہ دونون اپنا سفر شروع کرتی اور مشرق کی طرف اپنا رُخ کرتی ہین اور پھر جنوب
اور مشرق کی طرف رُخ ہوجاتا ہی اور اس سفر مین گھاگرا (جو اجودھیا جی سے متبرک
مقام مین شام اودھ کا لطف دکھاتا ہی) اور گومتی معانقہ کرتی ہین -

الہ آباد مین جس متبرک مقام پر یہ دونون مقدس ندیان ہم آغوش ہوتی ہین وہ بہت مقدس ہے اور اسکو پراگ کہتے ہین جہان لاکھون زائرین ہر سال جمع ہوتے ہین۔ پھر بنارس مین ہوکر یہ بہار کے لوگون کو اپنے جمال جہان آرا کی زیارت کراتی ہے جہان سون ندی اس سے آکر ملتی ہے پھر پٹنہ کے لوگون کو اپنا دیدار دکھاتی ہے اور یہان نیپال والی گنڈک اسکے قدم لیتی ہے اور راج محل تک پہونچ جانے پر اسکا رخ جنوب کی طرف ہو جاتا ہے اور گور کی تباہ حالت پر غور کرنے لگتی ہے۔ یہان سے سمندر صرف دوسو چالیس میل رہ جاتا ہے بیس میل اور چلتی اور پھر اسکے چشمہ فیض جاری ہوجاتی ہین اور یہی اوس ڈلٹا کی ابتدا ہے جو خلیج بنگالہ کے دہانے پر ہے جو بخط مستقیم دوسو میل ہے اور چکردار راستہ کے لحاظ سے تین سو میل۔

اس مقدس ندی کا خاص دہارا اس مقام سے پدما یا پدا کہلاتا ہے اور جنوبی مشرقی سمت کو رخ کرتا ہوا بہا کرتا ہے اور بینا ہوتا ہوا گولنڈوا پہونچ جاتا ہے اور یہین پر جمونا آکر اس سے بغل گیر ہوتا ہے جو خود برہم پترا کا خاص دہارا ہے اور ان ہردو کا مجموعہ خلیج بنگالہ سے مل جاتا ہے۔

جس مقام پر ڈلٹا بنتا ہے اسکے اوپر کے زاویہ پر مرشد آباد، ندیا، جےسور اور ۲۴ پرگنے کے اضلاع ہین۔ اور بیس میل پر ایک جنگل ہے جسکو سندر بن کہتے ہین۔ اور اسمین سے ہوکر بہت باریک باریک دہارے گذرتے ہین۔ اسکو سندربن اسلئے کہتے ہین کہ اس مین سندری کے درخت اُگے ہوے ہین ہگلی بھی دراصل یہی مقدس ندی ہے اور تجارت کے لئے بہت مفید اور وہان سے نوے میل تک چلی گئی ہے۔

اس مقدس ندی کے "کیچمنٹ بےسن" کا رقبہ چارلاکھ بیس ہزار چارسو اسی میل مربع ہے۔

جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدس ندی کی لمبائی پندرہ سو چالیس میل ہے۔ راج محل پر پانی کی رفتار تیرہ لاکھ پچاس ہزار مکعب فیٹ فی سکنڈ ہے مگر بہ زمانہ طغیانی دہانہ پر چوڑائی بیس میل ہے۔ خشک موسم مین اسکا پاٹ سوا ایک سے سوا دو میل تک ہے اور گہرائی خشک موسم مین دس گز تک ہے۔

پانی کی رفتار بہ زمانہ طغیانی اٹھارہ لاکھ مکعب فیٹ فی سکنڈ ہے معمولی حالت مین دو لاکھ سات ہزار مکعب فیٹ فی سکنڈ ہے۔

اسمین طغیانی جب آتی ہے تو زیادہ سے زیادہ چالیس یوم تک رہا کرتی ہے الہ اباد سے بنارس تک یہ ندی ۵ انچ فی میل نشیب مین ہو گئی ہے اور بنارس سے کلکتہ تک چار یا پانچ انچ فی میل ہے اور کلکتہ سے سمندر تک ایک یا دو انچ فی میل جب کبھی اس مقدس ندی کو لوگون پر غصہ آیا ہے تو اسنے عذاب کا رنگ بھی پکڑ لیا ہے اور لوگ اگر آل فرعون کے مثیل ہوگئے ہین تو یہ ندی دریائے نیل کا بروز بن گئی ہے اور "فاغرقنا آل فرعون و انتم تنظرون" کی حالت پیدا ہو گئی ہے اور اسی وجہ سے جنوبی بنگال مین کوئی عمارت اسکے قرب و جوار مین نہین بنائی جاتی۔

اسکے ساتھ ہی گنگو تری کے حالات بیان کرنا بے موقع نہ ہون گے یہ بھی ریاست گڑھوال مین ہے اور گنگا سی مقدس ندی پر واقع ہے اور اس مقام پر گنگا محض پندرہ بیس گز چوڑی ہے اور تین فٹ گہری۔ یہان آٹھ یا دس فیٹ اونچا ایک مندر ہے اسمین دو مورتین ہین۔ ایک گنگا کی ایک بھاگرتی کی۔

یہان پر دریا کو تین حصون پر تقسیم کیا ہے۔ ایک برہما کے نام پر نذر ہے۔ دوسرا وشنو کے نام پر اور تیسرا شیو جی کے نام پر۔ یہ مندر دس ہزار تین سو انیس فیٹ سطح سمندر سے بلند ہے اور طول البلد ۷۸ درجہ ۵۹ دقیقہ ہے اور عرض البلد ۳۰ درجہ ۵۹ دقیقہ ہے۔

محمد عمر جذب

گل و بلبل

آرایش چمن ہے حسن و جمال میرا — محبوبیت کی جان ہے غنج و دلال میرا
سو زیوروں کا زیور اک میری سادگی ہے — بے خط و خال ہونا ہی خط و خال میرا
خاکی گھر ہوں لیکن کیفیتیں نہ پوچھو — جام جہاں نما ہے جام سفال میرا
مجھسے ہیں آشکارا حسن ازل کے جلوے — دفتر ہے معرفت کا مضمون حال میرا
لکھتے ہیں مجھکو شاعر کیوں گوش بے سماعت — باد صبا سے پوچھو کچھ وجد و حال میرا
شمشاد پا بگل ہیں اور پیچ و خم میں سنبل — پھیلا ہوا ہے ہر سو گلشن میں جال میرا
فصل بہار گویا میرا ہی ایک تبسم — موسم ہی جو خزاں کا ہے اک ملال میرا
نرگس کی آنکھ مجھ پر ہر دم لگی ہوئی ہی — بینا وہی ہے جو ہے محو جمال میرا
سوسن کی دس زبانیں مصروف ہیں ثنا میں — ورد طیور گلشن ہے ذکر و حال میرا

در محفل بہاران شمع جگر گدازم
اے چون گلم بخوانی آگہ نہ ز رازم

گل نے کہا یہاں تک جب اپنی داستاں کو — بلبل نے بھی اٹھایا پھر سر بہ بوستاں کو
بولی کسے سناؤں میں کون ہوں کہاں ہوں — پیدا کروں کہاں سے ہمراز و ہمزباں کو
کیونکر بتاؤں کیا کیا صدمے پہونچ رہے ہیں — گلچیں سے گلستاں کو بجلی سے آشیاں کو
غش دل گلاب پر ہی لالہ سے خون جگر ہی — آشوب کسقدر ہے اک جان ناتواں کو
مجھکو پڑی ہوئی ہے پھولونکی گلستاں کی — میری پڑی ہوئی ہے صیاد و باغباں کو
گھر کر لیا ہے دل میں جسدن سے عشق گل نے — ہے کام لخت دل سے بس چشم خونفشاں کو
گلہاے اشک خوں سے آخر سراغ نکلا — دلمیں چھپا رکھا تھا جس شاخ ارغواں کو
اک برق آسماں کی اک قہر باغباں کا — کس کس سے میں بچاؤں خاشاک آشیاں کو

از عافیت در اینجا گاہے نشان ندیدم
بر ہیچ شاخسارے کنج امان ندیدم

ملک محی الدین احمد قمر

لیڈیز کانفرنس کی ضرورت

سید امین الحسن رضوی نے جو تحریک اپنے مضمون مین پیش کی ہے ہم اسکو ناظرین کی خدمت مین پیش کرتے ہین - النساء کے صفحات نہایت مسرت کے ساتھ موافق و مخالف ہر پہلو پر غور کر کے لکھنے والون کے واسطے وقف ہین ہم امید کرتے ہین کہ بزرگان قوم جنکو تعلیم نسوان کے اہم مسئلہ سے دلچسپی ہے - اپنی قیمتی رایون کا اس خاص تجویز پر اظہار فرمائین گے -

ترقی تعلیم نسوان کے بہی خواہون کو یہ محسوس کر کے بہت مسرت ہوتی ہے کہ تقریباً اکثر نامور حصص ہندوستان کی عورتین تعلیمی معاملات مین غور و فکر کی عادی ہو چلی ہین - مضامین کے ذریعہ سے تبادلہ خیالات مین مشاقی پیدا ہو رہی ہے عورتون کے مخصوص پرچے ملک کی اس اہم ضرورت کو بتدریج پورا کرتے جاتے ہین - عورتون مین یہ مفید امنگ کچھ زیادہ دن نہین ہوے کہ پیدا ہوئی ہے اور رہنمایان قوم نے تھوڑا ہی زمانہ گذرا کہ شد و مد سے قوم کی ابتری اور کاواک نشو و نما کو محسوس کر کے اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ تربیت اور تبادلۂ خیالات کے مفید ذریعے عورتون کے لئے ضروری اور اشد ضروری ظاہر کئے ہین - مدبران مصالح قومی کو مردون مین اعلیٰ تعلیم اور جامع تربیت کے نشو و نما مین کچھ ایسی ناگزیر دقت پیش آئی کہ عورتون کو گمنامی سے نکالنے اور حجاب اکبر کے بیش بہا جواہر کی طرف تحریص دینے کیلئے توجہ کرنا پڑی جہان تک مین سمجھتا ہون تیرہ برس کی تدابیر اصلاح قومی مین مایوسی اور سب جتن پورے کرنے کی تھکن اسکا باعث ہوئی خادمان قوم نے ہر قسم کی تدبیرین (بدون شمول خواتین ہند) مردون مین ترقی تعلیم درستی اخلاق و معاشرت کے واسطے کین لیکن منتہا کار پر معلوم ہوا کہ جبتک قدرت کے شگفتہ پھول اپنی نیرنگیان زیب نگاہ نہ کرینگے یہ چمن سجتا نظر نہین آتا - افسوس یہ جو انجام مین خیال کیا گیا آغاز مین سوچ کر عمل پیرا

ہونیکی چیز تھی - کھلی ہوئی بات ہے کہ ہر شخص کی عمر کا اصلاح پذیر حصہ بلکہ بعض بعض مقامات پر اُس سے بھی زیادہ زمانہ عورتون ہی کے زیر پرورش ونگرانی بسر کرنا پڑتا ہے اٹکا اور پھر ہندوستانی لڑکا فطرتی طور پر بمدت مدید تک مان بہن خالہ پھوپھی چچی ہی سے بسی ہوئی دنیا کو دنیا سمجھتا ہے اور اس محدود حلقہ کے اخلاق وآداب تعلیم حسن معاشرت سے اُس کے دماغی قوی نشو ونما پاتے رہتے ہین - ظاہر ہے کہ اگر اسی اہم دنیا کی افتاد تعلیمی بنیاد پر ہے تو لڑکا بھی اسی رنگ مین رنگ جائیگا اور اگر ایسا نہین ہے تو لڑکے کو بھی "بوا بتا دے" کے سبق کا حافظ سمجھو - ہان تو میری غرض یہ ہے کہ مدبران قوم نے بہت دیر مین پورے طور پر عورتون کی تعلیم کے مسئلہ کو طے کیا اور ہندوستانی پبلک خصوصاً مسلمانون کی جامع ترقی کے لئے آخری علاج بھی تجویز کیا اس درنگ کاری کی تلافی ممکن ہے مگر اس رفتار کے ساتھ جو اس سرد مزاج والی صنف انسانی نے اس وقت اختیار کی ہے ذرا غور کرو کہ ہر سال ہندوستان مین کتنی لڑکیان اور لڑکے وجود پذیر ہوتے ہین اور اس نسبت سے انکی نشو ونما اور عورتون کے سالانہ معیار اصلاح اخلاق و ترقی تعلیم کو قیاس کرد پورے غور کے بعد تم مایوس ہو جاؤگے اور یہ یقین کرنے لگوگے کہ بس وقت نکلگیا اب اگر عورتین تعلیم جو پا بین تو سو برس تک تو ملک مین وہ برکات اور روشنیان نہین نظر آسکتی ہین جو ایک تعلیم یافتہ ملک مین نظر آنا چاہیئے مگر مایوسی ترقی کی دشمن اور کام کی بیرن ہے اسلئے کچھ نہ کچھ جو امکان مین رہ گیا ہے ضرور ہونا چاہیئے اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہندوستان کی عورتون کی رفتار تعلیم تیز کر دیجائے اور یہ ممکن نہین جبتک کہ تعلیم یافتہ عورتین غیر تعلیمیافتہ عورتون سے نہ ملین اور اُن کے ذہن مین فوائد تعلیم ذہن نشین نہ کردین اور ایک دوسرے کے تبادلۂ خیالات سے سادے دماغ نہ متاثر ہون محض ہر مہینہ مین دو چار پرچون مین چند عورتون کے مضامین کا شایع ہو جانا میرے نزدیک عورتون کی ترقی کا حامی نہین ہو سکتا اور تحریص و ریس اس قوم مین نہین پیدا ہو سکتی

جو ضروری وسہل الحصول ہے بشرطیکہ عورتون ہی کی طرف سے ہو - ایک ہندوستانی بیوی جسطرح اپنے ہمجنس کو دیکھکر رشک کرتی ہے اور اس جیسی بننے کی کوشش کرتی ہو مشکل سے دوسرے جنس کی کسی قول وفعل سے متاثر ہوگی اسلئے کہ جنس مقابل مردون کے متعلق تو سیدھی سادی سوزنی طبیعتین یہ طے کرچکی ہین کہ "اللہ رکھے تم مرد ہوئے ہو ہملوگ تمہاری برابری کیا کرسکتے ہین" الغرض اسی اصول پر اس ابتدائی زمانہ مین جبکہ مردون کے لئے بھی اس قسم کے مشکلات درپیش تھے آنریبل سید احمد خان مرحوم نے ایجوکیشنل کانفرنس کا نسخہ تجویز کیا اسمین شک نہین کہ یہ نسخہ شیر مادر ہوکے رہا - اگر خدا جھوٹا نہ بلوائے تو ملک مین تعلیم کے شوقین اور زبان آوری مین مشاق فی صدی ۹۰ نوے تو اس نسخہ کے سریع الاثر ہونے کا نتیجہ ہین قوم کی بھلائیون کے سوچنے کی قوت جو کچھ ادبھری قوم کی برائیان جو محسوس ہونے لگین یہ محض کانفرنس کا صدقہ ہے ورنہ تہذیب الاخلاق اور دیگر پرچے آخر مسلمانون کے مضامین سے اور برے کالے ٹھلے کے مضامین سے لبریز ہوتے تھے مگر جبتک کہ دوبدو کی نوبت نہ آئی کچھ اصلاح نہ ہوسکی اس طور پر ضرورت اسکی ہے کہ عورتون کے لئے بھی وہی نسخہ تجویز کیا جائے اور ایک آل انڈیا زنانہ ایجوکیشنل وسوشل کانفرنس" قایم کی جائے ماشاء اللہ ملک مین اسوقت بہت سی قابل اور لایق خواتین موجود ہین ثروت کے لحاظ سے بھی ایسی ایسی ہین جولندن کی ڈچز کہی جاسکتی ہین یہ لوگ سکریٹری پریسیڈنٹ پیٹرن ممبر ہوکر ہر سال نئے نئے شہرون آبادبستیون مین کانفرنس کے اجلاس کرین اور ان عورتون کو جو ابتک تعلیم واصلاح رسوم کی ترکیب لفظی سے بھی واقف نہین آدمی بنائین ان مین جائز رشک وتعلیمی تحریص پیدا کرین - عورتین جب اپنی بہنون کو اسطرح مضمون آفرین اصلاح رسوم کی دلدادہ وعامل دیکھین گی میرا عقیدہ ہے کہ بغیر مزید کوشش کے ان مین وہ روح پیدا ہو جائیگی جو ہر تعلیمیافتہ ملک کے جاندار فرد انسانی مین

ہوتی ہے ابھی تک تو اچھی سمجھدار عورتین بھی اس شبہ مین ہین کہ بعض پرچون مین جو مضامین عورتون کے نظر آتے ہین وہ فی الحقیقت انہین کے قلم و دماغ کا نتیجہ ہین یا اعزا و اقربا (مذکور ہین سے کوئی) انکے نام سے چھپوا دیتا ہے۔ خود مجھسے اور اس قسم کی ہندی عورتون سے جھک جھک ہو چکی ہے مگر اونکو یقین ہی نہین آتا یہ اسلئے کہ مدت جہالت و نا تراشیدگی عورتون کے لئے طبیعت ثانی ہو گئی ہے اور وہ بھول گئی ہین کہ ہم بھی لائق ہو سکتے ہین۔ ہم مین بھی وہی قابلیت ہے جو مردون کو عطا ہوئی ہے ایک ذرا توجہ کی دیر ہے اس کانفرنس سے عورتون کے اس قسم کے شبہات بھی رفع ہونگے جسکا نتیجہ شوق تحصیل علم تو بدیہی ہے تبادلۂ خیالات اور میل جول سے جو ضمنی سیکڑون فائدے ہونگے وہ طرفہ بران۔ پھر عورتون کا میل جول۔ بقول مسٹر گلیڈاسٹن "دس عورتون کا متفقہ مجمع سیکڑون مردون کی متحدہ جماعت سے زیادہ قوی ہوتا ہے" مین یہ نہین کہتا کہ یہ کانفرنس آج ہی اس اعلی پیمانہ پر نظر آئے جیسی مردون کی کانفرنس ہے اسلئے کہ یہ ممکن ہی نہین۔ اُس کانفرنس کی ابتدا بھی کچھ ایسی شاندار نہین تھی۔ شروع شروع مین خدا بخشے سرسید اپنے حواریون اور دو چار تابعین سمیت تقریرین کردیتے تھے مگر رفتہ رفتہ ترقی ہر ذی۔ یہ بھی یونہی شروع ہوگی اور بڑھے گی ابھی مینے ایک تجویز کی صورت پیش کی ہے اگر ملک کی خواتین نے اسکو بنظر استحسان دیکھا تو مین آیندہ کسی مضمون مین اس کانفرنس کے چند اوامر و نواہی بھی لکھونگا امید ہے کہ تعلیمیافتہ خواتین ہند ضرور ہر پہلو پر غور فرمائینگی۔ اور اپنے خیالات کا اظہار کرین گی۔

امین الحسن رضوی

عرض مطلب نرمی گفتار انشا میکند ۔ حرف ناموزون مارا کرد موزون احتیاج

حسن و عشقے نیست جز اقبال و ادبار ظہور ۔ لیلی این بزم استغناست و مجنون احتیاج

مرزا عبدالقادر بیدل

غیبت و اعتراض

افسوس کی بات ہی کہ غیبت اور اعتراض کا مرض ہم عورتون مین وبائی امراض کی طرح پھیلا ہے - مردون مین یہ عیب شاذونادر ہوتا ہے - مگر عورتین زیادہ تر اس مین مبتلا ہین - جاہل ہی ہنین پنچ قوم نہین - خاصی لکھی پڑھی شریف بیبیان اس سے بچنے کی کوشش نہین کرتین - مینے بارہا خیال کیا ہے کہ جہان چار بہنین ایکجگہ ہوئی ہین - اسی قسم کے تذکرے چھڑ جاتے ہین - کسیکے لباس پر ہنسی ہوتی ہے - کسی کے زیور پر - کسی کی صورت پر مذاق ہوتا ہے کسی کی طرز گفتگو پر - کسی کی سادہ لوحی پر قہقہے لگائے جاتے ہین - تو کسی کی سنجیدگی اور متانت پر - اگر دو کسی کی تعریف کرتی ہین تو چار ادھی مین سبے شمار عیب نکالتی ہین - ایک کہہ رہی ہین " تو یہ فلان بی بی تو بالکل دقیانوسی خیال پرانے فیشن کی آدمی ہین انکے یہان کوئی زمانے کے رنگ پر نظر کرتا ہی نہین جانتا " دوسری بولین " اُف وہ لو ہمیشہ پرانی لکیر پیٹتی ہین " ایک بہن کسی دوسری بہن کی بابتہ فرماتی ہین " ارے بھلا اُنکا کیا کہنا - وہ تو ہندوستانی معلوم ہی نہین ہوتین انھون نے تو سارا طریقہ انگریزون کا لیلیا ہے - وہی ہر چیز مین صفائی - وہی کھانیکا طریقہ - ویسی ہی وقت کی پابندی - بچون کی پرورش بھی انگریزی طرز پر ہوتی ہے - بڑی آزاد خیال آدمی ہین - ہم غریب ہندوستانیون سے وہ کیون بات چیت کرنے لگین " اور جن بیچاری بہنون پر یہہ تبرے ہو رہے ہین - اُنکے فرشتون کو بھی خبر نہین - کہ کسینے اُنکو کیا کہا شرم! شرم!! کیا یہی صورتین ہماری ترقی کی ہین؟ اور کیا انھین باتون پر "ہم مسلمان خاتونین" کہی جانیکی مستحق ہین؟ نہ غیبت کرنے والی بہنین خدا سے ڈرتی ہین - اور نہ اعتراض کرنے والیان اپنی بہنون کی دلشکنی کا خیال کرتی ہین - بلکہ فخریہ بیان کرتی ہین کہ ہمنے تو چار آدمیون کے

سامنے اُنکے منہ پر پھٹ سے کہدیا۔ بُرا لگے یا بھلا۔ کچھ ہمکو انکا یا کسیکا ڈر تو پڑا نہین ع۔
کوئی ان سے پوچھے کہ آپ نے کون بڑا عمدہ کام کیا۔ ہان ایک بہن کا دل دُکھاکر دل آزاری کی سند یافتہ البتہ ہوگئین۔ اگر وہ بھی (جنپر اعتراض کیا گیا ہے) صاف گو اور تیز مزاج ہین تو ترکی بترکی جواب دیکر انھون نے آپکو شرمندہ کیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ بجاے راہ و رسم بڑھنے کے آپسمین رنجش ہوگئی۔ اور اگر وہ "جواب جاہلان باشد خموشی" سمجھ کر ٹال گئین۔ تو آپ سمجھین کہ ہمنے انکو لاجواب کر دیا۔ بہر صورت۔ ایک کے دلمین دوسرے کی وقعت نرہی۔ اور جب وقعت نرہی تو محبت کہان۔ اسکی جگہہ تو نفرت اور حقارت نے لیلی۔ کیونکہ ہم جسکی وقعت نہین کرتے۔ اس سے محبت بھی نہین کرسکتے۔ ہم آپسمین ایکدوسرے سے محبت و ہمدردی کرنے کے واسطے پیدا کئے گئے ہین۔

ہماری تعلیم اور ہمارے میل جول کا یہی حاصل ہونا چاہئے۔ ہماری ترقی کا باعث ہمارا اتفاق ہی ہو سکتا ہے اور یہ ہمارے مذہب کا ایک ضروری جزو بھی ہے مثل مشہور ہے کہ تلوار کا زخم بھر جاتا ہے۔ مگر زبانکا زخم کبھی نہین بھرتا۔ ہمیشہ ہرا ہی رہتا ہے۔ دل آزاری بہت ہی بدتر چیز ہے۔ میری راے مین یہ ایک ایسا گناہ ہے جسکو نہ خدا معاف کرتا ہے نہ بندے۔

مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن
ساکن بتخانہ باش و مردم آزاری مکن

غیبت اور اعتراض بھی دل دکھانے والی باتین ہین اور گناہ بے لذت۔ میرے نزدیک تو یہ طریقہ نہایت مناسب ہے کہ اگر ہمکو کسی بہن کی کوئی بات ناپسند ہے اور ہماری راے مین قابل اعتراض ہے (اگر ہمارے اور ان کے زیادہ رسم ہے) تو ہمکو لازم ہے کہ اُنسے دریافت کرین۔ کہ کیون وہ ایسی بات پسند کرتی ہین جسکو

لوگ بُرا کہتے ہین - اگر وہ اِسکے لئے معقول وجوہات رکھتی ہین - تو ہمکو اسپر اعتراض کا کیا موقع ہے - اور اگر وہ غلطی پر ہین - تو ہمارا فرض ہے کہ ازراہ ہمدردی اُنکو اُسکے عیوب دکھائین اور سمجھائین - وہ مانین یا نمانین - یہ اُنکا فعل ہے - اور اگر ہمارے اُن کے اتنی بے تکلفی نہین ہے - صرف صاحب سلامت ہے - تب تو اور بھی ہمکو اعتراض کرنا یا بیٹھ پیچھے بُرا کہنے کا حق نہین ہے - خاموشی بہتر ہے - اور یہ سمجھ لینا کافی کہ انکی کچھ اسی مین مصلحت ہوگی -

اپنی اپنی پسند - اپنی اپنی مصلحت وطبیعت - ہم کوئی خدائی فوجدار نہین ہین کہ زمانے بھر کا انتظام کرین پہلے ہمکو اپنی حالت دیکھنا چاہیئے کہ ہماری کتنی باتین دوسرون کی نظرون مین قابل اعتراض ہوسکتی ہین - ہمکو آپس مین سلیقے میل ملاپ بڑہانا چاہیئے کہ تبادلۂ خیالات کا موقع ملے - ہمدردی اور محبت اور اتفاق بڑھے اچھے بُرے کی تمیز ہو - نہ اسلیئے کہ نفرت وحقارت - ملال وجھگڑا پیدا ہو -

خدا ہم سب بہنون کو توفیق دے کہ غیبت اعتراض اور تمام بُری باتون سے جنکو خدا بھی بُرا سمجھتا ہے اور بندے بھی بچنے کی کوشش کرین - اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچون اور بھائی بہنون کے لیئے ہم ایک اچھی مثال ہون تاکہ وہ بھی ان عیوب سے پاک رہین -

بیگم صفدر علی

بپوش چشم خود از عیب تا شوی بے عیب	کہ عیب پوش کسان عیب پوش خود باشد — صائب
رسوا شود کسے کہ سخن چین بود غنی	ہر جا کہ خامہ ایست زبانش بریدنی است — غنی
عیب مردان فاش کردن بدترین عیبہاست	عیب گو اول کند بے پردہ عیب خویش را — سید غلام علی آزاد
سیاہ رو شود آنکس کہ عیب بین گردد	چو خامہ بر سخن ہیچکس مدار انگشت — قانع
آئینہ خود باش صفائی بہ ازین نیست	عیب ہمہ کس پوش قبائے بہ ازین نیست — میر جعفر زٹلی
ندارد نکتہ گیری حاصلے غیر از پشیمانی	سر انگشتے کہ بر حرفے نہی خواہی گزید آخر — شوکت

نظرے خوش گذرے

یہ دیکھکر مسرت ہوتی ہے کہ اکثر معاونین نے اپنے اپنے رسالون کو وقت پر شایع کرنے کی جد وجہد شروع کر دی ہے اخبار ہو یا رسالہ وقت پر نہ پہونچے تو ناظرین ایسے ناظرین جو رسالون اور اخبارون کے پڑھنے مین لطف پاتے ہین۔ پریشان ہوتے ہین۔ وقت کی پابندی کا خیال ہمارے ملک مین محض اس بنا پر نہین کیا جاتا کہ یہان وقت کی قیمت بہت کم ہے۔ مگر اخبارات ورسائل جو اہل ملک کے دماغی معلم ہین انکو تو وقت کی ناقدری کرکے بری مثال نہ قایم کرنا چاہیئے۔ سنہ ۱۹ء کو ختم ہوے دو مہینے ہوگئے ہین اور بعض رسالون نے ابھی تک سال گذشتہ کے پرچے شایع نہین کئے ہمنے الناظر کی مختصر زندگی مین کئی بار سخت مخالف اسباب جمع ہوجانیکے باوجود اس خاص اصول کو کبھی نظر انداز نہین ہونے دیا۔ چنانچہ اس بار عین زمانۂ اشاعت کے قریب ناچیز اڈیٹر کی علالت سے اشاعت مین تاخیر ہوجانیکا سخت اندیشہ تھا مگر الحمدللہ کہ ہماری قوت ارادی جسمانی بدنظمی پر قادر آئی اور ہمین اپنے ناظرین سے نادم ہونا نہ پڑا تاہم اتنا ضرور ہوا کہ اس عنوان کے تحت مین حسب التزام سے ہم حاضرین کی خدمت کرتے تھے اسمین ایک گونہ خلل واقع ہوگیا یعنی صرف ایسے ہی رسالون پر ہمین نظر ڈالنے کا موقع ملا جو خواتین کی دماغی تعلیم سے اہم کام کو سرانجام دے رہے ہین انھین مین علیگڈھ کا معزز ہمعصر ہماری نظر سے نہین گذرا اس سے لئے کہ جنوری نمبر اُس کا ابھی تک ہمارے دفتر مین موصول نہین ہوا غالباً ہنوز شایع نہین ہوا ہے ہم اس کوتاہی کے لئے معزز ناظرین سے عذرخواہ ہین اور آیندہ نمبر مین کوشش کرینگے کہ اسکی تلافی ہو جائے۔

عصمت

اس رسالہ کے دسمبر نمبر سے ایک سبق آموز اور دلچسپ مضمون (دوح م بنا

کے قلم سے نکلا ہے) کا ایک حصہ نقل کرنا خالی از لطف نہ ہوگا - یہ تذکرہ ہے مسز الزبتھ فرائے ایک انگلستان کی خاتون کا جسنے رفاہ عام کے کامون مین اپنی فیاضی اور ہمدردی بنی نوع انسان کا ثبوت دینے کے علاوہ لنڈن کے مشہور محبس "نیو گیٹ جیل" کی اصلاح و درستی مین نمایان حصہ لیکر انگلستان کے تمام باشندون کو اپنے اعلیٰ اخلاق کا رہین منت بنالیا اور تمام طبقۂ اناث کی رہبری کیلئے مشعل ہدایت روشن کردی -

"۱۸۱۳ء مین پہلی مرتبہ مسز الزبتھ فرائے نے اولڈبیلی کے "نیو گیٹ جیل" کو دیکھا - جو باتین یہان کے بارے مین سنی تھین - اُس سے بھی بدتر حالت مین پایا - چار کمرون مین قریباً تین سو مستورات معہ اپنے بچون کے کھچا کھچ بھری ہوئی تھین - کپڑا اُن کے پاس کافی نہ تھا بلکہ چیتھڑے پہنے ہوئے تھین - اُنکی اخلاقی حالت اس درجہ خراب تھی کہ جو کوئی اُدھر آ نکلتا تھا اس سے شراب کے لئے خیرات مانگتی تھین - بلکہ جو کچھ ہاتھ لگتا جبراً چھین لیتی تھین - چنانچہ داروغہ جیل نے مسز الزبتھ فرائے سے درخواست کی کہ مہربانی فرماکر اپنی جیب گھڑی دفتر ہی مین چھوڑ جائیے - کیونکہ اندیشہ ہے کہ میری موجودگی مین بھی آپکی گھڑی جاتی رہے" اس نیک خاتون نے بہت دیر تک یہان کی حالت کا ملاحظہ کیا اور جب واپس چلی گئین تو مسٹر ٹامس فاول بکسٹن سے کہا کہ

"وہان کے چشم دید مشاہدات کا تذکرہ مختصر الفاظ مین کرنا بالکل ناممکن ہے اور جو کچھ مین بیان کرتی ہون اسکو محض ایک دُھندلی تصویر سمجھئے بند اور گھٹی ہوئی کوٹھریون کی غلاظت - مستورات کی آپسمین تندمزاجیان اور شرارتین ناقابل بیان ہین"

رہنا سہنا - کھانا پکانا - نہانا دھونا - الغرض سب کچھ ایک ہی کمرہ مین ہوتا تھا ایک پمپ بھی وہان لگا ہوا تھا مگر پانی قیمتاً ملتا تھا -

شروع مین جب مسز الزبتھ فرائے نے قیدخانے کی یہ دردناک حالت دیکھی تو اسوقت ناممکن تھا کہ ہم اسکی اصلاح کی طرف متوجہ ہون لیکن اسکی متواتر تین سال کی کوششون اور محنتون کے بعد کچھ کچھ آثار امید

نظر آسنے لگے۔

وہ پھر جیلخانہ کی اُن گندی اور غلیظ کوٹھریون مین گئی۔ بلکہ اس دفعہ اپنی ہی درخواست پر چند گھنٹون کے لیئے قیدی مستورات کے ساتھ بند رہی۔ داروغہ جیل نے لاکھ سمجھایا کہ آپ اُن کے ساتھ تنہا نہ رہین کیونکہ ممکن ہے کہ وہ آپ پر حملہ کر کے آپ کو گزند پہونچا ئین" مگر اُس نے ایک نہ مانی۔ اُس کی خوش خلقی۔ حلیم المزاجی اور سرگرمی نے اُن مجرم مستورات کے دلون پر جن مین سے بعض وحشی جانورون کی مانند تھین بہت اثر کیا۔ انھین یقین ہو گیا کہ الزبتھ فرائے جو کچھ کہتی اور کرتی ہے اس مین سراسر ہماراہی فائدہ ہے۔ چنانچہ وہ سب غور اور توجہ کے ساتھ اُس کا کلام سنتی رہین۔

مسز الزبتھ فرائے نے قیدیون کی خراب حالت کو درست کرنے اور اُن کو مدد پہونچانے کی غرض سے ایک "انجمن نسوان" بھی قائم کی اور حکام وافسران جیل سے قیدخانہ مین کام کرنے کی اجازت حاصل کر کے کام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس انجمن کے مقاصد یہ تھے کہ جیل خانہ مین دینی و دنیوی تعلیم دیجاسے۔ قیدیون مین اچھی عادات واطوار پیدا کیئے جائین اور جو قیدی رہا ہون کوشش کر کے اُنکو کہین نہ کہین ملازم رکھا دیا جاسے جس وقت یہ مفید کام شروع کیا گیا تھا۔ تو بہت سے بڑے بڑے آدمیون نے اس کی مخالفت کی اور روکنا چاہا۔ اُن کی نگاہ مین مسز الزبتھ فرائے کسی "سڑی" سے کم نتھی اُن لوگون کے خیال مین یہ بات جمی ہوئی تھی کہ جس جگہ مجرم رکھے جائین۔ اُسے آرام دہ جگہ بنانا گویا مجرمون کی تعداد کو بڑھانا ہے۔ لیکن الزبتھ فرائے اور اُن کی مددگاران مخالفون سے پسپا ہونیوالی نتھین۔ انھین یقین تھا کہ اگر پیار اور محبت سے کام لیا جاسے تو خراب سے خراب مستورات بھی اچھی عادات اختیار کرسکتی ہین۔

جب لگاتار کوششون کا سلسلہ جاری رہا تو مسز الزبتھ فرائے کو بہتری کی صورت نظر آنے لگی اور اس سے وہ بیحد محظوظ ہوئی۔ قیدیون مین جو تبدیلی واقع ہوئی تھی اس کا ذکر مسٹر بکسٹن اس طرح کرتے ہین کہ:۔

"اُن مین (قیدیون مین) اب دنگہ وفساد۔ بدمعاشیون اور بری عادتون کے بجاے

نیک عادات واطوار اور اخلاق نظر آتے ہین۔ پہلے کی طرح اب شرابیون کا جتھا نہین دیکھا جاتا۔ اور نہ اب فحش اور واہیات گیت گائے جاتے ہین۔ اسی جیلخانہ کی نسبت یہ کہا جاتا تھا کہ یہ دنیا کا دوزخ ہے۔ مگر اب یہی ایک اچھا خاندان اور صنعتی کارخانہ بنگیا ہے"

حکام اور افسران جیل قیدیون کی اس تبدیلی شدہ حالت کو دیکھکر سخت متعجب ہوئے۔ مسز الزبتھ فرائے کی اب حوصلہ افزائیان ہونے لگین سب لوگ اسکی عزت وتعظیم کرنے لگے حتیٰ کہ اُسے دعوت دیگئی کہ وہ "ہاوس آف کامنز" کے اجلاس مین روبرو قواعد جیل کے بارے مین اپنی رائے کا اظہار کرے ملکہ شارلٹ ڈیوک آف کنارٹ اور شاہی خاندان کے دیگر ممبران نے اس کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا۔

مسز الزبتھ فرائے کی کوششین صرف انگلستان ہی مین محدود نہین رہین۔ بلکہ اس نے انگلینڈ و اسکاٹلینڈ کے قیدخانون اور پاگلخانون کو دیکھنے کے علاوہ فرانس اور جرمنی کے قیدخانون کا بھی ملاحظ کیا اور اُنکی بہتری و بہبودی مین حتی الامکان کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ شاہ ڈنمارک اور انکی ملکہ اس کے کامون سے بہت خوش ہوے اور یہان تک اس کی عزت افزائی کی کہ اُسے اپنے ساتھ کھانے مین شریک کیا مسز الزبتھ فرائے کو چونکہ اب اعلیٰ اور خاندانی مستورات سے امداد ملنے لگی تھی اس لئے کام نے بہت عمدہ صورت اختیار کرلی تھی۔ اور صرف قیدیون کے ساتھ برتاؤ ہی مین نہین بلکہ قیدخانہ کی عمارت انتظام اور جلاوطنی کے بارے مین بھی بہت کچھ مفید تبدیلیان ہوگئی تھین۔ ان حالات سے مسز الزبتھ فرائے کو بہت خوشی ہوئی۔"

شریف بی بی

سید محمد فاروق کے جمع کئے ہوے بعض عمدہ "اقوال بیوی" کے متعلق شریف بی بی کے جنوری نمبر مین شایع ہوے ہین۔ جو بجنسہ درج ذیل ہوتے ہین:-

"حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہین کہ تم مین سے اچھے لوگ وہی ہین جو اپنی بی بیون سے اچھا برتاؤ کرتے ہین۔

• حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایمان کے بعد نیکبخت عورت سے زیادہ

کوئی نعمت نہین ہے۔

مارٹن لوتھر کا قول ہے کہ اگرچہ مین کیسی ہی مفلسی کی حالت مین ہون لیکن اگر کوئی مجھکو دنیا کا تمام خزانہ بھی دیدے تو مین اپنی بیوی سے مبادلہ نہ کرون۔ دنیا مین سب سے زیادہ خوش نصیب وہی ہے جسکی بیوی عصمت مآب ہو۔ اور جسکے ساتھ وہ عیش سے زندگی بسر کرے۔

فریڈی کہتا ہے کہ جیسا آرام مجھے اپنی بیوی سے ملا ہے۔ حقیقت مین کسی سے نہین ملسکتا۔

ملٹن کہتا ہے کہ دنیا مین شریف بیوی مرد کیواسطے نعمت غیر مترقبہ ہے۔

سائمن آڈلین نے کہا ہے کہ اگر کسی مرد کے پاس نیک عورت ہو تو اُس کو اس سے بہتر کوئی چیز دنیا مین نہین ملسکتی۔

ٹینس کا قول ہے کہ مین اپنی بی بی کی ذکاوت اور فراست پر نازان ہون اور فخر کرتا ہون اور مین اپنے کو تمام دنیا سے زیادہ خوش نصیب خیال کرتا ہون۔

تھیوڈور پارکر نصیحت کرتا ہے کہ اشد ضروری باتون کے علاوہ کسی کام مین بیوی کی مرضی کے خلاف نہین کرنا چاہیئے۔ بیوی کی خاطر تواضع کو فرض سمجھنا چاہیئے۔ اُسے لعنت ملامت نہ کرنا چاہیئے۔ بیوی کیطرف غصہ سے نہین دیکھنا چاہیئے اسپر حکومت نہ کرنا چاہیئے اور نامناسب احکام سے اسکو تھکانا نہ چاہیئے۔ بیوی کے ساتھ محبت بڑھانا چاہیئے اور اُسکی کمزوریون اور خطاؤن کو معاف کرنا چاہیئے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔

زن نیک و فرمان بر و پارسا
کند مرد درویش را بادشا

الحجاب

نومبر کے الحجاب مین تعلیم نسوان پر دو مضمون ہین - مولوی ابوالحسن صاحب الہ آبادی تحریر فرماتے ہین :-

اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمان خواتین کے لئے دار العلوم کھولنا کس حد تک سود مند ہے اور شیخ عبد اللہ صاحب بی اے ایل ایل بی اور اُن کے ہم خیال اخبار کا مجوزہ نصاب کہان تک مفید ہوگا - اور علامہ شبلی تجویز انصاب مین عورتون کو مردون کے نصاب کے ساتھ کہان تک تحقیق کیا چاہتے ہین -

تعلیم انگریزی حقیقت مین خراب نہین ہے زبانی علم ہونے کی حیثیت مین وہ عربی سے ہر طرح مساوی ہے مگر طریق تعلیم خراب ہونے کے سبب سے عورتون کو انگریزی تعلیم دنیا اسلام کی فطرت کو بدلنا ہے اس لئے کہ جب وہ ایسے قوم کے علوم پڑھینگے جن کی تہذیب جنکا تمدن اور طریق معاشرت اسلام کے خلاف ہے تو تغیر ضرور اثر کرے گی اور وہ بھی اسلامی تمدن سے اسیقدر دور ہو جائینگی جتنے تعلیم یافتہ بچے دور جا پڑے ہین -

عورتون نے اگر ایف اے بی اے پاس کرلیا تو آیندہ کس بہبودی کی امید ہے وہ وکالت نہین کر سکتین وہ کسی عدالت کی کرسی نہین پا سکتین - عورتون کی ڈاکٹری انجینیری کی بھی آفرینش نہین ہوئی - وہ خانہ داری کی اہم ذمہ داریون کی جواب دہ ہین -

بچون کی ... درستی اخلاق اور حفظان صحت کا بار ! خیال بغیر تعلیم مذہبی کے کامیابی حاصل نہین کر سکتا میرے دعوے کی تائید مین الاسلام مصنفہ علامہ گورکھپوری کی ہر ہر سطر پڑھو اور غور کرو ! وہ کن کن خوبیون کو اسلام مین ثابت کرتا ہے اور اسلامی تعلیم ضروری بلکہ اہم خیال کرتا ہے مسلمان اور اقوام سے صرف خوبی پردہ مین ممتاز ہین - اور بقول ڈاکٹر گستاولی بان مصنف تمدن عرب " پردہ کا عمدہ انتظام جیسا مسلمانون مین ہے وہ کسی قوم کو میسر نہین " خواتین مدرسہ مین تعلیم پاکر واقعی پردہ کو محفوظ نہین رکھ سکتین وہ ضرور پردہ شکنی کی درپے ہونگی - اور

عورتوں کا پردہ توڑنا ہرگز قرین مصلحت نہیں ہے اسلام کا تمدن اسکا موید ہے کہ عورتین پردہ کرین۔ عورت کی فطرت مین یہ مادہ ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ مردون سے محجوب ہون۔ ان کو حجاب سے نکالنا اُن کی فطرت کو بدلڈالنا ہے۔

عورتون کی تعلیم اُنکے گھر اُن کے محلہ کی مہذب خواتین کے زیر اثر ہونا چاہیئے اور تعلیم وہی ہو جسے اسلام نے جائز رکھا ہو۔ اور جس سے اسلام پر حرف نہ آسکے۔

مسلمان بچے آٹھ سال کی عمر مین اسکول وغیرہ مین داخل ہوتے ہین۔ اور ان مقامات مین یا تو انگریزی تعلیم ہوتی ہے یا اردو کی مغربی تہذیب کا دور چلتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ لاکھون کی تعداد مین ایسے مسلمان موجود ہین جو قرآن شریف سے سراسر ناواقف ہین اور صلوٰۃ وصیام سے نابلد۔ اگر عورتین مذہبی تعلیم یا جرعہ نوشی سے سیراب ہونگی تو وہ بچون کو ابتدا ہی مین مذہبی تعلیم سے روشناس اور خیالات ملت کی جانب سے پختہ کردین گی۔ اور اس وسیلے سے اسلام قوی اور زندہ آور رہے گا۔

پس بوجہ مذکورہ بالا عورتون کے لئے مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے جسمین اُن کی فطرتی امور کے متعلق مسائل موجود ہین اور بچون کو تربیت کے ساتھ وہ مذہبی مسائل سے ناواقف بنا سکین گے۔ مذہبی علوم حکمت عملی سے بالکل لبریز ہین اور خاصتہً عورتون کے لئے اسی فلسفہ کی ضرورت ہے جسمین تدبیر قرن تہذیب اخلاق سیاست مدن سے بحث کی جاتی ہے۔ اور سیاست مدن کو چھوڑکر بقیہ دونون موضوع عورتون مردون کی اصلاح ومفاد پر مشترک ہین۔ اس سے میری غرض یہ نہین ہے کہ عورتین مسائل مذہبی کے ماورا اور علوم سے محروم رکھی جائین اگر اہل خاندان انکی تعلیم کا وہی انتظام کرسکتے ہین جو متقدمین کے زیر عمل تھا۔ تو ان کو فلسفہ کی بھی تعلیم دو۔ منبت۔ ریاضی۔ بلاغت۔ ادب۔ عروض۔ کیمسٹری۔ سائنس غرض سب پڑھاؤ۔ یہ بھی بتادینا خلاف مصلحت نہ ہوگا کہ فی نفسہ کسی علم کی تعلیم مین نقص نہین ہے لیکن موجودہ طریق تعلیم اور وسائل تعلیم مضر اور خراب ہین۔

زمیندار

ہندوستان بھر مین اپنی وضع کا ایک ہی اخبار جو مولوی ظفر علی خان صاحب بی اے (علیگ) کی اڈیٹری مین کرم آباد پنجاب سے ہفتہ وار شایع ہوتا ہے۔ طبقہ زمینداران کے اغراض وحقوق کی حمایت اس کے اجرا کا خاص مقصد ہے اور اس غرض کی تکمیل کیلئے ہر موضوع متعلقہ پر گورنمنٹ عالیہ کا ادب واحترام مدنظر رکھکر متانت اور اعتدال سے بحث کی جاتی ہے اس کے علاوہ ہندوستان کی عام قومی وملکی ضروریات کے لئے بھی اس کے کالم کھلے ہوئے ہین اور اس لحاظ سے یہ اخبار صوبۂ پنجاب ہی کا نہین بلکہ کل ہندوستان کا اخبار ہے۔ اردو لٹریچر کی ترقی اس اخبار کے خاص مقاصد مین داخل ہے اور اعلی درجہ کے مضامین نظم ونثر اس مین ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے بہم پہونچائے جاتے ہین قیمت سالانہ شرح اعلی سے، شرح متوسط ہے (غلام قادر خان منیجر زمیندار کرم آباد پنجاب)

علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ

یہ ہفتہ وار اخبار محمڈن کالج کا آرگن ہے علی گڈھ کالج اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی صحیح ترین اور تازہ خبرین معلوم کرنے کا واحد ذریعہ علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ ہی ہے چونکہ مذکورۂ بالا تینون انسٹیٹیوشنون پر مسلمانان ہند کی ہستی کا مدار ہے لہذا انکے متعلق اصلی حالت سے واقف رہنا ہر مسلمان کا فرض ہے کالج وغیرہ کی خبرون کے علاوہ اسمین دیگر مفید عام اور دلچسپ مضامین بھی ہوتے ہین کاغذ وچھپائی نہایت اعلی ہے قیمت سالانہ مع محصولڈاک صرف للعہ ہے

درخواست کا پتہ۔ منیجر صاحب علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ علی گڈھ

شعر العجم حصہ اول ودوم

مصنفہ

شبلی نعمانی

ایک نہایت ضخیم کتاب ہے جو کئی جلدون مین تمام ہوئی ہے ان دو حصون مین حکیم سنائی۔ خواجہ نظام گنجوی عمر خیام شیخ سعدی حضرت امیر خسرو خواجہ حافظ وغیرہ بزرگون کی نہایت مفصل حالات اور انکی تصنیفات پر تبصرہ اور تنقید ہے۔ حصہ اول قیمت عہ، حصہ دوم قیمت عہ،

درخواستین شبلی نعمانی دفتر ندوہ کے پتہ سے آئین۔

بدہضمی و کھٹی ڈکاروں کا آنا	قبض و کمی اشتہا	نفخ شکم و پیٹ کا درد

ضعف و فتور ہاضمہ

گردہ یا مثانہ کی گرمی کا کم ہونا

امتلائے کھانسی و دمہ

بواسیر و اسہال پیچش

تازہ سندات

جناب منشی محمد اسمعیل صاحب مقام بھوپال سے تحریر فرماتے ہین کہ تین ماہ کا عرصہ ہوا کہ مین نے آپ کے کارخانہ سے ایک بوتل نمک سلیمانی منگایا تھا - یہ نمک امراض معدہ کے لیے ازحد مفید پایا ایک بوتل کلان نمک سلیمانی اور بھیجدیجیے -

جناب منشی بدھو خان صاحب زمیندار مقام سوہن پور ضلع گورکھپور سے تحریر فرماتے ہین کہ مین نے ایک شیشی نمک سلیمانی آپ کے کارخانہ سے منگایا تھا اُس سے میرا دمہ جاتا رہا اور ایک لڑکا میرا تین برس سے بیمار تھا اُسے بھی بس نمک سلیمانی سے صحت کامل ہوگئی - مہربانی فرماکر ایک شیشی اور عنایت کیجیے -

ہیضہ و طاعون	درد قولنج و زیادتی ریاح	ہضم غذا کیوقت تبخیر یعنی بدن کا گرم ہونا

قیمت فی بوتل کلاں عہ
ایک درجن بوتل [illegible]
محصولڈاک ذمہ خریدار (عہ)

ڈاکٹر [illegible] بناتا ہے

نمک سلیمانی

قیمت فی شیشی ۸
ایک درجن [illegible]
محصولڈاک ذمہ خریدار (۸)

عوارض مندرجہ حاشیہ کا مجرب علاج ہے

ملنے کا پتہ - [illegible] کارخانہ نمک سلیمانی [illegible]

تازہ سندات

جناب سید عبد الحسن صاحب وکیل مقام [illegible] حیدرآباد دکن سے ۲۰ مارچ ۱۹۱۰ء کو تحریر فرماتے ہین کہ خدا کا شکر ہے کہ آپکا نمک سلیمانی میرے امراض کے لئے بہت مفید ثابت ہوا - مین اسکو ہمیشہ استعمال کرتا ہون مجھکو ضعف دماغ - ضعف معدہ کی شکایت اکثر رہا کرتی تھی لیکن جب سے یہ نمک سلیمانی استعمال کرنے لگا مجھکو پورا فائدہ ہے مہربانی فرماکر دو شیشیان اور بھیجدیجیے

جناب ڈاکٹر عبد المجید خان صاحب سینیر گریڈ ہاسپٹل اسسٹنٹ مقام الان عید ملک برہما سے ۱۰ مارچ ۱۹۱۰ء کو تحریر فرماتے ہین کہ مین نے کئی مرتبہ آپکے کارخانہ سے نمک سلیمانی منگوایا اور اسکو چند مریضون کو استعمال کرایا اور جس مریض کو دیا مفید ثابت ہوا -

پیشاب کا بار بار اور زیادہ مقدار مین ہونا	درد کھٹیا و نقرس	ضعف دماغ و ضعف بصر

ہاتھ پیرون کا ورم ہونا اور فاسد کا اخراج

فساد خون و داد و سہوان

بچھو یا بھڑ کے کاٹے کا زہر

بچون کے دانت نکلنے کی تکلیف

گلے کی سوزش و دانت کا درد	مستورات کے ایام کی خرابی	عام کمزوری و کمی پیدائش خون

پھر تھوڑی دیر کے بعد ارتفاع لیتا رہے جب تک بڑھتا جائے اور جب کم ہونے لگے تو اُسکے پیشتر جو ارتفاع لیا تھا وہی غایۃ ارتفاع ہے۔ پھر مشرق کی طرف منھ کرکے کھڑا ہو اگر سایہ بائین جانب پڑے تو آفتاب نصف النہار مین سمت الراس سے جنوب کی طرف ہے اور اگر داہنی طرف پڑے تو آفتاب نصف النہار مین سمت الراس سے شمال کی طرف ہے۔

اگر عرض البلد اور میل آفتاب دونون ایک جہت مین ہون یعنے دونون شمالی ہون یا دونون جنوبی - تو میل درجہ آفتاب کو عرض بلد پر زیادہ کرین اور یہ مجموع ۹۰ درجہ یا اُس سے کم ہو تو وہی غایت ارتفاع ہے اور اگر ۹۰ درجہ سے زیادہ ہو جائے تو ۱۸۰ اسے گھٹا دین باقی غایۃ ارتفاع ہے - اور اگر ایک جہت مین نہ ہون تو میل درجہ آفتاب کو تمام عرض بلد سے گھٹا دین باقی غایت ارتفاع ہے۔

بعبارت دیگر

تمام عرض بلد - بعد کوکب جانب قطب خفی تمام عرض بلد + بعد کوکب جانب قطب ظاہر	= غایت ارتفاع

اور اگر مجموع ۹۰ سے زائد ہو تو اُس کا تکملہ غایت ارتفاع ہے۔

تکملہ کسی قوس یا زاویہ کا اُس کا تفاوت ہے نصف دور سے۔

دائرۂ میل وہ دائرہ جو معدل النہار کے کسی نقطہ اور قطبین مین گذرتا ہے ایسے بیشمار دائرہ فرض کئے جا سکتے ہین کیونکہ معدل النہار کے کسی نقطہ مین ایسا دائرہ گذر سکتا ہے اس دائرہ پر کسی سیارہ کا بعد معدل النہار سے ناپا جاتا ہے - معدل النہار کا بعد منطقۃ البروج سے زیادہ سے زیادہ ۲۳ درجہ ۲۷ دقیقہ ہے چونکہ آفتاب منطقۃ البروج سے کبھی نہین ہٹتا اسلیئے غایت بعد آفتاب ۲۳ ۲۷ دقیقہ سے زائد نہین ہو سکتا اسکو میل کلی کہتے ہین۔

دائرۂ عرض جو دائرہ منطقۃ البروج کے قطبین اور منطقۃ البروج کے کسی نقطہ اور معدل النہار

کے نقطہ محاذی پر گذرتا ہو- دائرہ عرض کی قوس جو منطقہ اور معدل النہار کا مابین ہو اُسکو میل ثانی کہتے ہین-

میل اول معلوم کرنے کیلئے- اگر غایت ارتفاع بذریعہ ربع مجیب کے یا اور کسی طریقہ سے معلوم ہو اور تمام عرض بلد بھی معلوم ہو تو دونون کا تفاوت میل ہے اگر غایت ارتفاع سمت الراس سے جنوب کی طرف ہو اور اگر سمت الراس سے شمال کی طرف ہو تو تمام عرض بلد اور غایت ارتفاع کے مجموع کو ۱۸۰ درجہ سے گھٹا دین باقی میل اول ہے اور اگر ربع مجیب سے میل کو معلوم کرنا چاہو تو قوس ارتفاع کو بعینہ منطقۃ البروج فرض کرو اور اول قوس کو راس الحمل کہو اور ۳۰ درجہ تک برج حمل پھر ثور پھر جوزا- جوزا آخر قوس پر ختم ہوا اُسی نقطہ کو راس السرطان اعتبار کرکے اول قوس کی طرف چلو- سرطان- اسد- سنبلہ- سنبلہ کا تیسوان درجہ اول قوس پہ ہے پھر اس نقطہ کو راس المیزان سمجھو اور آخر قوس تک میزان عقرب- قوس- آخر قوس ارتفاع پر برج قوس کا تیسوان درجہ ہوا پھر اوسی کو راس الجدی مان کے اول قوس کی طرف چلو- جدی- دلو- حوت- حوت کا تیسوان درجہ اول قوس پر تمام ہوتا ہے-

حمل۔ ثور۔ جوزا کے درجے اول قوس کی جانب سے شروع اور آخر قوس کیجانب تمام ہوتے ہین سرطان۔ اسد۔ سنبلہ کے درجے آخر قوس کی جانب سے آغاز اور اول قوس کیجانب سے ختم ہوتے ہین۔
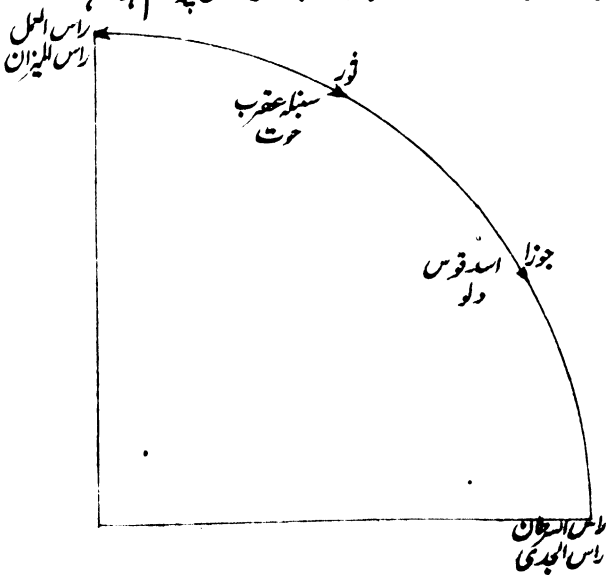
میزان۔عقرب۔ قوس۔ مثل۔حمل۔ثور۔ جوزا کے اول قوس سے آخر قوس کی طرف۔

جدی۔ دلو۔ حوت مثل سرطان۔اسد۔سنبلہ کے آخر قوس سے اول قوس کی طرف۔

ربع مجیب مین دائرہ میل شمس قطب سے ۲۴ اجزاے قطر کی دوری کھینچا ہوا ہے۔ جب درجہ منطقۃ البروج کا میل معلوم کرنا ہو تو خیط کو اُس درجہ پر رکھو اور مری کو دائرۂ المیل اور خیط کے تقاطع پر پھر مری سے قوس کی طرف چلو جیب التمام کے موازی جو درجہ اول قوس سے ملے وہی میل ہے۔ مثلاً۔
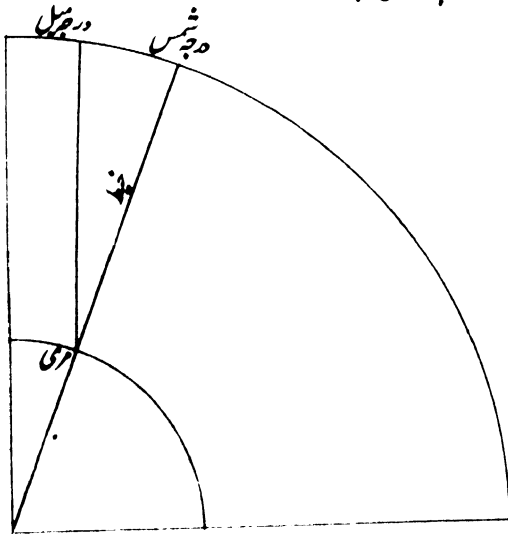
اور اگر دائرۂ میل نہ کھنچا ہوا ہو تو مری کو ۲۴ اجزاے قطری پر عقد کرکے خیط کو درجہ شمس پر رکھو اور مری سے قوس کی طرف جیب التمام کے موازی چلے آؤ۔ اول قوس سے

میل ہے۔ بعینہ اسی طرح آخر قوس سے بھی میل کو معلوم کر سکتے ہین۔

بطریق حساب - درجہ شمس کو نقطہ اعتدال اقرب سے لیکے قوس کو منقح کرین اور اُسکی جیب معلوم کرین اس جیب کو دوچند کرکے اس کو پانچ پر تقسیم کرین حاصل عمل اول کی جیب سے اسکی قوس دریافت کرلین - خواہ ربع سے خواہ جدول الجیوب سے۔

میل ثانی - میل اول درجہ مفروض معلوم کرین اور وہان سے مسوطا مین در آئین اور ۵۵ درجہ اول جیب التمام سے لیکے منکوس ہین چلین اور تقاطع جدول پر خیط کو رکھین جس درجہ پر کہ خیط واقع ہو اول قوس سے وہی میل ثانی ہے۔
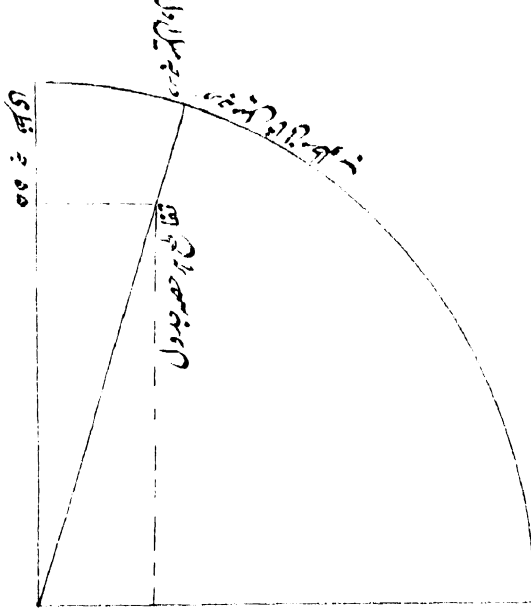
بطریق حساب ظل میل کلی : ظل میل مطلوب = جیب اعظم : جیب جزو مفروض

جیب جزو مفروض کو ۱۰ مین ضرب دیکے ۲۳ پر تقسیم کرین خارج قسمت ظل میل ثانی مطلوب ہے۔

درجہ شمس - اگر غایت ارتفاع سے میل شمس معلوم ہو گیا ہو اور چاہتے ہو کہ درجہ شمس

معلوم کرو - خیط کو مقدار میل کلی پر رکھ کے (اول قوس سے) اور ارتفاع معلوم کو اول قوس سے لین اور مبسوط مین چلین اور تقاطع پر مری رکھین پھر خیط کو اٹھا کے سمت پر رکھین اور مری سے مبسوط مین ہو کے قوس پر آئین اول قوس سے درجہ شمس ہے -

بس اگر میل شمس شمالی متزاید ہو تو شمس ربع ربیعی مین ہے اور اگر شمالی متناقص ہو تو ربع صیفی مین - اور اگر جنوبی متزاید ہو تو شمس ربع خریفی مین ہے - اور اگر جنوبی متناقص تو ربع شتوی مین -

دوسرا طریقہ - میل کو اول ربع سے لین اور مبسوط مین در آئین جہان کہین جدول مبسوط قوس میل سے تقاطع کرے خیط کو وہان رکھین جس درجہ پر کہ خیط واقع ہو اول ربع سے شمار کرین درجہ شمس معلوم ہو جائیگا -

یہ طریقہ نہایت سہل اور واضح ہے۔

عرض البلد۔ یعنی دوری شہر کی خط استوا سے اور وہ بعینہ بعد معدل النہار کا ہے اُس شہر کے سمت الراس سے یا ارتفاع قطب کا ہے افق سے۔ عرض بلد معلوم کرنے کے لئے غایت ارتفاع کو رصد سے معلوم کرین اگر آفتاب عدیم المیل ہو یعنی اعتدالین مین سے کسی مین ہو۔ تو اُس کا غایت ارتفاع تمام عرض البلد ہے ورنہ بعد کوکب یا میل شمس مین غایت ارتفاع کو جمع کرین اگر آفتاب یا کوکب جنوبی ہو یا بعد کوکب کو غایت ارتفاع سے تفریق کرین اگر آفتاب یا کوکب شمالی ہو صورت اول مین مجموع اور صورت دوم مین تفاضل تمام عرض البلد ہے۔

مساوات۔ غایت ارتفاع + بعد کوکب جانب قطب خفی = تمام عرض البلد

غایت ارتفاع - بعد کوکب جانب قطب ظاہر = تمام عرض البلد

صورت اول مین اگر مجموع ۹۰ سے زائد ہو تو ۹۰ کو اسمین سے گھٹا دین باقی عرض البلد ہے۔

معلوم رہے کہ غایت ارتفاع کی جہتہ کو سمت الراس سے شمار کرتے ہین۔ جب غایت ارتفاع ۹۰ درجہ ہو تو میل آفتاب بعینہٖ عرض البلد ہے۔

جس شہر مین سایہ آفتاب کا سمت الراس سے شمال کی طرف جائے اس شہر کا عرض البلد میل کلی سے کم ہے۔ ایسے شہر کو ذات ظلین کہتے ہین (دو سایون والا شہر) کیونکہ جب غایت ارتفاع شمالی ہو تو سایہ بائین طرف ہوگا اور جب جنوبی ہو تو داہنی طرف ایسے شہر مین آفتاب دو مرتبہ سمت الراس پر گذرتا ہے۔ بخلاف ایسے شہر کے جس کا عرض البلد میل کلی سے زیادہ ہو۔ ایسے شہر کو ذات ظل واحد کہتے ہین کیونکہ سایہ آفتاب کا ہمیشہ بائین طرف رہتا ہے۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا اُن شہرون کے بارے مین ہے جو خط استوا کے شمال مین واقع ہون اور جو بلاد خط استوا کے جنوب مین ہین

اُنکا حکم اسکے برعکس ہے ۔

عرض البلد کے معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی کوکب ابدی الظہور کا غایت ارتفاع اور غایت انخفاض معلوم کرکے دونون کا اوسط لین وہی عرض البلد ہی۔

کوکب ابدی الظہور اُن ستارون کو کہتے ہین جو کسی افق مفروض مین کبھی غروب نہین ہوتے یعنی وہ ستارے جنکا بعد قطب ظاہر کے عرض البلد سے کمتر ہو۔ اور بمقابلہ اُنکے کواکب ابدی الخفاء یعنے وہ کواکب جنکا بعد قطب خفی کی جانب عرض البلد سے زائد ہو ۔

مدارات شمس وکواکب تمام نقاط آسمانی معدل النہار کے ساتھ حرکت کرتے ہوسے نظر آتے ہین - روزانہ حرکت کا سبب حرکت ارض ہو یا حرکت سماء حسابی امور مین کوئی فرق نہین آتا- چونکہ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ہی حرکت کرتا ہے - اسے حرکت مری کے اعتبار سے تمام بول چال مین خواہ کسی زبان مین کیون نہ ہو یہی کہاجاتا ہی کہ آفتاب ماہتاب یاستارہ طالع ہوا افق سے اونچا ہوا سر پر بہونچ گیا پھر نیچا ہونے لگا ڈوب گیا غروب ہوگیا۔ غرضکہ عام بول چال مین آسمان ہی کی حرکت اعتبار کی گئی ہے آسمان کے کسی نقطہ کے دورہ کرنے سے ایک دائرہ معدل النہار کے موازی پیدا ہوتا ہے۔ اس دائرہ کو اُس نقطہ کا (یا اگر اُس نقطہ پر کوئی ستارہ ہو تو اُس کا) مدار کہتے ہین ربع مین کبھی مدارات بنادیا کرتے ہین لیکن جب ربع مین مدار نہ ہو تو مری کی حرکت سے جو دائرہ پیدا ہوتا ہے وہ مدار ہوتا ہے۔ یعنی اس نقطہ کا مدار جسپر کہ مری عقد کی گئی ہے ۔

ربع مجیب کا مرکز بجاے قطب (ہمارے ملکون مین بجاے قطب شمالی) کے ہر اعلئ ربع ارتفاع سے جو قوسین لیجائین اُسکا جیب التام مدار اس نقطہ کا ہے جو قوس ارتفاع پر لیا گیا ہے مثلاً اول قوس سے ۲۰ درجہ کے بعد کا مدار کا نصف قطر ۵۶ درجہ ۲۳ دقیقہ تقریبًا۔

اور جو نقطہ یا ستارہ معدل النہار پر ہو اُسکا مدار ربع کے نصف قطر کے برابر ہے۔
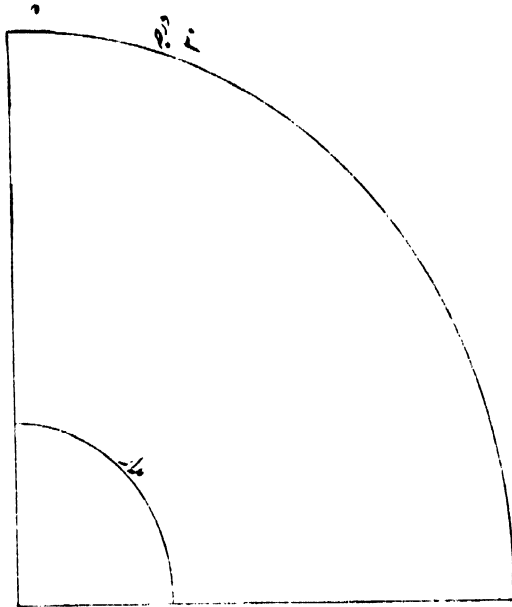
کسی زاویہ یا قوس کا جیب یا ظل یا سہم وغیرہ بقاعدہ تناسب معلوم کرسکتے ہیں یعنی جو نسبت افاعیل قوس اعظم کو افاعیل قوس اصغر سے ہے وہی نسبت نصف قطر اعظم کو نصف قطر اصغر سے ہے۔ مثلاً جیب ۲۵ درجہ قوس اعظم : جیب ۲۵ درجہ قوس اصغر = ۶۰ : ۵۶ درجہ ۲۳ قہ۔

سہم قوس اصغر یہ سہم قوس اعظم اسی قاعدہ سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن چونکہ دائر وغیرہ معلوم کرنے کے لئے اکثر سہم کے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ربع مجیب سے اُسکے معلوم کرنے کا قاعدہ لکھا جاتا ہے۔

نشان تجارت

ڈاکٹر لالور کا
فاسفوڈائن

دماغی کمزوری فالج کمخوابی۔ ڈراونے خواب دیکھنا۔ قویٰ کا قبل از وقت انحطاط اور نظام جسمانی کی وہ تمام بدنظمی اور عوارض جو قوت نامیہ کے کم ہوجانیسے لاحق ہون - ان امراض کے بے ضرر اور قابل اعتماد علاج مین اس دوانے چالیس برس سے زیادہ اپنی عام شہرت قائم رکھی ہے -

فاسفورس کے اس مرکب سے عصبی کمزوری اور اسی ذیل کی دوسری بیماریون مین فوری اور مستقل نفع ہوتا ہے اور تمام فاسد خیالات اور علامات تحلیل حیرت انگیز سرعت سے دور ہو جاتے ہین -

اسکی قوت بخش تاثیر پہلے ہی روز استعمال کرنے سے ظاہر ہو جاتی ہے عصبی اور دماغی قوتون مین زیادتی کے ساتھ ہی مریض کے دل مین عادت کے بالکل خلاف تقویت اور تسکین پیدا ہو جاتی ہے ہاضمہ مین ترتیب آجاتی ہے بھوک بڑھ جاتی اور قبض رفع ہوجاتا ہے نیند آرام سے آتی اور فرحت بخش ہوتی ہے چہرہ بھر جاتا ہے لب سرخ آنکھین روشن اور جلد صاف اور صحتمند ہوجاتی ہے - بالونین مضبوطی آجاتی ہے - یہ اعضاے عصبی پر کیسا عظیم اثر کرتی ہے دنیا کے تمام حصون کے باشندون اور فن طبابت کے اعلیٰ ماہرون کی ہزارون مستند شہادتون سے یہ عالمگیر فیصلہ بخوبی ہوگیا ہے کہ سائنس کی تحقیقاتی دنیا مین فاسفورس کے کسی دوسرے مرکب کو ایسی فایدہ مند اور معززین کی قدردانی نصیب نہین ہوئی -

خبردار

"فاسفوڈائن" کا نام قانون ٹریڈ مارک کے مطابق محفوظ کر لیا گیا ہے - اسلئے اسکی نقل رنگ یا کسی دوسری حیثیت سے فروخت کرنیوالونسے عدالتی چارہ جوئی کیجائیگی - اس نام کی فخریہ ایک دعویٰ ہے جسکو کلکتہ کی نمایش واقع ۱۹۰۶ء مین اعلیٰ سند ملی تھی

ہندوستان بھر کے دواساز اور ادویہ فروش بحساب فی بوتل (خورد) ۳/ (کلان) ۵/ فروخت کرتے ہین -

صرف ڈاکٹر لالور کی

"فاسفوڈائن لیبوریٹری" واقع ہیمپ اسٹیڈ - لنڈن انگلستان

مین بنایا جاتا ہے -

مطبع عام پریس واقع ارادت نگر متصل ڈالی گنج لکھنؤ مین باہتمام محمد علی طبع ہوا

جامیست جہان نماے ہر صفحہ درین

الناظر

نمبر ۱ | یکم اپریل سنہ ۱۹۱۰ع | قیمت سالانہ للعہ

فہرست مضامین

صفحہ

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
الکلام مولفۂ مولانا شبلی پر تنقیدی نظر (نمبر ۲)	"مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز"	۱
لسان العاقل وراء قلبہ و قلب الاحمق وراء لسانہ (نظم)	مرزا محمد بہادر یاور	۲۵
مرآۃ الاذہان ـ مکالمہ (۳)	پروفیسر مرزا محمد ہادی بی اے	۲۶
اندھی دنیا (نظم)	منشی افتخار علی جگر	۳۱
زبان اردو کی بیکسی اور بے وارثی (۲)	منشی احسان علی فصیح	۳۳
غزلیات	{ میر انتظام علی ـ علی منشی ریاض تمکین صدیقی ـ فہمی }	۴۱
آل انڈیا محمڈن لیڈیز کانفرس	بنت نذر الباقر	۴۳
لیڈیز کانفرس	ا ـ ع ساغر لکھنوی	۴۶
عورتون مین تعلیم (نظم)	منشی احمد علی شوق ـ قدوائی	۵۲
تندرستی	ناظرہ	۵۳
نظر سے خوش گذرے	ایڈیٹر	۵۷
ربع مجیب	پروفیسر مرزا محمد ہادی بی اے	۲۵ / ۳۲

اڈیٹران

وصی الحسن علوی بی اے ایل ایل بی — ظفر الملک علوی

پروپرائٹر (مالک) جناب منشی سخاوت علی صاحب علوی سکریٹری فلاور ملز لکھنؤ

دفتر رسالہ الناظر ـ فلاور ملز لکھنؤ سے شایع ہوا

فی پرچہ

کوپر کمپنی کا ولایتی پانی

غیر خالص ہوا سے اتنا ہی بچنا چاہیے جتنا سانپ بچھو یا زہر سے کیونکہ ایسی ہوا تندرستی کو بالکل بگاڑ دیتی ہی۔ ہوا پانی مین شامل ہوتی رہتی ہی۔ اسلیے غیر خالص پانی سے بھی اتنا ہی بچنا فرض ہی جتنا غیر خالص ہوا سے تندرستی اور زندگی کے لیے ہوا کے بعد پانی کا مرتبہ ہے۔

ہمارے کارخانہ مین سٹیم انجن سے پانی تیار ہوتا ہی اور ہر قسم کا پانی جس تعداد مین درکار ہو ہر وقت مل سکتا ہے۔

حضرت گنج متصل حق سود کمپنی

شہاب الدین اینڈ سنز
حضرت گنج لکھنؤ
الناس باللباس

مثل مشہور ہی "ایک نور آدمی ہزار نور کپڑا"، اور کپڑے کی ساری رونق عمدہ تراش اور سلائی پر ہی۔ ہمارا کارخانہ پبلک کی خدمت ۱۸۹۶ء سے کر رہا ہے۔ ہر قسم کا کپڑا موجود رہتا ہی صرف فرمایش کی دیر ہو جس قسم کی پوشاک درکار ہو مردانہ۔ زنانہ۔ ولایتی یا ہندوستانی کسی طرز فیشن۔ یا وضع کی ہم نہایت کفایت اور خوبی کے ساتھ تیار کر دینگے آزمایش کر لیجیے خدا سے امید ہی آپ خوش ہونگے۔ پیمایش کا فارم اور کپڑونکے نمونے طلب فرمائیے۔

قطب الدین منیجنگ پروپرائیٹر

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہی عشق
سامان صد ہزار نمکدان کیے ہوے

دی فونوا یمپنج۔ لکھنؤ۔ متصل کوتوالی چوک

ہاتھی فون گراموفون ساگراف اوڈین بیکا چیمبر آپرا

کچھ درد ہے مطربون کی لے مین کچھ سوز بھرا ہوا ہے نے مین

لوکل اور بیرونجات کے خریدارونکی آسانی کیلیے خوش گلویونکے تین ہزار دو سو مختلف گانونمین سے بہتر سے بہتر ریکارڈونکا انتخاب لکھنؤ مین صرف ایک یہی مرکز ہی جہان ہر مشہور کمپنی کے ہندوستانی ریکارڈ ایک ہی جگہ ملسکتے ہین ہر ساخت کی مشینون اور ریکارڈونکا موازنہ اور جانچ اسی مقام پر آزادی سے ہو سکتا ہی یورپ کے ذہین کاریگر اس فن کی ترقی مین نہایت تیزی سے مصروف ہین اور ہر سال کچھ نہ کچھ نئی ایجاد ہوتی رہتی ہی خرید کرنے سے پہلے ہماری دوکان کی نمائش گاہ مین تشریف لاکر ہمارے مختلف ساخت کے ریکارڈ جدید اسٹائل کی مشین اور رنگ برنگ کے خوشنما فلاور سامان ملاحظہ فرمائیے ضروری سامان متعلقہ ٹاکنگ مشین۔ ہارمونیم۔ بہالہ۔ سٹیل ٹرنک۔ گیس لائٹ لیمپ۔ کیش بکس جاپانی منی بیگ صابن اور گودٹو پاوڈر وغیرہ بھی برفروخت ہوتے ہین۔

منیجر دی فونوا یمپنج

فرمایش کیوقت الناظر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔

مقوی گردہ و مثانہ - مقوی اعصاب - مقوی دماغ - مولد خون صالح - مقوی جگر دافع سلسل بول - عام طور پر تمام اعضائے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے - ۳ قطرہ سے ۳ ماشہ تک انتہائے مقدار ہے - قیمت فی تولہ ص؎

روغن بواسیر - بواسیر خونی وبادی دونوں کے حق میں اکسیر مسّے پھولے ہوئے ہوں لگاتے ہی فوراً مرجھا جائینگے اور مرض دفع ہوجائیگا - قیمت فی تولہ عہ؎

روغن دافع امراض گوش - ایک قطرہ ڈالنا چاہیئے - کان کے تمام امراض - دانہ اور درد کے واسطے نہایت مفید ہے - اکسیر کی خاصیت رکھتا ہے قیمت ایک تولہ عہ؎ دو تولہ عہ؎ تین تولہ عگا؎ پانچ تولہ ے؎

ان چند ادویات کے علاوہ کارخانہ میں صدہا قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ مجربات تیار رہتے ہیں - اور چونکہ اکثر ادویہ مریض کی حالت پر لحاظ کرکے تجویز کی جاتی ہیں - لہذا جو صاحب خط و کتابت کے ذریعہ سے اپنے مفصل حالات سے مطلع فرمائینگے مرض اُنکا چاہے کیساہی سخت اور کٹھن کیوں نہ ہو ہم دعوے کیساتھ اُن کو اپنے مجربات سے فائدہ پہونچانیکے واسطے تیار ہیں - نمونہ کے طور پر معمولاً جملہ ادویہ صرف ارٹکٹ آنے پر روانہ کی جاسکتی ہیں -

ترکیب استعمال و پرہیز ہر دوا کے ہمراہ روانہ ہوگی - محصول ڈاک و وی پی ہر صورت میں ذمہ خریدار رہے گا -

پروپرائٹر - جناب منشی محمد احتشام علی صاحب رئیس و مالک کارخانہ آئس فلاور اینڈ آئل ملز - لکھنؤ -

جملہ فرمائشات - مینیجر دواخانہ مجربات جڑی بوٹی - لکھنؤ کے پتہ سے آنا چاہئیں -

الناظر

نمبر ۱۰ | یکم اپریل سنہ ۱۹۱۰ء

الکلام

مولفہ مولانا شبلی پر

تنقیدی نظر

نمبر دوم

فطرت انسانی اور حاسۂ مذہب

حامیان و مخالفین مذہب کے درمیان ایک مابہ النزاع مسئلہ مذہب کا فطری ہونا ہے۔ اول الذکر گروہ کا خیال ہے کہ مذہب انسان کی فطرت و خمیر مین داخل ہے اور کوئی شخص یا فرقہ قطعاً لا مذہب نہین ہو سکتا۔ منکرین مذہب کا دعویٰ ہے کہ حاسۂ مذہب فطری نہین۔ بلکہ محض بچپن کی تعلیم و تربیت کا اثر ہے۔ علامہ شبلی جو اول الذکر جماعت کے مسلمہ وکیل ہین اس معلہ مین کیونکر اپنے فریق کا ساتھ چھوڑ سکتے تھے؟ فریدوجدی کی

تقلید مین اُنھون نے بھی "انسان و ایمان" کے تعلقات پر بحث کی ہے اور الکلام مین ایک مستقل باب اس عنوان سے قائم کیا ہے کہ "مذہب انسان کی فطرت مین داخل ہے" (صفحات ۱۶۱-۱۷۱ کتاب مذکور) لیکن حقیقت یہ ہے کہ انکی تصنیف کا یہ حصہ جسقدر خلاف واقعہ اور مغالطہ آمیز ہے۔ اسکی نظیر خود الکلام کے دوسرے مقامات مین بھی نہین ملتی۔ ذیل مین ہم مولانا کے خیالات کو اُن ہی کے الفاظ مین درج کرتے ہین:-

مذہب کے فطری ہونے کی پہلی دلیل ...."بیرونی دشمنون اور مخالفون سے زیادہ سخت اور زیادہ خطرناک گروہ دشمنون کا ایک اور ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے اور جن سے اسکو ہمیشہ سخت معرکہ آرائیان رہتی ہین (مثلاً) طمع ..... کینہ پروری .... جاہ طلبی ...... خواہش نفس ان دشمنون سے بچانے کیلئے ایک حد تک عقل کام دیتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اگر تم کسی کی آبرو کا قصد کروگے تو وہ بھی کریگا۔ تم کسی کو برباد کرنا چاہوگے وہ بھی چاہیگا۔ تم دوسرون کی عزت نہ کروگے۔ وہ بھی نہ کرینگے لیکن اول تو ایسی پیش بینی عقل خاص خاص تعلیم یافتہ اشخاص مین ہو سکتی ہے اسکے علاوہ بہت سے ایسے مواقع پیش آتے ہین جہان اس قسم کے انتقام کا مطلق اندیشہ نہین ہوتا۔ حکومت کا خوف جاسوس کا ڈر بدنامی کا احتمال انتقام کا خطرہ ان مین سے ایک چیز بھی نہین ہوتی۔ ان موقعون پر عقل اُن پرزور مخالفون کا مقابلہ نہین کر سکتی بلکہ ایک دوسری قوت ہے جو سینہ سے ہوتی ہے اور انسان کو ان دشمنون کے حملہ سے بچاتی ہے۔ اس قوت کا نام زبان کانشنس یا حاسۂ اخلاقی ہے اور یہی چیز مذہب کی بنیاد ہے۔ یہ قوت انسان کی اصل فطرت مین داخل ہے عالم و جاہل رذیل و شریف شاہ و گدا افریقہ کا وحشی اور یورپ کا تعلیم یافتہ سب اسمین برابر کے حصہ دار ہین" (صفحہ ۱۷۰-۱۷۱)

دوسری دلیل۔ "دنیا مین افراد انسانی کے خاص خاص مختصات" یعنی زبان ملک قوم صورت رنگ کو حذف کرتے جاؤ تو جو چیزین قدر مشترک رہ جائینگی۔ ان مین ایک مذہب بھی ہوگا

اور یہ بہت بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب فطری چیز ہے - جن چیزون کو ہم انسان
کی فطرت خیال کرتے ہین - مثلاً اولاد کی محبت .... ان کے فطری ہونے کی یہی وجہ قرار
دیتے ہین کہ تمام دنیا کے آدمیون مین مشترک پائی جاتی ہین - اس بنا پر جب ہم یہ دیکھتے ہین
کہ دنیا مین ہر قوم ہر نسل ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب ضرور رکھتا ہے تو صاف ثابت ہوتا ہے
کہ مذہب فطری چیز ہے اس سے بڑھکر یہ کہ مذہب کے جو قدیم اصول ہین وہ تمام مذاہب
مین یکسان پائے جاتے ہین - خدا کا وجود اسکی پرستش کا خیال حیات بعد الموت جزا
سزا - رحم دلی ہمدردی عفت کا اچھا سمجھنا - جھوٹ دغا زنا چوری کو برا جاننا دنیا کے
تمام مذہبون کا اصل اصول ہے ...... جو باتین شرط زندگی و مدار حیات ہین تمام افراد انسانی
مین یکسان عطا کی گئی ہین (مثلاً کھانا پینا چلنا پھرنا سونا جاگنا) اس سے صاف ثابت
ہوتا ہے کہ مذہب کا اسقدر حصہ جو دنیا کی تمام قومون مین مشترک ہے لازمہ انسانی
تھا اور اس وجہ سے قدرت نے تمام قومون کو یکسان عطا کیا - ارسطو و بنتھم بہت سے
دلائل کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ سچائی دیانت داری عفت علم اچھی چیزین ہین لیکن
افریقہ کا ایک وحشی بغیر تعلیم و بغیر کسی دلیل کے خودبخود ان چیزون کو اچھا سمجھتا ہے" (صفحہ ۱۰)

پھر آگے چلکر اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب دعوی کیا ہے کہ خدائے واحد
کا اعتراف انسان کی فطرت مین داخل ہے اور اسکی تائید مین یون استدلال کیا ہے -

"علم الانسان کے ماہرون نے اس مسلہ پر بحث کی ہے کہ انسان جب بالکل فطری حالت
مین تھا یعنی علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کا بالکل وجود نہین ہوا تھا اُسوقت اُسنے
سب سے پہلے اصنام کی پرستش کی تھی یا خدا کی ؟ مادیئین کے سوا تمام محققین نے
فیصلہ کیا ہے کہ انسان نے پہلے خدا کی پرستش کی تھی - مشہور محقق میکس مولر اپنی
کتاب مین لکھتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے خدا کے آگے اُسوقت سر جھکایا تھا جب
وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکتے تھے (جسمانی خدا و بت) اس حالت کے بعد اسطرح پیدا

ہوئے کہ فطرت اصلی مثالی صورت کے پردہ مین چھپ گئی - یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے دنیا کے ہر حصہ مین خدا کا وجود تھا" (صفحہ ۳۵ - الکلام)

اقتباسات بالا کی بنا پر یہان حسب ذیل سوالات تنقیح طلب پیدا ہوتی ہین:-

کیا واقعی انسان مین کوئی حاسۂ اخلاقی پایا جاتا ہے جو فطری ہے ؟

کیا یہ صحیح ہے کہ دنیا کی تمام اقوام بلا استثنا مذہب کی پیرو ہین ؟

کیا درحقیقت علم الانسان نے فیصلہ کر دیا ہے کہ نوع انسان نے ابتدائی حالت مین بجائے بتون کے خدا کی پرستش کی تھی ؟

پہلی بحث - انسان کے ضمیر مین ایک حاسۂ اخلاقی یا کانشنس کے فطری ہونے کا دعویٰ صرف ہمارے علامہ ہی نے نہین کیا ہے بلکہ یورپ کے فلسفیون کا ایک گروہ بھی جو انچو یشنلسٹ اسکول (Intuitionalists) کا متبع کہلاتا ہے (اور جسمین ڈیکارٹ - لیبنز - شیفٹسبری - بٹلر وغیرہ شامل ہین) اُنکا ہم زبان ہے لیکن ناظرین کو ان پر عظمت نامون سے مرعوب نہ ہو جانا چاہیئے - بلکہ غور کرنا چاہیئے کہ کیا ان کے پیش کردہ دلائل کافی وزن رکھتے ہین اس جماعت کے اراکین کانشنس کے فطری ہونے پر حسب ذیل استدلالات قائم کرتے ہین -

(الف) حواس خمسۂ ظاہری جو فطری ہین عقل و فکر کی وساطت کے بغیر اپنے فرائض انجام دیتے ہین مثلاً ہماری آنکھون کے سامنے جو چیز آتی ہے ہم بلا تامل اسکا رنگ بتا دیتے ہین - ہم اپنے ہاتھون سے جس شے کو چھوتے ہین - اسکی سردی گرمی یا سختی و نرمی کو بلا توقف محسوس کر لیتے ہین - ہم اپنی زبان پر جس چیز کو رکھتے ہین بغیر وقفہ کے اسکے ذائقہ کا فیصلہ کر لیتے ہین بالکل اسی طرح سے جب کسی فعل کا ہمارے سامنے ذکر کیا جاتا ہے تو ہم فوراً بغیر توقف و تامل کے اسکے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کر لیتے ہین - فیاضی ایمان داری ایثار نفس کے واقعات سنتے ہی ہماری زبان سے

تحسین کے الفاظ نکل جاتے ہین اور چوری بے ایمانی قتل کے حالات سننے کے ساتھ ہی ہمارے دل مین ناپسندیدگی کے خیالات پیدا ہو جاتے ہین۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مثل حواس ظاہری کے ایک حاسۂ باطنی بھی فطری ہے جو عقل کے توسط کے بغیر افعال کے ممدوح و مذموم ہونے کا فیصلہ کرتا ہے۔

(ب) جو حاسات کہ تمام نوع انسان مین مشترک ہین وہ فطری کہے جاتے ہین اور حاسۂ اخلاقی بھی تمام عالم مین یکسان طور سے پایا جاتا ہے اسلئے وہ بھی فطری ہے۔

(ج) ایسے مواقع پر جہان کہ بدنامی و انتقام کا مطلق اندیشہ نہین ہوتا اور جبکہ ارتکاب جرائم سے باز رہنے کی صلاح عقل بھی نہین دیتی اسوقت ایک خاص باطنی قوت راہ راست کی ہدایت کرتی ہے اور چونکہ یہ قوت خارجی قوتون سے مختلف ہوتی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فطری ہے۔

ان ہی استدلالات کی بنا پر مذہبی جماعت انسان اور مذہب کو لازم و ملزوم قرار دیتی ہے چنانچہ بعض ارباب قلم نے اصول منطق کو پس پشت ڈال کر انسان و حیوان کے درمیان صرف مذہب کو مابہ الامتیاز (جسکو اصطلاح مین فصل کہتے ہین) تسلیم کیا ہے اور انسان کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ ایک مذہبی حیوان ہے۔ لیکن ان دلائل کو مشاہدہ کے معیار پر جانچو اور دیکھو کہ میزان واقفیت مین ان کا کیا وزن ہے۔

(الف) پہلی دلیل پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ کسی امر کے متعلق فی الفور فیصلہ کر دینا محض فطری قوت پر منحصر نہین بلکہ بعینہ یہی نتیجہ مشق و تجربہ سے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ ایک کہنہ مشق و تجربہ کار قانون دان مقدمہ کی روداد سننے کی ساتھ ہی اسکے متعلق قطعی رائے قائم کر لیتا ہے ایک آزمودہ کار جنگ آزما فوج کی ترتیب وصف بندی وغیرہ پر نظر ڈالتے ہی نتیجۂ جنگ کے نسبت پیشینگوئی کر دیتا ہے۔ علم ریاضی و ہندسہ کا ماہر جامٹری کی شکل پر نگاہ ڈالنے کے ساتھ ہی اسکے ثبوت کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ کر دیتا ہے لیکن کیا ان سب باتون کا

یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مقنن سپہ سالار اور مہندس کی یہ قوتین مشق و تجربہ کا نتیجہ نہین بلکہ فطری ہین ؛ بالکل یہی حال ہمارے حاسۂ اخلاقی کا ہے۔ ہم جب کسی اخلاقی جرم کا ذکر سنتے ہی اسکو مذموم کہہ اُٹھتے ہین تو اسکی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ ایام طفولیت سے اُسکی بُرائی ہمارے ذہن نشین ہوگئی ہے اور یہی متواتر عادت سے جواب طبیعت ثانیہ ہوگئی ہے۔

ہمارے دعویٰ کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ہم صرف ان ہی افعال کا فی الفور اور بلا توقف فیصلہ کر سکتے ہین جو روزمرہ پیش آیا کرتے ہین اور جنکے متعلق ہماری گرد و پیش کی سوسائٹی رائے قائم کر چکی ہے۔ مثلاً چوری زناکاری قتل وغیرہ لیکن اگر کسی ایسے واقعہ کا ذکر کیا جائے جس سے ہمارے کان نا آشنا ہون یا جو کسی قدر پیچیدہ ہو اور جس مین مدح و ذم کے مدارج تقریباً مساوی ہون تو ہم ایسے افعال کی نسبت کوئی فیصلہ ایک لحظہ مین نہین کر سکتے بلکہ ایک مدت درکار ہوتی ہے اور عقل سے مشورہ لیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی فیصلہ کی کوئی قوت فطری نہین ہوتی ہے بلکہ یہ نتیجہ ہے ابتدائی تعلیم و تربیت اور روزانہ مشق کا۔

اس خیال کی تائید ایک دوسرے طریقہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ فرض کرو کہ ایک بچہ اپنی پیدائش کے ساتھ ہی ایک بالکل تنہائی کے مقام پر لاکر رکھا گیا اور اسکا نشو و نما ایسے مقام پر ہوا جہان نہ اسکو دنیا کے حالات کا تجربہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ اُس پر کسی قسم کا سوسائٹی کا اثر پڑ سکتا تھا۔ اسکے جوان ہونے پر کوئی شخص اوس سے نکاح اور زناکاری کے واقعات بیان کرتا ہے۔ لیکن وہ خاموش ہے۔ وہ دونون افعال مین سے کسی کے مذموم ہونے کے متعلق اپنی رائے ہرگز فوراً نہین قائم کر سکتا۔ حالانکہ اگر حاسہ اخلاقی فطری ہے تو اسکو فوراً فیصلہ کر دینا چاہیئے تھا۔

(ب) اس استدلال کا کبریٰ بھی اگرچہ محتاج ترمیم ہے لیکن صغریٰ تو اسقدر غلط اور خلاف واقعہ ہے کہ خود حامیان کانشنس کو بھی اب بادلِ ناخواستہ اس دعویٰ سے دست بردار

ہونا پڑا ہے - ایک گروہ کا کانشنس ذبح حیوانات کے نام سے لرز جاتا ہے لیکن دوسرا گروہ اپنے سچے اعتقاد کے مطابق ان کی قربانی کو اپنی نجات کا وسیلہ سمجھتا ہے - ایک جماعت کے نزدیک ایک عورت کے سوا دوسری عورت سے نکاح کرنا تمام اصول اخلاق کے منافی ہے ! لیکن دوسرے فرقہ کی رائے مین تعدد ازواج کا مسئلہ دنیاوی مصالح کی بنا پر مناسب و ضروری ہے - ایک تیسرا طبقہ ایسا بھی موجود ہے جسکے قانون اخلاق مین سرے سے نکاح کی دفعہ ہی غائب ہے - وہ ہر مرد کو اجازت دیتا ہے کہ جسقدر عورتون سے چاہے لذت شہوانی حاصل کرے - اکثر قومون کے نزدیک چوری اور قتل بدترین جرائم ہین لیکن ایسی جماعتون کی مثالین بھی موجود ہین جنکا کانشنس اُنکو ان جرائم پر بالکل ملامت نہین کرتا - خود ہمارے ہندوستان مین ایک صدی کا عرصہ ہوا ٹھگون کی جماعت موجود تھی جو اپنے عقیدہ کے مطابق مسافرون کو دغا و فریب سے ہلاک کر ڈالنا فرض مذہبی سمجھتی تھی - اس طرح کی سیکڑون مثالین پیش کیجا سکتی ہین جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف قومین ایک دوسرے سے بالکل مختلف بلکہ مخالف و متضاد اصول پر عمل کرتی ہین اور اپنے اصول کو کانشنس کے موافق خیال کرتی ہین - اس اختلاف سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حاسۂ اخلاقی فطری نہین بلکہ اسکا نشو و نما گرد و پیش کے خارجی اسباب کے اثر سے ہوتا ہے -

(ج) اس استدلال کی صحت کا دار و مدار اس دعوی پر ہے کہ ارتکاب جرائم کے وقت عالمگیر طور پر ایک باطنی قوت مانع ہوتی ہے - لیکن درحقیقت جس تعمیم کے ساتھ یہ دعویٰ پیش کیا گیا ہے - اسکی تائید واقعات سے نہین ہوتی - مشاہدہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جن لوگون کو ابتدا سے اخلاقی تعلیم دی جاتی ہے اور سوسائٹی جنکو بچپن ہی سے نیکی و بدی کا فرق بتاتی ہے - ان لوگون مین ایک حاسۂ اخلاقی پایا جاتا ہے لیکن جن لوگون کا نشو و نما بغیر اخلاقی تربیت کے اور رندی کی حالت مین ہوتا ہے وہ تمام

علانیہ بدکاریوں مین مبتلا رہتے اور کوئی اندرونی تحریک ان کو منع نہین کرتی۔ ایسے بیسیون جرائم پیشہ قبایل موجود ہین جنھون نے بدافعالیون کو اپنا ذریعۂ معاش قرار دے لیا ہے مگر ان کا کانشنس ان کو کبھی سرزنش نہین کرتا اور وہ لوگ کبھی جرایم کو قابل ترک نہین خیال کرتے۔ لارڈ مکالے ہائی لینڈز (اسکاٹ لینڈ) کے ایک قدیم لوٹیرے سردار کے حالات کے ضمن مین لکھتا ہے:-

> وہ اپنے طاقتور اعزا سے مراسم اتحاد قائم رکھتا تھا اور وہ لوگ بھی اسکے ڈاکو ہونے کی وجہ سے اسکے ساتھ محبت مین کمی نہین کرتے تھے کیونکہ وہ کبھی ان لوگون کو نہین لوٹتا تھا۔ اور یہ خیال کہ ڈاکہ زنی بہ حیثیت ڈاکہ زنی کے ایک ذلیل و شرمناک حرکت کہی جاسکتی ہے کبھی ان لوگون کے دماغ مین آیا ہی نہ تھا۔

تلاش سے ایسی جماعتون کی بہ کثرت مثالین مل سکتی ہین جنھون نے اپنی تمام زندگی کو جرم و عصیان کی نذر کر دیا ہے حالانکہ اگر حاسۂ اخلاق فطری ہے تو اُن کو ہر لحظہ اِس سے مقاومت کرنا ہوتی۔ انگلستان کا مشہور فلسفی جان لاک اگرچہ مذہب کا پابند ہے۔ مگر اس بدیہی تناقض سے حیران ہو کر لکھتا ہے کہ میری سمجھ مین نہین آتا کہ کوئی شخص کیونکر عمداً اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کی جرأت کر سکتا ہے۔ اگر وہ قوانین فطری اور اُسکے دل پر منقش تسلیم کیے جائین[1]۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اگرچہ بالطبع آزاد و حریت پسند ہے لیکن سالہا سال کے رسم و رواج نے اسکو تقلید کا اس درجہ عادی بنا دیا ہے کہ قانون توارث کی رو سے موجودہ نسل مین وہ بمنزلہ طبیعت ثانیہ کے ہو گئی ہے اور اب یہ حالت ہے کہ جب وہ اپنی گرد و پیش کی سوسائیٹی کے اثر اور دباؤ سے باہر ہو کر کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ایک قسم کا ہراس

---

[1] دیکھو لاک کا رسالہ فہم انسانی کے متعلق حصہ اول باب ۳۔
(Locke's "Essay on Human Understanding")

معلوم ہوتا ہے اسی اصول کی بنا پر وہ جب کسی ایسے فعل کے ارتکاب کا قصد کرتا ہے جو اُسکی سوسایٹی مین مذموم و ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہو اور جسکو اُسکے گرد و پیش کی جماعت اخلاقی حیثیت سے قبیح خیال کرتی ہے تو اسکی طبیعت مین ابتدائً ایک طرح کی جھجک محسوس ہوتی ہے اسی جھجھک اور ہراس کو مولانا شبلی حاسۂ طبعی قرار دیتے ہین۔ لیکن دراصل یہ حاسۂ اخلاقی سوسایٹی کا پیدا کیا ہوا ہوتا ہے کیونکہ جن لوگون کا نشو و نما اخلاقی طبیعت کے دائرہ سے باہر ہوتا ہو یا جنکی سوسایٹی مین کوئی اخلاقی قانون متعارف نہین ہوتا وہ لوگ کسی فعل کے ارتکاب کے وقت نہین ہچکچاتے۔

فطری جذبات کے مفہوم کو ہمارے مولانا نے اسقدر وسعت دی ہے کہ انکے خیال مین کسی حاسہ کو فطری ہونے کے لئے صرف یہ شرط کافی ہے کہ وہ تمام نوع انسان مین مشترک ہو اور اسی بنیاد پر وہ حاسۂ مذہب کے ساتھ اولاد کی محبت کو بھی فطری قرار دیتے ہین۔[۱] لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ کوئی غیر فطری حاسہ بھی تمام عالم مین مشترک ہو ہمارے خیال مین کسی حاسہ کے فطری ہونے کے لئے حسب ذیل شرائط لازمی ہین۔

(۱) وہ تحریک غیر ارادی ہو۔

(۲) وہ تحریک تمام نوع انسان مین یکسان طور سے مشترک ہو۔

(۳) اگر اس تحریک پر عمل نہ کیا جائے تو صریح نقصان محسوس ہو۔

مثال کے لئے ہم حاسۂ اشتہا کو لیتے ہین۔ بلاشبہ یہ تحریک ہر سہ شرائط بالا کے معیار پر پوری اُترتی ہے اور ہم اس حاسہ کو صحیح معنے مین فطری تسلیم کرسکتے ہین علیٰ ہذا پیاس اور نیند کے حاسات بھی طبعی اور فطری کہے جاسکتے ہین۔ لیکن اس صنف مین حاسۂ مذہب کسی طرح نہین داخل ہوسکتا۔ حاسۂ اخلاقی مین آخرالذکر دونون شرائط قطعاً نہین پائے جاتے اسلئے وہ فطری نہین کہا جاسکتا۔ اولاد کی محبت کو فطری

[۱] الکلام صفحہ ۱۲

حاسۂ قرار دینا اگرچہ اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ یہ جذبہ تمام نوع انسان مین بالکل مشترک نہین ہے[1] - لیکن اس سے قطع نظر کرکے یہ نقص موجود ہے کہ منجملہ شرائط مالارش مین تیسری ضروری شرط نہین پائی جاتی -

دوسرا مسئلہ - مذہب کا عالمگیر ہونا - مذہب کا لفظ اگرچہ نہایت مبہم اور کثیر المعنی ہے لیکن ہم مولانا کے نہایت مشکور ہین کہ اُنھون نے خود اس لفظ کی تشریح کردی - جسکے تسلیم کرنے مین ہمکو بھی کوئی عذر نہین - مولانا کی راے مین مذہب کے اصل اصول یہ ہین :-

خدا کا وجود اسکی پرستش کا خیال - حیات بعد الموت - جزا - سزا - رحمدلی - ہمدردی - عفت کا اچھا سمجھنا - جھوٹ - دغا - زنا - چوری کو بُرا جاننا -

لیکن کیا واقعی تمام دنیا ان کل عقائد کی پابند ہے ؟ نہین ہم اس سوال کا معیار اور گھٹاکر صرف اتنا دریافت کرتے ہین کہ کیا تمام دنیا ان مین سے کسی عقیدہ کی پابند ہے ؟ گذشتہ اقوام کی تاریخ اور حال کے سیاحون کے مشاہدات متفق اللفظ ہوکر اس سوال کا جواب نفی مین دیتے ہین - ایسی متعدد قومون کی مثالین موجود ہین جو مذکورہ بالا عقائد مین سے ایک کی بھی پابند نہین - پہلے ہم وجود خدا کے مسئلہ کو لیتے ہین جو سب عقائد سے زیادہ مہتم بالشان ہے مسٹر لینگ[2] کوئنس لینڈ (واقع آسٹریلیا) کے باشندون کے متعلق حسب ذیل

---

[1] ممکن ہے کہ ہمارا یہ دعوی بعض لوگون کو انوکھا معلوم ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ بعض قومین ایسی ہین جو محبت والفت تو ایک طرف اپنی اولاد کو عداوت کی نظرون سے دیکھتی ہین جان لاک اپنی اسی کتاب مین جسکا حوالہ ہم پیشتر دے چکے ہین لکھتا ہے کہ :-

"منگریلیا Mingrelia کے باشندے مین جو عیسائی مذہب کے پیرو ہین یہ ایک عام دستور ہے کہ اپنے بچون کو بلا تامل زندہ دفن کردیتے ہین اور بعض مقامات ایسے بھی ہین جہان کے باشندے اپنی اولاد کو کھا جاتے ہین" (صفحہ ۲۰)

[2] لینگ صاحب کا سفرنامہ کوئنس لینڈ صفحہ ۳۴۰ (Lang's Queensland)

تحریر کرتے ہین ۔

"وہ لوگ دنیا کے خالق و حاکم اپنے افعال کے نگران اور آیندہ زندگی مین اجر دینے والے کی نسبت کوئی خیال نہین رکھتے ۔ وہ کسی معبود کی خواہ وہ ادنیٰ ہی درجہ کا کیون نہ ہو پرستش نہین کرتے ۔ ان لوگون کے یہان نہ کوئی بت ہے نہ عبادتگاہ ہے اور نہ کسی قسم کی قربانی ہوتی ہے ۔ الغرض وہ لوگ کسی قسم کا مذہب نہین رکھتے اور نہ اُن مین کسی مذہبی اعتقاد کا وجود ہے جو اُن مین اور درندون مین مابہ الامتیاز ہو سکے ۔ وہ لوگ بغیر خدا کے زندگی بسر کرتے ہین"

غور کرو کہ اس مصنف کو مذہب اسقدر عزیز ہے کہ وہ اسکو انسان و حیوان کے درمیان مابہ الامتیاز قرار دیتا ہے تاہم حق گوئی سے مجبور ہوکر اسکو ایک جماعت کے قطعاً لامذہب ہونے پر شہادت دینا پڑتی ہے ۔ اسی مصنف نے آگے چلکر مسٹر شمٹ Schmidt کا قول بھی اپنی تائید مین نقل کیا ہے جو خلیج مورٹن مین سات سال تک بہ حیثیت ایک مشنری کے قیام پزیر رہ چکے تھے اور وہان کی زبان اور باشندون کی طرز معاشرت سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے ۔

سر جان لیبک (لارڈ ایوبری) ایم ڈی ۔ ال ال ڈی ۔ ا ت ۔ آر ۔ ایس جو نہایت وسیع النظر مولف اور طبقات الارض و آثار قدیمہ کے متعلق یورپ و امریکہ کی متعدد سوسائٹیون کا ممبر ہے اپنی کتاب "پری ہسٹارک ٹائمس" (Prehistoric Times) مین اکثر وحشی قبائل کے متعلق متعدد سیاحون کے چشمدید بیانات نقل کرتا ہے جنکا ماحصل یہ ہے کہ ان مین کسی طرح کے مذہبی اعتقادات کا وجود نہین ۔ ذیل مین ہم اُن مین سے چند کے نام درج کرنے پر اکتفا کرتے ہین :-

اسکیموز کے متعلق (یعنی نواح قطب شمالی کے باشندون کے متعلق) فرانکلین راس کی شہادت ۔

کناڈا کے بعض قبائل کے متعلق مسٹر ہیرن (Hearne) کی شہادت ۔

کالیفورنیا کے متعلق لاپیروز (La Perouse) اور بیگرٹ (Baegert) کی شہادت۔

برازیل کے اکثر فرقون کے متعلق والس بیٹس اسپکس مارٹیس کی شہادت۔

پاراگے کے متعلق ڈوب رزافر (Dobritzhoffer) کی شہادت۔

پالینیشیا کے بعض جرگون کے متعلق ولیمز (Williams) کی شہادت۔

جزائر ڈاموڈ (واقع آسٹریلیا) کے متعلق جوکس (Jukes) کی شہادت۔

افریقہ شمالی کی بعض قومون کے متعلق برٹن (Burton) اور گرانٹ (Grant) کی شہادت۔

جزائر انڈمان کے متعلق مواٹ (Mouatt) اور پورٹ مین (Portman) کی شہادت۔

جزائر پلیو کے باشندون کے متعلق ولسن (Wilson) کی شہادت۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد شہادات ہین جنکو ہم طوالت کے خیال سے قلم انداز کرتے ہین اسی مصنف نے ایک دوسری کتاب "تمدن کا آغاز اور انسان کی ابتدائی حالت" کے عنوان سے تالیف کی ہے جو تحقیق و جامعیت کے لحاظ سے لاجواب ہے۔ اس کتاب مین مذہب کے عالمگیر نہ ہونے پر اُس نے اور چند معتبر شہادتون کا اضافہ کیا ہے اور خود مذہب کی نسبت اپنی رائے حسب ذیل الفاظ مین ظاہر کرتا ہے۔

یہ خیال کہ مذہب عام و عالمگیر ہے اکثر جلیل القدر حضرات نے ظاہر کیا ہے باینہمہ یہ دعویٰ متعدد معتبر شاہدون کے بیانات کے منافی ہے۔ جہاز ران تاجر فلسفی۔ رومن کیتھولک پادری پروٹسٹنٹ مشنری خواہ زمانہ قدیم کے ہون یا دور جدید کے کرہ ارض کے ہر گوشہ سے اس بیان پر متفق اللفظ ہین کہ انسان کی ایسی نسلین موجود ہین جو قطعاً لامذہب ہین۔ اس بیان کی تقویت اس امر سے اور بھی ہوتی ہے کہ بعض حالتون مین اس واقعہ نے خود اسکو

حیرت مین ڈال دیا ہے جو اسکو بیان کرتا ہے اور اسکے سابقہ تصورات کے بالکل مخالف پڑا ہے۔[۵۱]

اسی مصنف کے حوالہ سے ہم پادری بیگرٹ صاحب کا بیان کالیفورنیا کے اصلی باشندون کی نسبت درج کرتے ہین۔ پادری موصوف تحریر کرتے ہین کہ ہمارا مذہب قبول کرنے سے قبل ان لوگون کی گورنمنٹ اور مذہب کی حالت کا ذکر ضروری ہے لیکن دراصل ان لوگون مین دونون چیزون کا وجود نہ تھا۔ مجسٹریٹ پولیس قانون کچھ نہ تھا بتون عبادتگاہون پرستش اور مذہبی رسوم سے یہ لوگ بالکل ناآشنا تھے۔ یہ لوگ نہ تو خدائے برحق کا اعتقاد رکھتے تھے اور نہ جھوٹے دیوتاؤن کی پرستش کرتے تھے مین نے ان لوگون کے درمیان رہ کر یہ دریافت کرنے کی کامل تحقیقات کی کہ آیا یہ لوگ خدا حیات بعد الموت اور اپنی روحون کی نسبت کسی قسم کا تصور رکھتے ہین۔ لیکن مجھکو کبھی ان لوگون مین اس قسم کے خیالات کا ذرہ بھر بھی وجود نہین معلوم ہوا۔ ان کی زبان مین خدا اور روح کا مفہوم ظاہر کرنے کے لئے کوئی الفاظ ہی نہین[۵۲]"

تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لو کہ ان تمام سیاحون نے دغابازی اور دروغ گوئی پر کمر باندھی ہے لیکن اسکا کیا جواب ہوسکتا ہے کہ وہ مذہب جسکے متبعین کی تعداد تقریباً آبادی عالم کی نصف ہے۔ یعنی بدھ مذہب۔ اپنے مذہبی دستور العمل مین خدا کا ذکر ہی نہین کرتا؟ با اینہمہ اسکی اخلاقی تعلیم کسی دوسرے مذہب سے کم درجہ پر نہین۔ مغرب کا وہ پابند مذہب مصنف جسکو ہمارے علامہ "مشہور محقق" کے لقب سے یاد کرتے ہین۔ یعنی میکس مولر لکھتا ہے کہ "دین عیسوی سے پہلے جو اعلیٰ اخلاقی تعلیم انسان کو دی گئی تھی اسکے دینے والے وہ لوگ تھے جنکی نظرون مین خدا کا وجود

---

۵۱ Lubbock "On the origin of civilization and Primitive condition of man" صفحہ ۲۱۳

۵۲ صفحہ ۲۱۵

ایساہی بے بنیاد تھا جیسا کہ سایہ کا وجود۔ یہ وہ لوگ تھے جو معابد بناتے ہی نہ تھے۔ یہان تک کہ اس نامعلوم خدا کا بھی معبد نہ بناتے تھے"

مذکورہ بالا شہادتون سے مذہبی عقاید (خدا کا وجود اسکی پرستش حیات بعد الموت وغیرہ) کا عالمگیر نہ ہونا بخوبی ثابت ہو چکا ہے۔ اب مذہب کے اخلاقی پہلو پر نظر ڈالو اور تحقیقات کرو کہ کیا واقعی تمام دنیا۔ ہمدردی رحمدلی عفت کو مستحسن اور جھوٹ زنا چوری کو قابل نفرت خیال کرتی ہے؟ اس کا مجمل جواب نفی مین ہم پیشتر بھی دے چکے ہین اور بتا چکے ہین کہ بعض جرائم پیشہ قومون مین ڈاکہ زنی بالکل معیوب نہین سمجھی جاتی۔ ذیل مین اسی جواب پر چند اور شہادات کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ افریقہ کے بعض قبائل کے متعلق مسٹر برٹن تحریر فرماتے ہین[۵۱]

"مشرقی افریقہ مین کانشنس کا وجود ہی نہین پایا جاتا ہے اور توبہ کا لفظ صرف موقع جرائم کے ہاتھ سے نکل جانے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ڈاکہ زنی اعزاز کی علامت سمجھی جاتی ہے اور قاتل (جسقدر سفاکانہ جرم ہو اسی قدر بہتر ہے) ہیرو خیال کیا جاتا ہے"

سر جان لیبک شمالی امریکہ کے ایک قبیلہ سیوکس (Sioux) کے متعلق مسٹر گال بریتھ (Galbraith) کے حوالہ سے لکھتے ہین[۵۲]

"وہ لوگ بدکاریون کو نیکی سمجھتے ہین۔ چوری آتش زنی۔ زنا بالجبر قتل یہ چیزین ان کے یہان فخر و امتیاز کی علامت تصور کی جاتی ہین۔ وہان کے باشندون کو بچپن ہی سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ انسان کے لئے اعلیٰ ترین خوبی قتل کرنا ہے۔ وہ لوگ اپنی ناچ رنگ

---

۵۱) Burton's First Footsteps in East Africa "ابتدائی نقش پا افریقہ مشرقی مین" صفحہ ۱۷۶۔

۵۲) "آغاز تمدن" صفحہ ۳۹۷ (Origin of Civilization)

کی محفلوں اور ضیافتوں میں اپنی چوری لوٹ مار اور قتل کی داستانوں کو فخریہ نظم میں سناتے ہیں ۔ یہاں کے نوجوانوں کا اعلیٰ ترین مقصد بلکہ تنہا مقصد یہی ہوتا ہے کہ نوع انسان کے کسی فرد کے قتل میں ہاتھ رنگے ۔ خواہ وہ عورت ہو یا مرد یا بچہ ۔"

اسی کتاب میں آگے چلکر یہ مصنف آسٹریلیا کے باشندوں کے متعلق گورنر آیر (Eyre) کے حوالہ سے تحریر کرتا ہے کہ ان لوگوں میں عدل و انصاف کا اخلاقی احساس بالکل نہیں ہوتا ۔ یہ لوگ کسی فعل کے حق بجانب ہونے کا معیار صرف اس سوال کو قرار دیتے ہیں کہ آیا ہم لوگ جسمانی حیثیت سے یا باعتبار کثرت تعداد کے اس قابل ہیں کہ اُن لوگوں کے انتقام سے جنکو ہم نقصان پہونچانا چاہتے ہیں محفوظ رہ سکتے ہیں ؟[1]

قتل و غارت ڈاکہ زنی چوری بدعہدی سے قطع نظر کرکے عفت و عصمت کے احساسات بھی عالمگیر نہیں کہے جا سکتے ۔ تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ بعض قدیم اقوام میں بدچلنی کسی قسم کا جرم نہیں سمجھی جاتی تھی ۔ خود یونان قدیم کی یہ حالت تھی کہ ایک جانب تو حکمت و فلسفہ کا آفتاب آسمان کمال پر پوری چمک دمک کے ساتھ ضیا گستر تھا اور دوسری جانب اسی روشنی میں وہ اندھیر تھا کہ بڑا سا بڑا حکیم اُن حیا سوز جرائم کا مرتکب ہوتا تھا جنکے ذکر سے بھی ہم زبان قلم کو آلودہ کرنا نہیں پسند کرتے ۔ آج بھی مختلف اقطاع عالم میں ایسی قومیں ہیں جن میں عفت و پاکدامنی کا مطلق خیال نہیں ۔ چنانچہ پالینیشیا میں بے حیائی انتہائی درجہ پر ہے ۔ وہاں کے سیاحوں کا بیان ہے کہ جس قسم کے فحش الفاظ کو زبان پر لاتے ہوے ہمارے یہاں کے مرد بھی جھجکتے ہیں اس سے بدرجہا زیادہ شرمناک گفتگو وہاں کی عورتیں بے محابا غیر مردوں سے کرتی ہیں ۔ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ وہاں کے فرد اپنی بیویوں کو بطور تحفہ کے مہمانوں کے سامنے پیش

---

[1] آغاز تمدن صفحہ ۳۹۷

کرتے ہین چنانچہ متعدد یورپین سیاحون مثلاً کپتان ہنچی اور پورٹر وغیرہ کو اسکا تجربہ ہوا ہے۔ تاسمانیا کے باشندون کا نمبر اور بھی بڑھا ہوا ہے۔ وہ لوگ اس امر کو بہت بڑا اعزاز خیال کرتے ہین کہ کوئی یورپین انکی عورتون کے ساتھ زنا کرے۔ آسٹریلیا کے بعض قبائل کچھ نقدی معاوضہ پر اپنی بیویون کو اپنے دوستون کے یہان بھیجدیتے ہین مجمع الجزائر نوکاہیوا (Nukahiva) کے باشندون کے متعلق ڈاکٹر رابلٹ (Roblet) کا بیان ہے کہ وہان کے لوگ فرانسیسی ملاحون کے پاس اپنی عورتون کو اکثر بخوشی بھیجا کرتے تھے جن مین بعض لڑکیون کی عمر آٹھ آٹھ سال کی ہوتی تھی لیکن وہان کی بداخلاقی کا تم اس سے اندازہ کر سکتے ہو کہ وہ بھی باکرہ نہین ہوتی تھین!!! جزائر انڈمن مین عام رواج ہے کہ شادی کے قبل عورت اپنے تئین مردون کے لئے وقف عام رکھتی ہے۔ لطف یہ کہ ان تمام مثالون مین سوسائٹی کے رسم ورواج کے بموجب عورت اپنے تئین کسی جرم کا مرتکب نہین سمجھتی[1]۔

مختلف اقوام کی لامذہبی اور بداخلاقی کی ایسی ہی حالتون کو پیش نظر رکھکر ایتینے جولی۔ پروفیسر آف سائنس۔ ٹولوس (فرانس) نے یہ نہایت صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے[2] کہ

"صرف یہی نہین کہ یہ قبائل خدا اور حیات بعد الموت کا کوئی عقیدہ نہین رکھتے۔ بلکہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ ان مین کوئی اخلاقی خیال نہین ہوتا"

لیکن اسکے مقابلہ مین ہمارے مولانا کے فتوے پر غور کرو کہ اخلاقی جماعت مین ایک وحشی سا وحشی بھی ارسطو اور بنتھم کے دوش بدوش کھڑا ہو سکتا ہے!!! (الکلام صفحہ ۲)

[1] یہ تمام مثالین ماخوذ ہین پیرس کے انتھراپالوجیکل سوسائٹی کے سکریٹری اور اسکول آف انتھراپالوجی کے پروفیسر مانشیو لیٹرنیا کی لاجواب تالیف (Letourneau's "Evolution of marriage") ارتقار نکاح" سے دیکھو صفحات ۵۶ لغایت ۶۴۔

[2] پروفیسر موصوف کی کتاب مین مطبوعہ ۱۸۸۳ء صفحہ ۲۲۹-۲۳۰ (Joly: "Man before Metals")

تیسرا سوال - کیا علم الانسان کے ماہرین نے فیصلہ کر دیا ہے کہ انسان نے پہلے پہل خدائے واحد کی پرستش کی تھی ؟ علامۂ شبلی اس مسئلہ پر کسی بحث کو غیر ضروری سمجھکر اسکا مختصر جواب اثبات مین دیتے ہین اور اپنے سرسری جواب کو پبلک کی نظرون مین مستند و قیمع بنانے کے لئے تحریر فرماتے ہین کہ

"مادیین کے سوا تمام محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ
انسان نے پہلے خدا کی پرستش کی تھی"۔ [1]

اس جملہ سے جو مفہوم میری سمجھ مین آیا وہ یہ ہے کہ جمہور محققین علم الانسان کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ انسان ابتداہی سے موحد ہے اور صرف ایک خاص جماعت یعنی مادہ پرستون کو اس سے اختلاف ہے مگر ان کی رائے قابل وقعت نہین۔

ہم حیرت و استعجاب کے ساتھ اس عجیب و غریب فیصلہ کو بار بار پڑھتے ہین اور سمجھ مین نہین آتا کہ مولانا کے اس دعوے کی کیا معقول دلیل ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر عبارت بالا کا وہ مفہوم صحیح ہے جو ہماری سمجھ مین آیا ہے تو ہمکو چار و ناچار کہنا پڑتا ہے کہ مولانا نے اس موقع پر ایسے مغالطہ سے کام لیا ہے جسکی توقع ہرگز اُن سے نہین کی جا سکتی تھی۔ ممکن ہے جو لوگ یورپ کی زبانون سے ناآشنا ہون اُن پر اس دعوی کا جادو چل جائے لیکن جو شخص کہ خود محققین علم الانسان کی تصانیف کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اس پر اس صریح غلط بیانی کا کیا اثر ہو سکتا ہے ؟

دراصل اس مقام پر سب سے زیادہ مغالطہ خیز لفظ مادیین کا ہے اگر اس لفظ سے مراد اُن لوگون سے ہے جو کسی قسم کی غیر مادی ہستی کے قطعاً منکر ہین اور جنکے خیال مین عالم کی علت محض مادہ ہی سے ہے تو مولانا کا دعوی اس لحاظ سے غلط ہے کہ ان مادہ پرستون کے علاوہ محققین کی ایک اور بڑی تعداد ہے جس نے انسان کے

[1] الکلام صفحہ ۳۵

ابتداءً خدا پرست ہونے کی نفی کی ہے اور جس مین ڈاروِن ہکسلی اسپنسر اینڈریو لینگ گرانٹ ایلن ایڈورڈ کلاڈ وغیرہ شامل ہین۔ لیکن ان لوگون کو مادہ پرست کا لقب دینا سخت بیدردی کے ساتھ انصاف کا خون کرنا ہے۔ کاش آج اسپنسر اور ہکسلی زندہ ہوتے تو اپنی آنکھون سے یہ حیرت انگیز تماشہ دیکھتے کہ جس عقیدہ کی صاف صاف مخالفت وہ اپنی تصانیف مین کر گئے ہین اسی کے تسلیم کرنے کا الزام آج اُنپر لگایا جاتا ہے[1]

ہان اگر مادئین کے مفہوم مین وہ تمام لوگ داخل کر لئے جائین جو روح پرست (اسپریچولسٹ) نہین ہین تو بلاشبہ مولانا کا دعویٰ درست ہو۔ لیکن اس صورت مین اُنکو محض چند افراد تک محدود رکھنا سخت غلطی ہے۔ کیونکہ علم الانسان کے جسقدر محققین ہوے ہین وہ باستثنائے چند سب اسی جماعت مین داخل ہین ہمارے خیال مین اگر مولانا اپنے دعوی کو یون بیان فرماتے کہ باستثنائے چند افراد کے جو روحانیت کے معتقد ہین عموماً محققین نے انسان کے ابتداءً خدا پرست ہونے کی نفی کی ہو۔ تو زیادہ قرین صحت ہوتا[2]۔

---

[1] پروفیسر ہکسلی اپنے ایک مضمون مین جو ۱۸۶۸ء مین اُسنے بمقام ایڈنبرا پڑھا تھا صاف صاف کہتا ہے کہ اگرچہ سائنٹفک خیالات کے اظہار کے لئے ہمکو مادی مصطلحات واشارات سے کام لینا چاہیے۔ لیکن مادیت کے غلط اصول ہماری زندگی کی قوتون کو نقصان پہونچانے والے ہین اور مادیت ایک سخت اصول ہو (دیکھو زندگی کی طبعی بنیاد مشمولہ مجموعہ مضامین جلد اول) اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ مین وہ اپنے دوست جورف اسپنسر کو ایک خط مین تحریر کرتا ہے کہ میرے فلسفہ کا اصول اولین یہ ہے کہ مادہ پرستی اور روح پرستی دونون ایک ہی لغو مثل کے انتہائی حدود ہین (دیکھو "لایف اینڈ لیٹرز آف ہکسلی" جلد اول صفحہ ۲۴۳) بالکل یہی خیال اسپنسر کا بھی تھا وہ کہتا ہے کہ میٹریلسٹ اور اسپریچولسٹ کا اختلاف محض نزاع لفظی ہے اور ہر دو فریق یکسان طور پر خارج از عقل ہین (دیکھو "فرسٹ پرنسپلز" صفحہ ۵۵۰ طبع پنجم)

[2] ۔ زیادہ تعجب یہ ہے کہ خود فرید وجدی کی تصانیف مین جو مثل دیگر مقالات کے اس کوچہ مین بھی ہمارے مولانا کے لئے شمع راہ ہین یہ بیان بالکل اسی حیثیت سے نہین پایا جاتا جیسا کہ الکلام مین ہو۔ فرید وجدی کے خاص

حقیقت یہ ہے کہ علم المعاشرت (سوشیالوجی) اور علم الانسان (انیتھراپالوجی)
کے تقریبًا تمام ماہرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ عقل کے ساتھ مذہب کا بھی نشو ونما ہوا ہے
اور انسان نے اپنے قواے دماغی کے ارتقا کے ساتھ مذہبی اعتقادات مین بھی تدریجی
ترقی کی ہے جسکا منشا دوسرے الفاظ مین یہ ہے کہ خداے واحد کا اعتقاد جو نسبتًا زیادہ
شریفانہ اور زیادہ معقول ہے دفعتًہ نہین پیدا ہوا بلکہ عقل انسانی بہت سے ادنیٰ درجہ کے
مذہبی عقائد کے دورون کے بعد اس نتیجہ پر پہونچی ہے۔ مولانا اپنی تائید مین مکس مولر کا قول
نقل کرتے ہین اور اس شہادت کو زیادہ وزندار بنانے کیلئے اسکو "مشہور محقق" کے لقب سے
یاد کرتے ہین لیکن اول تو یہی امر بحث طلب ہے کہ یہ کون مصنف ہے اور اسکی کس کتاب سے
یہ اقتباس منقول ہے[۵]۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ وہی مصنف ہے جو یورپ مگر اس سے بہت
زیادہ ایشیا کی مذہبی جماعت مین مقبولیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو بلاشبہ وہ علم الالسنہ
(فیلالوجی) کا ماہر تھا۔ مگر کیا علم الانسان مین اسکی راے کچھ بھی وقعت رکھتی ہے؟
ڈاروِن لکھتا ہے کہ اس امر کی کوئی شہادت نہین پائی جاتی کہ انسان

بقیہ حاشیہ گذشتہ - الفاظ یہ ہین:- اختلف العلماء الباحثون فی اصول الادیان
فی اوّل معبود عبدہ الانسان فی اوّل نشأتہ فذھب المادیون منھم الی
ان ھو عبد الاصنام .... ومال الروحیون من الفلاسفۃ الی ان الانسان عبد الخالق
الاقدس (حدیقہ فکریہ صفحہ ۱۳) اگرچہ اس کے بعد اُس نے یہ بھی لکھدیا ہے اما النظریۃ الاولی وھی
نظریۃ المادیین فقد سقطت الآن الی الحضیض وتبین فسادھا (حدیقہ صفحہ ۱۴) فرید وجدی
کے مسلسل افتراءات اور غلط بیانیون کو پیش نظر رکھکر اسکے قلم سے اس اخیر جملہ کا نکلنا کچھ بھی عجیب نہین لیکن
تعجب یہ ہے کہ مولانا شبلی فرید وجدی کے پہلے جملہ سے کیون قطع نظر کر گئے؟ اگر وہ اسکا محض ترجمہ ہی کر دیتے
تو الزام سے بری الذمہ ہوجاتے۔

[۵] دیکھو اسی مضمون کا پہلا نمبر الناظر ماہ مارچ مین۔

ابتدا از ایک قادر مطلق خدا کے وجود کا اعتقاد موجود تھا بلکہ اسکے برعکس اس امر کی بہت قوی شہادت موجود ہے (جو تجارت پسند سیاحون کے بیانات سے نہین بلکہ ان لوگون سے ماخوذ ہے جو عرصہ دراز تک وحشی قبائل کے ساتھ قیام گزین رہے ہین) کہ ایسی متعدد قومین گذری ہین اور اب بھی موجود ہین۔ جنکی زبان مین اس خیال کے اظہار کے لئے کوئی لفظ ہی نہین ہے[۵۱]۔

ایک اور فاضل مصنف جسکی تصنیف کے استناد کے لئے صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ انٹرنیشنل سائنٹفک سیریز کے زیر اہتمام شایع ہوئی ہے سو صفحات سے زیادہ اس مسئلہ پر بحث کرکے آخر کار اسی نتیجہ پر پہونچتا ہے اور خاتمہ پر اپنی رائے یون ظاہر کرتا ہے[۵۲]۔

"اس مسئلہ کی صداقت و واقعیت پر نظر کرنے سے معلوم ہوگا کہ اُن لوگون کی رائے کسقدر غلط ہے جو اپنے مذہبی تعصبات یا اپنی خانہ ساز منطق و تاریخ کی بنا پر یہ دعویٰ کرتے ہین کہ نوع انسان یا کم از کم ترقی یافتہ نسلون کا ابتدائی حاسہ خدا پرستی تھا یہ قطعاً غیر ممکن ہے۔ کیونکہ ایسا خیال منافی ہے عقل انسانی کے اصلی نشو و نما کے اسکی ابتدائی فطرت و تدریجی ترقی کے اور فطرت انسانی کے ازلی اتحاد کے"۔

پیرس کے انتھراپالوجیکل سوسائیٹی کے ایک مقتدر ممبر پروفیسر بروکا (Broca) نے نصف صدی سے زائد عرصہ ہوا ایک مبسوط آرٹکل کے ذریعہ سے اپنا یہ خیال مذکورہ بالا سوسائیٹی کے سامنے ظاہر کیا کہ انسان مین مذہب و خدا کے وجود کا خیال فطری و طبعی ہونا تو ایک طرف عام و عالمگیر بھی نہین بلکہ محض بچپن کی تربیت کا اثر ہے۔

---

۵۱ "ڈیسنٹ آف مین" صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ ۱۹۰۱ء (Darwin's Descent of man)

۵۲ "متھ اینڈ سائینس" مصنفہ ٹیٹو ویگنولی صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵ (Myth and Science by Tito Vignoli)

پروفیسر موصوف کی اس مدلل راے کو سوسائیٹی مین بہت وقعت دی گئی اور اس کے ممبرون کی ایک کثیر جماعت نے (جن مین سے ہر ایک بجائے خود اینتھراپالوجی کا ماہر ہے) اس راے سے اتفاق ظاہر کیا۔ انسان کا ابتدائی مذہب سمجھنے کیلئے ہمکو انسان کے ابتدائی طرز معاشرت پر غور کرنا چاہیئے اور اس بے انتہا اختلاف کو پیش نظر رکھنا چاہیئے جو موجودہ سوسائیٹی اور ابتدائی سوسائیٹی کے خیالات و تجربات مین ہے۔ آج ہمکو کارخانۂ عالم قوانین وضوابط کا پابند نظر آتا ہے۔ لیکن قدیم وحشیون کے نزدیک نہ کوئی قانون فطرت ہے اور نہ علت و معلول کا سلسلہ کوئی چیز ہے نہ اسکی سوسائیٹی ایسی بڑی ہوتی ہے اور نہ اسکے قواے مشاہدہ کافی نشو و نما پائے ہوتے ہین۔ ہملوگون کے نزدیک ہر ذی حیات کے لئے موت لازمی ہے مگر ہمارے دماغ مین یہ خیال کیونکر پیدا ہوا؟ اسلئے کہ ہم برابر لوگون کو اپنی طبعی موت سے وفات پاتے ہوے مشاہدہ کرتے ہین ہم گنجان آبادیون مین رہتے ہین جہان روزانہ طبعی اسباب سے اموات واقع ہوا کرتی ہین۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس تاریخ کا ذخیرہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم سے پیشتر بیشمار نسلین آباد رہ چکی ہین اور انکا ایک ایک فرد اپنے وقت پر فوت ہوا ہے۔ لیکن ایک غیر متمدن وحشی قبیلہ کا خیال کرو جو آج سے بیشمار سال پہلے اسی سرزمین پر آباد تھے۔ اسوقت وہ لوگ آپسمین مل جل کر ایک مقام پر نہین رہتے تھے بلکہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان بناکر متفرق طور پر بود و باش رکھتے تھے۔ اسکے علاوہ اس زمانہ مین کسی قسم کی باضابطہ گورنمنٹ بھی نہ تھی جسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اکثر جانین کشت و خون کی نذر ہو جاتی تھین بعض لوگون کو جنگل کے درندے ہلاک کر ڈالتے تھے اور بعض موتین اور اتفاقات ناگہانی کے باعث ہوتی تھین۔ ان اسباب کی بنا پر انسان کے لئے موت کے لازمی ہونے کا تصور وحشی قبائل مین پیدا ہی نہین ہوتا۔ وہ لوگ جب کسی کی موت کی خبر سنتے ہین تو اُنکے دل مین حسب ذیل (یا اسی طرح کے اور) سوالات پیدا ہوتے ہین:۔ کیا وہ کسی

معرکۂ جنگ مین قتل ہوا ؟ کیا کسی دشمن نے اُسکو پوشیدہ طور سے مار ڈالا ؟ کیا کسی جنگلی درندہ نے اُسکو ہلاک کر دیا ؟ کیا وہ جنگل یا ریگستان مین بھوک پیاس سے مر گیا ؟ لیکن اگر اس قسم کے اسباب مین سے اُسکو کوئی سبب نہین ملتا تو وہ لوگ اسکی ہلاکت کو قبیلہ مخالف کی ساحری کا نتیجہ سمجھتے ہین۔

اسکے علاوہ اُس زمانہ مین موت کا متیقن ہونا بھی نہایت دشوار تھا۔ خود آج موجودہ زمانہ مین جبکہ گلی گلی مین طبیب و ڈاکٹر موجود ہین۔ اکثر ایسی مثالین پیش آجاتی ہین جہان کہ کسی شخص کی موت کے متعلق قطعی طور سے راے نہین دیجا سکتی۔ اس سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ اُس زمانہ مین جبکہ نہ کوئی طبی مسئلہ منضبط ہو چکا تھا نہ کوئی طبیب موجود تھا اور مرگ اتفاقیہ کے اسباب اس کثرت سے موجود تھے کسی شخص کو قطعی طور سے مردہ قرار دینے مین کیسی دشواری پیش آتی ہوگی۔ سکتہ۔ غشی وغیرہ ایسی متعدد حالتین ہین۔ جن مین آدمی بالکل مردہ معلوم ہوتا ہے اور بعض اوقات ہوشیار سے ہوشیار ڈاکٹر بھی دھوکا کھا جاتے ہین۔ ایسی حالتون مین ایک وحشی شخص کیا کرتا ہوگا ؟

اس موقع پر وہ اپنے تجربات سے مدد لیتا ہے۔ اُسکو نظر آتا ہے کہ خود اپنی زندگی مین بھی اُسکو اسی سے ملتی جلتی حالتون کا بیشمار مرتبہ تجربہ ہو چکا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ جسطرح مردہ کا جسم بے حس و حرکت ہوتا ہی اسی طرح سوتے وقت خود اسکا جسم بھی بے حس و حرکت ہوتا ہے۔ باانہمہ وہ خواب مین چلتا پھرتا کھاتا پیتا ہی۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جسم ظاہری کے علاوہ کوئی اور باطنی قوت ہے جس سے تمام افعال سرزد ہوتے ہین اور جسکو وہ روح سے تعبیر کرتا ہے۔ اسکے نزدیک غشی سکتہ اور سونے کی حالتون مین روح کی مفارقت جسم سے محض عارضی ہوتی ہے اور جس وقت مین وہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوجاتی ہے وہ موت ہے۔ وہ روح کو جسم سے ایک بالاتر قوت سمجھتا ہی اسلئے اُس سے ڈرتا ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ مردون کی روحین جسم سے نکلکر کسی مقام پر

زندہ رہتی ہین کیونکہ وہ خواب مین اکثر انکی صورتین دیکھتا ہے - وہ یہ بھی خواب مین دیکھتا ہو کہ مردے آتے ہین اور اسکو کسی بات کا حکم دیجاتے ہین - پس وہ بیدار ہوکر انکی تعمیل اپنا فرض جانتا ہو - وہ اُنکے خوش کرنے کی مختلف تدبیرین کرتا ہے - انکے نام پر قربانی کرتا ہو بھینٹ چڑہاتا ہے - منت مانتا ہو یا دوسرے الفاظ مین انکی پرستش کرنے لگتا ہے - رفتہ رفتہ اس عام ارواح پرستی مین بھی وہ مختلف مدارج قرار دیتا ہے - سردار قبیلہ کی روح اسکو تمام روحون سے ممتاز نظر آتی ہے اور تمام روحون کو وہ اس روح کے ماتحت قرار دیتا ہے - اس طرح سے انسان کا پہلا معبود روح ہے - تھوڑے عرصہ کے بعد وہ اپنے معبود کو ہر وقت اپنے پیش نظر رکھنے اور اظہار تعظیم و عقیدت کے لحاظ سے اسکی مجسم تصویرین بنا کر رکھتا ہے اور بت پرستی کا دور شروع ہوتا ہے - رفتہ رفتہ ارتقار عقلی کے ساتھ ارتقار مذہبی بھی ہوتا جاتا ہے اور وہ تیسرے دور مین یہ سمجھنے لگتا ہے کہ تمام معبودون سے بالاتر ایک اور ہستی ہے جسکی قوت و قدرت سے یہ نظام عالم قائم ہے اور یہان سے خدا پرستی کا دور شروع ہوتا ہے [ا]-

ایک مقام پر مولانا شبلی نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جس زمانہ سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے دنیا کے ہر حصہ مین خدا کا اعتقاد موجود تھا لیکن مولانا جبتک کہ اپنی تائید مین کسی خاص کتاب کا حوالہ نہ دین - ہم اس دعوے کو قبول نہین کرسکتے - ہم نے جہان تک قدیم اقوام کی تاریخ کا مطالعہ کیا - ہمکو اس امر کا کوئی ثبوت نہ مل سکا کہ خدا پرستی کا خیال بت پرستی کے خیال سے مقدم ہے [۲] - سرافسم

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز

[ا] ارتقار مذہب کا مضمون درحقیقت نہایت وسیع ہے - ہم نے اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت مختصر خلاصہ ہے - ہربرٹ اسپنسر ایڈورڈ ٹیلر اور گرانٹ ایلن کی تصانیف کا اسکے متعلق ایک مفصل و مبسوط مضمون آیندہ شائع ہوگا - [۲] بلکہ برعکس اسکے ہماری نظر سے جسقدر تاریخین گذرین ان سب مین قدیم اقوام کی

بقیہ حاشیہ گذشتہ - بُت پرستی کے حالات درج ہین یہ مسلم ہی کہ انگریزی کا زبانین اسوقت مسٹر گروٹ سے زیادہ کسی نے یونانی تاریخ کی تحقیق نہین کی لیکن ہمارے سامنے گروٹ صاحب کی تاریخ یونان کی ضخیم جلدین موجود ہین اور اسکی پہلی جلد مین وہ صفحہ اول سے لیکر صفحہ ۳۹۴ تک قدیم یونان کے دیوتاؤن اور معبودون کے نام و حالات درج کرتے ہین - قدیم مصریون کے مذہب کے متعلق حال کے دو محققین لکھتے ہین کہ وہ لوگ (یعنی قدیم مصری) بکری بھیڑ گائے مینڈک بلی کتا وغیرہ متعدد حیوانات کی پرستش کرتے تھے ایک اور مقام پر یہی مصنفین لکھتے ہین کہ اگر پرستش کرنے والون کے سامنے سیکڑون نہین تو بیسیون معبود ضرور رہتے (دیکھو مصر قدیم مصنفہ مسٹر زالنس وگلبن صفحہ ۲۰ و ۳۱) فونیشیا قدیم کے باشندے شمس پرست تھے (انسایکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۸ صفحہ ۸۰۲) اور قدیم بابل مین ارواح پرستی (یعنی یہ عقیدہ کہ ہر چیز ایک روح رکھتی ہے اور اُسکی قوت مافوق الانسان ہے) کا عام چرچا تھا - (انسایکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲ صفحہ ۱۹۲)

ایک افسوسناک غلطی

"تنقید الکلام"
کے ضمن مین

"الکلام" کی تنقید پر جو مضمون ماہ گذشتہ مین ہمارے قلم سے اسی رسالہ مین شایع ہوا ہے اسمین ایک مقام کی عبارت کا یہ مفہوم ہی کہ فرید وجدی نے توحید کے عام فطری ہونے پر میکسمولر کی کتاب اصل الدین وارتقارہ کی سند پیش کی ہے حالانکہ اس نام کی اسکی کوئی تصنیف نہین[1] -

لیکن یہ صریحی غلطی ہے - واقعی میکس مولر کی کتاب "آریجن اینڈ گروتھ آف رلیجن" موجود ہے اور متعدد بار شایع ہو چکی ہے - یہ کتاب مجموعہ ہے اُن لکچرون کا جو ۱۸۷۸ء مین میکسمولر نے ہبرٹ لکچرون کے سلسلہ مین دیئے تھے - ہمکو اس غلطی پر دلی افسوس ہے اور ہم نہایت ندامت کے ساتھ خود علامہ شبلی اور اُن کے واسطہ سے فرید وجدی سے معافی مانگتے ہین -

[1] الناظر ماہ مارچ صفحہ ۱۵ و ۱۶

لسان العاقل وراء قلبه وقلب الاحمق وراء لسانه

یہی چاہیئے بشر کو جو زبان اپنی کھولے کہ وہ سوچ لے سمجھ لے تو پھر اُسکے بعد بولے

جو سمجھ خدا نے دی ہے تو زبان کر اُسکے تابع وہی عقلمند ہے بس کہ سمجھ سے کام جو لے

ہے زبان گو دہن مین اسے دل سے ہی تعلق رہے یہ جو دل کے تابع تو یہ موتیونکو رولے

وہ ہے جاہل اور نادان جو زبان پہ آئے کہدے کہ ہے کور اُس سے بہتر کہ چلے نہ بے ٹٹولے

نہ کہے زبان سے اُف بھی جو نہ سود مند دیکھے رہے سوز غم مین جلتا جو ہون قلب مین پھپھولے

کرے غیر گر شماتت یہ ہے دوسری مصیبت یہ ہے کون عقلمندی کہ خود اپنا راز کھولے

جسے ہو نہ درد اصلا تو پھر اُس سے کچھ کہے کیون نہ کرے زبان سے شکوہ جو بھر آئے دل تو رولے

ہے زبان کی عقل رہبر تو زبان ہلا سمجھ کر کہ جو راستہ نہ جانے تو کسیکے ساتھ ہو لے

جو کلام دلنشین ہو تو نہ کر تو اسکو اخفا ملے تجھکو تخم مثمر تو خوشی سے اُسکو بولے

تری عقل ہے کسوٹی تری عقل ہی ترازو تجھے چاہیئے کہ کس لے تجھے چاہیئے کہ تولے

جو سخن کہ مثل گوہر ترے لب تک آئے یاور

اُسے رشتۂ بیان مین تجھے چاہیئے پرولے

جو سخن ہو مثل گوہر تو ہر ایک ہوگا خواہان یہ جواہر ایسے ہونگے کہ زمانہ ہوگا حیران

یہ وہ گوہر ثمین ہین کہ نہین نظیر جنکی یہ وہ لعل بے بہا ہین کہ ہین حاصل بدخشان

جو کلام پراثر ہو وہ ہے غیرت جواہر کہ مقابلہ مین اُسکے نہین اُن کا کوئی پرسان

وہ ہین چند سنگ ریزے تو جگر کے ہین یہ ٹکڑے نہین اُنمین ایسی خوبی جو ہے لطف انمین پنہان

وہ ہین کوہ کے جگر مین تو ہے قلب انکا مسکن وہ زمین کے نیچے پنہان تو یہ آسمان پہ رخشان

دُر و لعل کی یہ قیمت کہ فقط ہین بہر زینت یہ کلام مین ہے قدرت کہ بنے فقیر سلطان

جو کلام دلستان ہے وہ بہار بے خزان ہے یہ صفت کہان گلو نمین کہ وہ ہین خزانسے ترسان

ہے فنا کا رنگ اُنمین ہی بقا کا حسن انمین ۔ وہ ہین معرض تلف مین یہ ہزار سال یکسان

وہ ہین چند دنین فانی یہ بہار جاودانی ۔ نہ سموم کا ہے صدمہ نہ ہے آفت زمستان

ہے سپید کوئی غم مین کوئی زرد ہی الم مین ۔ کوئی سرخ طیش مین ہی کوئی خوف سی ہے لرزان

ہے ثبات اس سے ظاہر وہ زوال کا ہی مورد ۔ یہ بہار گلشن جان وہ ہی آب رنگ بستان

یہ زمانہ سلف کا ہی اک آئینہ جو دیکھو ۔ ہوے منکشف اسی سے وہ جو راز سب تھے پنہان

کوئی اسکا ہو مخالف یہ کہینگے ہم تو یا ورہ

ہے کلام مین ہر اک شے جو کھلی ہو چشم عرفان

مرآۃ الاذہان

ذہنی ترقی کے لیے بے کتاب سبق

مکالمہ (۳)

لفظ

اوستاد۔ لفظ کے مفردات کیا ہین ؟

سعید۔ حروف ۔

اوستاد۔ حروف کیا ہین ؟

سعید۔ ا ب ت ث وغیرہ ۔

اوستاد۔ کوئی لفظ زبان سے کہو اور اُسکے اجزا کو بتاؤ جسکو ہجے کرنا کہتے ہین ۔

سعید۔ مثلاً رشید ر زبر رَ ش ی زیر شی د موقوف رشید

اوستاد۔ ر ش ی د تو حرف ہین ۔ زبر زیر موقوف کیا ہے ۔

سعید۔ ان کو حرکتین کہتے ہین ۔

اوستاد۔ اور رشید کی شؔ پر کون سی حرکت ہے ۔

سعید۔ ساکن ہے۔

اوستاد۔ کیا بغیر حرکت اور سکون کے لفظ نہین بن سکتا تو تم انکو اجزا کیون نہین کہتے۔

سعید۔ تو یہ بھی اجزا ہین۔

اوستاد۔ سکون کسے کہتے ہین۔

سعید۔ جس حرف پر آواز گر پڑتی ہے اسکو ساکن کہتے ہین۔

اوستاد۔ پھر گر کے اُٹھتی بھی ہے۔ اور جب اُٹھتی ہے تو کیا ہوتا ہے۔

سعید۔ پھر حرکت (پھر کچھ سوچ کے) نہین وقف یا حرکت۔ مثلاً رشید مین ی ساکن ہے اسکے بعد دال موقوف۔

اوستاد۔ شاید تم حرکت اور سکون کے معنے نہین سمجھے۔ حرکت چال کو کہتے ہین اور سکون ٹھہراؤ کو۔ جب ایک مرتبہ کوئی چیز چلتے چلتے ٹھہر جائے تو اب یا تو وہ اسی طرح ٹھہری رہیگی یعنی ساکن رہیگی یا اُسکی یہ حالت بدلے گی تو پھر چلنے لگے گی۔ ایسی حالت نہین ہو سکتی کہ نہ چلتی ہو نہ ٹھہری ہو۔ رشید مین ی پر آواز گر پڑی تو اب ہو سکتا تھا کہ لفظ وہین ختم ہو جاتا۔ لیکن وہان ٹھہرتے ہی پھر چل پڑا اور چل کے پھر رک گیا لہذا وقف درحقیقت حرکت ہے اگرچہ زیر زبر پیش تین جانی ہوئی حرکتون سے کوئی نہ ہو۔

استاد۔ اچھا ایک سب سے چھوٹے لفظ کی مثال دو۔

سعید۔ کہ

اوستاد۔ اسکے ہجے کرو۔

سعید۔ کاف زیر کہ.

اوستاد۔ تو چھوٹے سے چھوٹا حرف ایک حرف اور ایک چھوٹی حرکت سے بنتا ہی۔

سعید - یہ چھوٹی یا بڑی حرکت کیا -

اوستاد - زبر زیر پیش چھوٹی حرکتین اور انکو بڑہانے سے بڑی حرکتین پیدا ہوتی ہین - مثلاً زبر کو بڑہاکے کا زیر کو بڑھاکے کے کی پیش کو بڑہاکے کو کو -

سعید - مگر یہ تو حرف ہوگئے الف - یے - واؤ -

اوستاد - ہا - یہی تو سمجھنے کی بات ہے یہ حرف بھی ہین اور حرکتین بھی ہین -

سعید - ہم تو انھین حرف ہی کہین گے -

اوستاد - تو پھر زبر زیر پیش کو بھی حرف کہو - حرف وہی ہین جنکے ملکے لفظ بنتا ہے - تو بغیران کے لفظ نہین بن سکتے - پس حرف دو طرح کے ہوے ایک وہ جنکے بغیر آواز پیدا نہین ہوسکتی انکو حروف مصوتہ (صوت - آواز) اور دوسرون کو حروف مصمتہ (صمم گونگا پن) کہتے ہین -

سعید - انکو گونگا کیون کہتے ہین - ؟

اوستاد - اسلئے کہ اپنی ذات سے گونگے ہین کیونکہ خود کوئی آواز نہین پیدا کرسکتے - جب تک کہ حرکت مقصورہ یا ممدودہ کے ساتھ نہ ملین -

(زبر زیر پیش حرکات مقصورہ ہین اُ اِ ئے وَ دُ حرکات ممدودہ ہین)

اگر نہین مانتے تو اُن حرفون سے کسیکو بغیر حرکت کے بول کے سناؤ -

سعید - نہین ممکن - یہ تو سب ہوے اور سکون کیا ہوا -

اوستاد - حرکت کے نہ ہونے کو سکون کہتے ہین - اور چونکہ آواز اُسی وقت پیدا ہوگی - جب ہم آلہ صوت (بدن کا وہ حصہ جس سے آواز پیدا ہوتی ہو زبان تالو گلا دانت ہونٹ) کو حرکت دین - اسلئے ابتدا بسکون محال ہو - اچھا تو چھوٹے سے چھوٹا لفظ ایک حرفی ہے مع حرکت مقصورہ - اور اُس سے بڑا ؟

سعید - وہ دو حرفی جیسے گل یا کا -

اوستاد - گل اور کا مین کیا فرق ہے؟

سعید - گل دو حرف مصمت اور ایک حرکت اور ایک سکون سے بنا ہے اور کا حرف مصمت حرکت اور حرف ساکن سے بنا ہے -

اوستاد - ان دونون کے بولنے مین برابر وقت صرف ہوتا ہی اور اس سے بڑا شاید تم نہ بتا سکو - ہمہ -

سعید - یہ سہ حرفی لفظ ہے -

اوستاد - دو حرفی آخر مین جو ہ ہے اُسکی آواز بولنے مین نہین نکلتی یعنی ہائے مختفی - تحریراً سہ حرفی اور تلفظاً دو حرفی - اور دو چھوٹی حرکتین ہ زیر م زبر - اس سے بڑا؟

سعید - اور اس سے بڑا لفظ سہ حرفی - جیسے باغ - چمن -

اوستاد - تم نے خوب مثالین دین پہلے مین حرف ساکن درمیان مین ہے اور دوسرے مین حرف ساکن آخر مین ہے - اچھا تو ان مین سے ہر ایک کو لفظ کہین گے یعنی معنی دار لفظ - اتنے بڑے لفظون کی مثال دو لیکن ٹھہر و چمن کو تم کے دفعہ کرکے بول سکتے ہو

سعید - چَ - مَنْ

اوستاد - کیونکہ حرف متحرک کے بعد اک ذرا ٹھہر سکتے ہین لیکن جس متحرک کے بعد ساکن ہو وہان نہین ٹھہر سکتے - وہ ٹکڑا لفظ کا جو بیک بار منھ سے نکلے مقطع کہلاتا ہی -

سعید - جی ہان جسکو انگریزی مین سلیبل کہتے ہین -

اُستاد - ہان وہی - اچھا لفظون کے مُنھ سے بولنے کو کیا کہتے ہین -

سعید - تلفظ -

اوستاد - اور لکھنے کو کیا کہتے ہین - مثلاً کوئی لڑکا خوبصورت حرف لکھتا ہی تو کیا کہین گے -

سعید۔ خط اچھا ہے۔ خوش خط ہے۔ کتابت اور تحریر بھی کہتے ہین۔
اوستاد۔ اچھا تو جو لفظین تلفظ یا کتابت مین یکسان ہوتی ہین۔ اُنکو متجانس کہتے ہین اور اس صفت کو تجنیس کہتے ہین۔
سعید۔ اگر لفظ ایک ہی ہو اور معنی مختلف ہون تو بھی تجنیس کہین گے؟
اوستاد۔ کہہ سکتے ہین۔ کیونکہ وہ گویا دو لفظین ہین۔ اسی لفظ کو مشترک کہتے ہین۔ اگر لفظ مشترک کے دونون معنی معلوم ہون تو جب ایک معنی یاد آئین گے تو دوسرے بھی یاد آجائین گے۔ کیونکہ ہر معنی کے ساتھ ایک ہی طرح کا لزوم ہے۔ ہان ایک معنی مشہور ہون تو پہلے وہی ذہن مین آئین گے۔ یاد رکھو۔
ذہن مین پہلے آنے کو تبادر کہتے ہین مثلاً۔ سمندر دریاے شور اور وہ کیڑا۔ جو آگ مین رہتا تھا۔ تو پہلے معنی مشہور ہین اسلئے وہی ذہن مین آئین گے۔ مگر دوسرے معنی بھی اُسکے بعد یاد آسکتے ہین۔ یا خطا قصور کو کہتے ہین اور ایک شہر کا نام بھی ہے۔ پہلے قصور کے معنی ذہن مین آئین گے پھر شہر۔
کبھی دو لفظین ملا کے ایک لفظ کے مثل ہوجاتی ہین۔ مثلاً پرم (پر میرا) پرم (اوڑدن مین) یا دو لفظون مین ایسی مشابہت ہو کہ حرف دونون کے ایک ہی ہون مگر حرکات مین فرق ہو۔ عَلَم۔ عِلْم۔ سِحْر۔ سَحَر۔ قُمْری۔ قَمَری۔ گَرد۔ گُرد۔ یا ایک حرف ایک لفظ مین زائد ہو جیسے حال محال۔ مال جمال۔ برق بیرق۔ سرد سردا۔ یا دو حرف زائد ہون۔ مار بیما۔ کار چیکار۔ زار بازار۔ نار گلنار۔ یا اس سے بھی زیادہ خوار خونخوار یا صرف ایک حرف مختلف ہو۔ بار باد۔ شراب شرار۔ کلس کلف۔ برف ظرف۔ چلن۔ چمن۔ یا قریب المخرج حرف ہون جلن جلبن۔ اچھا تو ان سب صورتون مین کیون ایک سے دوسرا یاد آئیگا۔
سعید۔ کیونکہ آوازین ایکسی ہین۔ قاعدہ تماثل۔ یعنے مثل مثل کو یاد دلا دیتا ہے۔

اوستاد - اور جب کتابت مین مشابہت ہو اگرچہ تلفظ یکسان نہ ہو - مثلاً

بوسہ توشہ نوشہ - مشکین مسکین - تاخت باخت کاخ کاج موج موچ

خواب جواب جوان خوان بوم یوم نوم...

سعید - اس صورت مین شکل کو یاد دلاتی ہے وہی قاعدہ تماثل -

مرزا محمد ہادی بی - اے -

اندھی دنیا

قابل افسوس ہو اس محفل کوران کا حال
چھین لے نور بصر ہر آنکھ سے گر کردگار

جتنے ہین انسان اور حیوان جب سو کر اٹھین — نور آنکھون مین نہ ہو ظلمت ہو ہر سو آشکار
پہلے تو اک شور برپا ہو زمین سے تا فلک — شور بھی وہ شور جس سے دل ہون شیرون کے فگار
چیخ اٹھین کور بچے اپنی مان کی گود مین — اور ہو ماؤن کو اپنے اندھے پن کا انتشار
پیاری پیاری شکل بچون کی نظر آئے نہ جب — ہاتھ سے آنکھو ٹٹولین روئین چیخین مار مار
آرزومندان حسرت کیش شیدائے ادا — رات کو جو شاہدان ناز سے ہون ہمکنار
گیسوئے مشکین کی نکہت نے سلایا ہو جنھین — عارض گلگون کے نظارے کی لوٹی ہو بہار
کور ہو کر جب وہ مست بادۂ عشرت اٹھین — ڈال کر باہین گلے مین یاس سے ہون اشکبار

گھر مین جب کحال کہنہ ہو کے نابینا اٹھے
اور کھولے اپنے دروازے کو ہو کر بیقرار

اندھے ہمسایہ ہزار دن گھیر لین آ کر اسے — اور کہین رو رو کے اس سے المدد اے غمگسار
وہ کہے مین بھی تمہاری طرح اندھا ہو گیا — خاک اب مجھکو سوجھائی دیگی کچھ تدبیر کار
خیر چلتا ہون دوا خانے کو تم سب بھی چلو — آزمودہ ہین دوائین آنکھ کی وان بے شمار

فوج کوران راستے مین ٹھوکرین کھاتی ہوئی تا دواخانہ پہونچ جاے بدر دو انتشار
پہلے تو الماریون کا کھولنا دشوار ہو پھر نہ کھُلنے پر اُنھین توڑین وہ ہوکر بیقرار
اب دوائین آنکھ کی پہچاننا ممکن نہ ہو ہر دوا کو آنکھ کی سمجھے دوا وہ ہوشیار
ہر دوا کو لیکے وہ ڈالے ہر اک کی آنکھ مین ہر دوا نقصان پہونچاے نہ ہو کچھ سودکار
الغرض ہو جاے جب عاجز تو وہ سر پیٹ کر یون کہے اندھی ہوئی دنیا بحکم کردگار

گھر سے گھبرا کر نکل آئین جوان و طفل و پیر
عورتین دامن سنبھالے ساتھ ہون بالحال زار

گھر سے جو نکلے پلٹ کر پھر نہ وہ گھر جا سکے راستے ہو جائین گھر کھو جاے آرام و قرار
ہیچ ہو جائین سبھی دیبا و کمخواب و حریر ہیچ ہو جائین سبھی الماس و لعلِ آبدار
نام یاقوت و زمرد کا کوئی ہرگز نہ لے اشک کے قطرے سے ہو بیقدر در شاہوار
اہل زینت بوجہ سمجھین زیور و ان کو پھینکدین ہاتھ مین کنگن گلے مین موتیون کا ہو نہ ہار
کون دیکھے عارض گلگون کی رنگینی کا لطف کون دیکھے سنبل زلف پریشان کی بہار
شعلۂ حسن بتان کی گرمیان جاتی رہین جلوۂ برق تبسم سے نہ ہو دل بے قرار
ہو کے اندھے جنگلون سے نکلین شیر و خرس و گرگ بحر سے نکلین مگر گھڑیال کچھوے سوسمار
کوہ سے اترین عقاب و باز و شاہین و تدرو باغ مین ہو جائین اندھے طوطی و کبک و ہزار
ایسے ہی صحرا مین تو بے چشم ہو مین گرگ و میش ایک ہی وادی مین اندھے ہون بہم طاوس و مار

ٹوٹ جاے حدِ حسن امتیاز و انتظام
ایک ہی حالت مین ہون سب دلق پوش و تاجدار

لوگ جیسے جا جمع ہون آواز جب ان کی سنین آکے ملجائین بہم اسپ و سگ و فیل و حمار
خوردنی اشیا بڑی سرعت سے ہو جائین تمام اور بوتے جوتنے کا بند ہو سب کاروبار
پھر تو جسکے ہاتھ لگ جاے مٹھائی کی دکان ہو سکے کسطرح اُسکی شادمانی کا شمار

وہ یہ سمجھے بادشاہی اُسکو گویا مل گئی	خوب حلوہ پیٹ بھر کر کھائی کھلی روز و شب
پاکے خوشبو سیکڑون بچے کے پہونچ جائین وہان	پھر نہ اُس دو کانپر ہو خوان یغما کا شمار
صاف کردیتی ہے ٹڈی جسطرح برگ شجر	حال اس دوکان کا ہو جائے وہی انجام کار
الغرض کھانے کی شئے کوئی نہ ہو جب دستیاب	جانور جو پانون کے نیچے پڑین کر لین شکار
بھوک سے مجبور ہو کر کھائین کچھ دن گوشت خام	جب نہ ہو وہ بھی میسر ہو چلین مردار خوار
آدمی کا گوشت آخر آدمی کھانے لگے	باپ بیٹے کو تو بھائی کو کرے بھائی شکار
بھوک کی جب آگ بھڑکے ماتا کو بھول جائین	مائین عاجز ہو کے کھائین اپنے طفل شیرخوار
آخرش نشو و نما سے باغ ہستی ختم ہو	جو بچین کھانے سے انسان خشک ہو کر ہون وہ خوار
مادر گیتی کے سب بچے عدم کو چل بسین	کوئی بھی رہ جائے اس گھر مین نہ باقی جاندار

گوش دلمین غیب سے ہر دم یہ آتی ہے صدا

سب فنا ہو جائین گے باقی رہیگا کردگار

نشہ غفلت سے ہی ہر آنکھ اندھی ہو رہی	نشہ غفلت کا ہی ہر کاسہ سر مین خمار
بے حیائی آنکھ مین ہو مرد ہون یا عورتین	آنکھ والے ہین مگر اندھون مین ہی ان کا شمار
شرم سے خالی ہین گو آنکھین بڑی ہین بیل کی	آنکھ کی زینت حیا ہی قدرتی دلکش سنگار

شرم کے سرمے کو آنکھون مین جگہ دے اے جگر

مصحف دل کی ہے تفسیر آنکھ اس سے ہوشیار

محمد افتخار علی جگر

زبان اُردو کی بیکسی اور بے وارثی

نمبر ۲

متقدمین نے (آپ ایسے شخص) اور (فلان ایسے شخص) کی جگہ پر کہین (آپ جیسے شخص) یا (فلان جیسے شخص) نہین لکھا ہے (ایسے) کا لفظ مقام صفت

مین بولتے تھے اور جیسے کا لفظ مقام مثال مین اب ایسے کا لفظ ایسے محل مین لکھا جاتا ہے
جو محل صفت ہوتا ہے نہ محل مثال اسیوجہ سے لفظ ایسے کا مخفف لفظ سا ہوا۔ اور
کہا جاتا ہے کہ اُسکا سا آدمی یا آپ سا آدمی۔ یہ سا کا لفظ بجاے ایسے لفظ کے بولا جاتا
ہے نہ کہ بجاے جیسے کے۔ اب اگر کسی محاورہ یا لفظ مین بمقتضاے ذہانت لوگ جدت
کرتے ہین۔ تو مناسبت معنے اور لفظ مختار لہ اور اُسکے محل سے کچھ واسطہ نہین رکھتے ہین
جیسے نئے خیالات والے۔ اوپر اسنے خیالات والے کی جگہ پر نئی روشنی والے۔ اور
پُرانی روشنی والے اسمین لفظ مختار اور مختار لہ مین کوئی مناسبت سمجھ مین نہین آتی کیونکہ
روشنی کا لفظ کسی طرح سے خیالات کے معنی مین خواہ وضع خواہ دستور خواہ طرز عمل جو
معنی مقصود ہون اُس سے مناسبت نہین رکھتا۔ یہ محاورہ اگر بمقابلہ مشعلچیون اور
مکان داران حال کے اختراع کیا جاتا تو مضائقہ نتھا اب لفظ وغیرہ کی ساتھ ایک
وغیرہ اور بڑھادیا گیا جو پہلے وغیرہ کے معنی باطل کردیتا ہے۔ کسی صاحب نے اُمنگ
کی جگہ پر لفظ اُپج کا اپنی زبان دانی کے دعوے پر اختراع کیا ہے جسکا پتہ کسی زبان
مین نہین ملتا کاشتکار دہقانی البتہ بولتے ہین۔ مین نے ایک اخبار کے سرنامہ پر جسکا
نام اصطلاح مین اہل اخبار نے سُرخی رکھا ہے یہ لفظ اُپج کا دیکھا۔ لکھا تھا (نئی اُپج)
پہلے تو یہ سمجھا کہ الف اور پے کو زبر ہے جسکو کسی عربی دان نے براہ تسخر باجی کا
صیغہ افعل التفضیل بنایا ہے۔ جسکے معنی بڑا باجی ہے۔ مگر جب اُسکے ساتھ لفظ
نئی کا شریک دیکھا تو بوجہ یاے تانیث تامل ہوا اور دیا ساً معنی اُپج کے امنگ لگائے
لیکن جہان تک خیال تحقیق دوڑایا اساتذہ متقدمین کے کلام مین اس لفظ کا پتہ
نہین چلا اور مہمل معلوم ہوا اس زمانہ کے غیر محققین نے عورت کو بجاے جناب کے
جنابہ لکھنا شروع کردیا۔ حالانکہ اسمین ایک بڑا پہلو ذم کا نکلتا ہے۔ جناب ایک اسم
جامد ہے اسمین تاے تانیث یا ہاے تانیث نہین لگائی جاسکتی۔ اسمین تا یا ہا لگانے

یہ لفظ مصدر ہو جاویگا اور مصدر ہو جانے پر اسکے معنی جنابت کے ہو جاوینگے۔
اور یہ لفظ اہل فقہ کی اصطلاح مین غسل کا مضاف الیہ بنا کر غسل جنابت یعنی غسل ختم
ایام زنان کو کہتے ہین ایسے الفاظ مین تذکیر و تانیث نہین ہوتی۔ ورنہ حضور بیگم صاحبہ
کی جگہ پر حضورہ لکھا جاتا (دیکھو لغت برہان قاطع) اسی طرح لفظ بی بی کو اس زمانہ
کے لوگ بیوی بولنا صحیح اور فصیح سمجھتے ہین۔ غرضکہ اب فصیح سمجھکر غلط الفاظ کا استعمال غیر
محقق لوگون مین بہت بڑھتا جاتا ہی۔ اور محاورات مین بھی اپنا محاورہ عمدہ و صحیح چھوڑ کر
بہ تتبع انگریزی اپنے محاورات روزمرہ اُردو کو خراب کرتے اور بھلاتے جاتے ہین۔
مثالاً بیان کرتا ہون کہ جیسے بعض لوگ بولتے یا لکھتے ہین (کہ کیا آپ اپنا گھوڑا مجھکو
دے سکتے ہین) اگر انصاف کیجئے تو یہ محاورہ ہمارے قدیم محاورہ سے فصیح اور بہتر اور
مودب اور مہذب نہین کیونکہ ہم کہین گے کہ اگر کوئی سبب مانع نہ ہو تو آپ اپنا گھوڑا مجھکو
عنایت کیجئے علاوہ اسکے یہ فقرہ کہ کیا آپ اپنا گھوڑا مجھکو دے سکتے ہین۔ گھوڑے کا
مانگنا نہین ہو سکتا بلکہ یہ بات پوچھنا ایک شے کو جانکر اُس سے لاعلم بننا ہے۔ کیونکہ یہ تو
ظاہر ہے کہ جب وہ گھوڑے کا مالک ہے گھوڑا دے سکتا ہے پھر پوچھنا کہ آپ کیا
اپنا گھوڑا مجھکو دیسکتے ہین ایک تجاہل عارفانہ ہے غرض کہ کچھ اپنا روزمرہ اور محاورات
بگاڑ کے اور کچھ انگریزی الفاظ و محاورات ملاکے زبان اردو کو تباہ کیا اور کر رہے ہین
اب تو یہ حالت ہے کہ نثر کا کیا ذکر نظم اُردو مین بھی انگریزی الفاظ و محاورات شریک
کئے جاتے ہین ایک دن مین پیسہ اخبار لاہور دیکھ رہا تھا اُسکے ایک صفحہ پر لکھا دیکھا
کہ تعزیت منظوم چونکہ طبیعت کو ایک مذاق شعر و سخن ہے اٹھا کر دیکھنے لگا سب نظم تو سمجھ گیا
مگر دو شعر کے الفاظ پوری طور پر نہ سمجھ سکا نہ پڑھ سکا مجبور ہو کر کاغذ پٹک کے بیٹھ رہا۔ تھوڑی
دیر کے بعد ایک انگریزی خوان دوست آئے تو اُن سے اُن دونون شعرون کا سبق
لیا۔ وہ دونو شعر یہ ہین ؎

وہ تھے اہل اسلام کے خاص لیڈر ادب اُن کا کرتی تھی ہر قوم یکسر
وہ تھے اولڈ فیشن مین مقبول یکسر رہے نیو فیشن مین جون شیر و شکر

اب یہان اگر لیڈر کی جگہ پر رہبر اور اولڈ فیشن کی جگہ پر اگلے لوگون مین اور نیو فیشن کے مقام پر نئی وضع والون مین ہوتا تو کیا مصرعہ موزون نہ ہوتا مگر کہیے کہ وہ اپنے زبان قدیم اردو کے الفاظ و محاورات ہی بھولے بیٹھے ہین لکھتے کیا۔ پھر ایسے روزمرہ اور الفاظ اور محاورات کو لوگ اردو زبان کیون کہتے ہین۔ زبان مخلوط کیون نہین کہتے۔ زبان اردو صحیح وہی ہے جو عربی۔ فارسی۔ ہندی۔ انھین تین زبانون سے مرکب ہوا اور ترکیب دیگئی ہو۔ زباندانان متقدمین دہلوی یا لکھنوی کی زبان ہو ان دونون شہرون کے متقدمین کی زبان ہمارے لئے ذریعہ استناد ہوسکتی ہے اسکی تقلید مین ہمکو اختیار رہے چاہے جہان کی زبان اختیار کرین یہ منحصر ہر شخص کے ارادہ اور پسند اور خیال پر ہے۔ ہمارے نزدیک ان دونون مین ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا اور اسکے لئے مباحثہ کرنا محض جہالت ہو دونون مقامون کی زبان کاملین اور اور اساتذہ مستند کی اختراع کی ہوئی ہے۔ اور انھین الفاظ اور محاورات عربی فارسی ہندی سے مرکب ہے چوتھی زبان کو دخل نہین اور یہ دونون زبانین ہندوستان مین ایسی شایع ہوئین کہ جنکی بدولت دہقانی بھی اس ملک کے اپنی زبان مین عربی و فارسی کے الفاظ ہندی کے ساتھ اجتک استعمال کرتے ہین۔ مین مثلاً اُس کی روزمرہ بول چال اور محاورات مین سیکڑون الفاظ عربی اور فارسی کی نشاندھی کرسکتا ہون اور اُن کے لب و لہجہ مین بول کر بتا سکتا ہون۔

القصہ اردو زبان کی ایسی خرابیان خاص و عام مین بہت کچھ بڑھتی جاتی ہین اور کسی کے روکے رک نہین سکتین۔ اب زبان اردو کا فاتحہ پڑھ دینا چاہیئے اور زبان حال کو زبان مخلوط اپنے روزمرہ مین بولنا مناسب ہے۔ زبان سب کسی کو

زبان اُردو کو زبان آبائی و ملکی جان کر اسکے زوال اور ناقدردانی کا درد و قلق ہو اُسکو مناسب ہے کہ بجز زبان فارسی و عربی و ہندی وقت تقریر اور دو اپنے کام و زبان پر حتی المقدور کسی اور زبان کا لفظ آئندہ سے نہ آنے دے - البتہ اُس لفظ کے بولنے کا مضائقہ نہین جسکا ہم معنی لفظ زبان اُردو مین نہ ہو - مثل اسم و علم کے اور اگر ایسا لفظ تحریر مین لانا پڑے تو کنا یتًا یا صراحتًا جس طرح سے ممکن ہو بعبارت قابل فہم اردو دانان اسکی شرح کر دیا کرین یعنی اسبارہ مین اس سے زیادہ خرابیان لکھ سکتا ہون مگر میری یہ تحریر ایک ضخیم کتاب ہوئی جاتی ہے - البتہ اپنے اس سلسلہ بیان مین بلا لحاظ طوالت اسکو بھی عرض کر دینا مناسب جانتا ہون جو تفرقہ شعرا سے قدیم و شعراے حال مین ہوتا جاتا ہے - شعراے حال نے اپنی زبان اور محاورات اور ترکیب شعر مین محض اپنی ذہانت اور جودت اور فکر عالی سے کام لینا شروع کیا ہے - اختراع محاورات و ترکیب شعر مین کسی مسائل علمی متعلقہ نظم و کلام سے بحث نہین رکھی ہے - صحت و اختراع کے لئے کوئی دلیل یا حجت مسائل علمی سے پیدا اور تلاش کرنا چھوڑ دیا اور اُنکے اس اختراع اور جدت کے حسن و قبح کی تمیز کرنے والے بھی کمیاب ہوگئے ہین - اب جن صاحب کو زبان اردوے معلی کا استاد مسلم اور صحیح بننا منظور ہو وہ سمجھ لین کہ ہمکو اپنی فکر اور جودت اور ذہانت سے فقط مضمون آفرینی کا کام لینا چاہیئے - اختراع اور اصلاح اور ترکیب بندش اور محاورات مین اپنی طرف سے جدت نہ کرنا چاہیئے - کیونکہ ہمکو ن مین وہ مادہ علمی نہین جو اس کام مین صرف کیا جاتا تھا - اور نہ وہ لوگ ہین جو ایسی قابلیت کے شناسا یا قاعدہ دان سمجھے - اور محاورات زبان اُردو کو اور قواعد نظم کو محدود انھین متقدمین شعرا کی زبان تک سمجھین بلکہ زبان حال شعراء دہلی و لکھنؤ سے بھی استناد اپنے قول کا نہ کرین وہ مادہ آراستگی زبان و محاورات اردو اُن کے پاس بھی نہین رہا اور بجز جودت و ذہانت سے کام لینے کے قواعد و اصول علمی سے اختراع کلام

کی تلاش انکو بھی نہین رہی اور نہ اُن کے کلام کے ناظرین و سامعین عام طور پر اُس
لیاقت کے رہے جو حسن و قبح شعر کا حسب مسائل علوم فصاحت و بلاغت مثل
متقدمین ادراک کر سکین زبان حال مین ایسے سامعین و ناظرین لایق فیصدی
دس بھی ملنا غیر ممکن ہین۔ مین وہ تفاوت جو شعرا قدیم اور حال کے کلام مین ہوتا
جاتا ہے۔ اس مضمون مین مثالاً بذریعہ اشعار عرض کرتا مگر اسکو کوئی صاحب بجز کلام
معترضانہ و حریفانہ خیرخواہانہ تصور نہ کرتے۔ اور آمادہ بحث و مباحثہ ہو جاتے میرا مدعا
محض اُنکا متوجہ کرنا جانب صحت محاورات و ترکیب شعر بدستور اساتذۂ قدیم ہے
تاکہ زبان و کلام اردو بیراستہ اساتذہ گذشتہ اپنے محاورات اور ترکیب وغیرہ
مین ان لوگون کو اپنا مسیحا سمجھے اور وہ لوگ اپنے حسن کلامی مین اساتذہ مستند گذشتہ
کا جواب ہو جائین اور مین اُنکی ترقی ہنر اور قابلیت کا تہ دل سے خواہان ہون اور
جو کچھ لکھ گیا اور اب لکھون گا برب کعبہ بطور پند و موعظت لکھونگا نہ کہ بادعاے جرح و
قدح جسکا مجھ مین مادہ و صلاحیت نہین۔ مین نے بقدر اپنے علم و ادراک کے جہانتک
تجربہ کیا۔ تو شعرا حال بعض استعارات و تشبیہات و محاورات وغیرہ مین ایسی
جدّت کر جاتے ہین کہ وہ جدت محض بتائید ذہن وجودت معلوم ہوتی ہے۔ نہ کہ
بقواعد علمی و بہ استناد۔ اور اپنے کلام مین ابہام اور محذوفات اور محاورات طبعزاد
غیر مستند وغیرہ ولیل کو اکثر دخل دے رکھا ہے۔ استعارات مین تو طریق اقسام
استعارہ پر کم نظر کرتے ہین اور نہین دیکھتے ہین کہ یہ استعارہ ہمارا بالتصریح ہے یا
بالکنایہ اصلیہ ہے یا بتعبیہ مطلقہ ہے یا مجردہ یا مرشحہ میرے نزدیک وقت استعارہ
مستعارہ مستعار لہ مین تاویلاً یا ضمناً یا صراحتاً کوئی نسبت ہو تو اُسے حسب قواعد
علمی ضرور خیال کر لینا چاہیئے بے سمجھے بوجھے ہر شے سے استعارہ نہ کر لینا چاہیے
جیسے کوئی کہے سنہ قلزم یا چمن رعد یا شام برق تو اُسکو مناسب ہے کہ پہلے

اپنے استعارہ کی وہ نسبت سمجھ لے اور تشبیہات مین بھی قواعد و طریق تشبیہ کے تحقیق پر اونکی ذہانت اُنکو متوجہ نہین ہونے دیتی۔ اداے مضمون شعراونکا بیشتر بہ ابہام وکنایہ ہوتا ہے اور فہم اسکا ذہن قیاس سامع پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ مضمون شعر کو ایسے الفاظ واضح سے ادا کرنا چاہیئے کہ شعر اپنے غرض مطلب مین محتاج ذہن و قیاس سامع کا نہ رہے علی الخصوص غزلیات مین۔ ایک دن میرے ایک دوست نے ایک شعر کسی اوستاد کا پڑھا۔ جسکے نام و تخلص سے وہ خود بھی ناواقف تھے اور اسکی داد مجھسے چاہی۔ مین نے اچھا ہے کہکر سکوت کیا اور میرے سکوت سے وہ مصر ہوے کہ اُسکے حسن و قبح سے اُنکو خبر کرون اور مجبور کیا وہ شعر یہ ہے سے

پاؤن پھیلاے ہین دامان کی طرح ہاتھ کھینچا ہے گریبان کی طرح

اونکے حسب تقاضا و اصرار مین نے کہا اول تو اس شعر مین ابہام ایسا ہے کہ بجز قیاس سامع کے مضمون شعر نہین بتایا جا سکتا کہ متکلم اپنا حال کہہ رہا ہے یا کسی غیر کا دوسرے مشبہ اور مشبہ بہ مین جو وجہ شبہ رکھی ہے وہ قابل غور و تامل ہے کیونکہ دامان کا پھیلانا اور گریبان کا کھینچا ان دونون کا یہ فعل اختیاری و ارادی نہین اور اپنے وجود مین محتاج غیر ہے یہ تشبیہ بغیر اسکے کہ دامن سائل کی طرح کہا جاے اور گریبان اہل جنون کی طرح کیا جاسے۔ میرے خیال مین تشبیہ صادق اور پوری نہین ہو سکتی۔ بلکہ اس اپنی ترکیب پر بھی مجھکو تسلی نہین اس قسم کے ابہامات فی زماننا اشعار اساتذہ حال مین زیادہ پاے جاتے ہین گو متقدمین کے کلام مین بھی شاذ و نادر ابہام ملیگا مگر وہ ابہام کسیقدر توضیح مضمون کے ساتھ ہوگا نہ ایسا کہ قیاس سامع کو بجز اپنی جانب دوسری طرف جانے ہی نہ دے بعض الفاظ و محاورات کی یہ حالت ہے کہ اکثر الفاظ و محاورات وہ مستعمل ہوتے ہین کہ متقدمین کے کلام مین جنکا ملنا دقت سے خالی نہین۔ مین مثالاً ایک ہی دو محاورون کو لکھتا ہون جیسے۔ آے دن۔ یا پسلی کا

بھڑکنا - یا تمہاری جان سے دور آ گئے یہ محاورات مستورات مین مستعمل تھے رجال مین نہ تھے - داغ نے اپنے ایک شعر مین جان سے دور باندھا تھا - اسپر اکثر زبان قدیم معترض ہوے تھے شعراء متقدمین کے نزدیک جیسی شاعری مشکل تھی ویسی ہی اب متاخرین کے نزدیک آسان ہو گئی - اس زمانہ مین بڑے بڑے کامل و قابل لوگ علانیہ ٹوک دیئے جاتے تھے - جناب دبیر الدولہ منشی مظفر علی اسیر مرحوم نے ایک شعر اپنا مشاعرہ مین پڑھا ؎

اعضا جو بدن کے ٹوٹتے ہین گویا کہ طپنچے چھوٹتے ہین

پوچھا گیا کہ آپ کا یہ شعر کس مذاق مین ہے آثار و اسباب و علامات عشق مین تو یہ صفت داخل نہین - موعظت و دیگر واقعات دنیاوی سے اسکو کوئی تعلق نہین - آیا اس شعر کا موضوع لہ کون اور کیا سمجھا جائے یہ شعر تو اطبا کے سامنے پڑھنے کے قابل ہے شعرا کے سنانے کی کوئی حاجت نہین - اور انجام کو بجز سکوت کچھ چارہ نہین ہوا - خواجہ وزیر مرحوم نے اپنے شعر مین جو پورا مجھکو یاد نہین یہ مصرعہ پڑھا ع

چھپ رہون گا گل قالین مین ابھی بو ہو کر

لوگون نے اُنسے کہا کہ بو کا کام منتشر ہونا ہے چھپنا نہین ہے وہ ساکت ہو گئے -
پس شاعران حال کو چاہیئے کہ اپنے کلام کو جدت بے اصول سے اور ابہام اور محذوفات اور استعارات اور تشبیہات بے دلیل سے اور اُن الفاظ سے کہ جو بغیر اضافت اپنا مافی الضمیر ادا نہ کر سکین اور محاورات غیر مانوس السماعت سے بچائے رکھین اور کلام سے اُن متقدمین کے جنھون نے بعد سودا و مصحفی وغیرہ آراستگی زبان اردو مین کوشش بلیغ کی ہے مثل ذوق و غالب و مومن و آتش و ناسخ و اسیر و وزیر و صبا و رند و خلیل وغیرہ اپنے کلام کے استناد کے متلاشی رہین کیونکہ زبان اردوے سلیس کو انھین لوگون کے عہد تک محدود سمجھنا چاہیئے اور ادائے

مضامین مین توضیح کو برابر ملحوظ رکھین - جو الفاظ اپنے مفہوم مین محتاج اضافت ہون انکو نا تمام نہ چھوڑین جیسے لفظ بزم عزا کو بغیر اضافت لکھدیتے ہین - یہ نہین خیال رکھتے کہ متقدمین نے لفظ بزم عزا کو جو بغیر اضافت ہوتی تھی اپنے روزمرہ مین خاص کر لیا تھا بزم محرم کے لئے - پھر ہم بغیر اضافت اپنے متعلق یا غیر کے متعلق اسکا استعمال کیون جائز رکھین - ہم تو انکے مقلد ہین خود مجتہد نہین میرے نزدیک فی زمانا جن صاحب کو آرزوے حصول لیاقت ادستادی ہو وہ اس استغنا اور بے توجہی کے ساتھ اپنی فکر رسا کو ضایع نکرین بیشک شاعران حال کی طباعی و فکر و ذہانت اپنے کمال مین متقدمین شعرا سے کہین بڑھی ہے اور قابل تحسین ہے - مگر افسوس کی بات ہے کہ وہ تحقیق اور اصول آراستگی زبان و توضیح ادائے مضامین مین پابند قواعد و مسائل علوم بیشتر نہین تنہا علم عروض کو اپنا ہادی سمجھتے ہین اور اپنے امکانی فعل کو غیر ممکن کر رکھا ہے ورنہ یہ لوگ متقدمین شعرا پر کہین زیادہ افضلیت حاصل کر سکتے ہین - انکو تنہا اپنی جودت اور ذہانت سے کام جدت کا نہ لینا چاہیئے - کسی قدر پابندی قواعد و مسایل علوم متعلقہ فن ہنا بھی ضرور ہے - اور محاورات غیر مستند و غیر مروجہ سے احتیاط رکھین اور شعرا متقدمین کے کلام سے استناد کو باعث اپنی صحت لیاقت و کمال ادستادگی کا جانین - والسلام بالاکرام -

احسان علی - فصیح

غزلیات

کاکل است این یا بنفشہ یا شب یلدا است این	یا سہی سرو چمن یا قامت بالا است این
کاکل است این یا بنفشہ یا مار ماست این	یا سواد روے دشمن یا شب یلدا است این
پارۂ از سنگ خارہ یا دل سنگین یار	یا دل پر درد دردم یا خم صہبا ست این
برگ سوسن یا زبان یار یا نوک سنان	یا نہال گلفشان یا ماہی دریا ست این

دستۂ گل یا شکم یا وصل یا قوت جنان
لوح سیم خام یا آئینۂ دلہاست این

شاخ مرجان ست یا شاخ نہال طور حسن
ساعد دلدار یا نو بادۂ جانہاست این

بائے مطلوب دلم یا تکیۂ قوت جان من
یای معکوس مے عروش یا مگو لہاست این

جلوۂ رخسار پر نور تو یا لمعات برق
بیقراری دلم یا چشمک اعداست این

چہرہ ات یا آئینہ یا آفتاب روز عید
ساغر صہبائے جنت یا گل رعناست این

چاہ بابل یا دو چشمت یا دو مہر مہ ہا
یا بیاض سامری یا آہوئے صحراست این

موج بحر آرزو یا زلف تو یا مشک چین
یا دو سلک نافہ یا زنجیر پائے ماست این

خط آزادی عشاق است یا دام فریب
سبزہ نو خیز یا طوطی شکر خاست این

ناف او یا چاہ نخشب یا چہ کنعان علی
چشمۂ خورشید یا گرداب دریاہاست این

از کلیات میر انتظام علی علی گڑھم

عجب بے درد کے پالے پڑا دل
ہزاروں افسوس صد حسرت مرا دل

خبر ہی کچھ نہیں کیا اسکو گزری
تری زلفوں میں جب جا پھنسا دل

تری ترچھی نظر نے تیر مارا
تری ترچھی نگہ نے لے لیا دل

کہاں تو پھر کہاں یہ صحبت گل
خوشی کس شے کی … کرے گا دل

ہے نالہ بے اثر پہلو میں میرے
اور آہ نارسا اور بیوفا دل

جو منظور نظر اُس کا ہی دل
الٰہی دے مجھے یا دوسرا دل

چلا اب اٹھ کے … گزر کر
ترے کوچہ میں آخر لگ گیا دل

قیامت میں شفیع المذنبین ہو
مرا … کرتا ہے دعا دل

بلا سے دوست دشمن ہو گئے سب
بھلا کیوں پھر گیا مجھ سے مرا دل

نتیجہ مری آہوں کا ہے یہ فہمی
لئے پھرتے ہیں وہ وحشت زدہ دل

دیانت حسین صدیقی فہمی

کہاں طاقت مجھے حمد و ثنا کی
توانائی کہاں شکر خدا کی

وفا کا ذکر کیا ہمکو تو اُن سے
نہیں امید اب جور و جفا کی

نگاہ و قہر ہے تیری غرض کیا
مریض عشق کی کیا ہی دوا کی

قیامت ہو گئی مجھکو شب ہجر
کسے تشویش اب روز جزا کی

پھر پھر تیغ گردن پر پلٹ جائے
شکایت کیا ہو بخت نارسا کی

جنازہ دیکھکر میرا کہا حیف
رہی دل ہی میں سب حسرت جفا کی

بتوں سے ہائے میرا دل نہ پھرا
خدا سے ہے توقع اکثر التجا کی

نگاہ ناز ہی نے مار ڈالا
نہ حسرت نکلی مشتاق ادا کی

نہیں جب یار پہلو میں تو کیا مال
نسیم صبح گلشن کو ہوا کی

ہمارا ہی جگر کچھ تھا یہ فہمی
کری اُس نے جفا ہم نے وفا کی

دیانت حسین صدیقی فہمی

آل انڈیا محمڈن لیڈیز کانفرنس

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

رفتار زمانہ کبھی یکسان نہین رہتی اسکی روانی بہتے ہوے پانی سے تیز اور ہمیشہ رخ بدلتی رہنے والی ہے۔ زمانے کی یہ حالت ہے کہ کبھی کچھ ہے کبھی کچھ۔ یہ سمجھنا کہ ہمیشہ ایک ہی سی گذریگی سخت نادانی ہے۔ اسکے تبدل و تغیر کے لئے کوئی وقت مقرر نہین اور نہ کوئی انتہا۔ کہ اس درجہ پر پہونچکر اُس حالت مین ٹھیر یگا اس کے زبردست ہاتھ کسی چیز کو یکسان حالت مین نہین رہنے دیتے۔ خوش قسمت ہین وہ لوگ جو اسکے ساتھ ساتھ چلتے ہین اور جو ہماری طرح لکیر کے فقیر بنے رہتے ہین وہ کبھی ترقی نہین کر سکتے۔ کیونکہ

ممکن نہین کہ اب ہے جو صورت یہی رہے
ویسا کبھی رہا ہے نہ ایسا کبھی رہے

تبدیلی زمانہ کا اثر کسی ایک چیز پر نہین پڑتا۔ بلکہ کل اسباب عالم اس سے متاثر اور تغیر پذیر ہوتے رہتے ہین۔ جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ زمانہ شناس اقوام میدان ترقی مین سب سے آگے ہین۔ اور چونکہ ہماری قوم قدامت پرست ہے زینہ ترقی سے کوسون دور ہی اور اسی خواب غفلت مین مدتون سرشار رہتی۔ مگر اُس زبردست قوت یعنی زمانہ کی ہوا کے اثر سے اس مدہوش قوم مین بھی بیداری کے آثار پیدا ہو گئے۔ جس سے امید پڑتی ہے کہ شاید یہ مردہ قوم کبھی زندہ ہو جاے۔

خدا غریق رحمت کرے رہنمار قوم سر سید مرحوم نے سب سے پہلے ضروریات زمانہ کو محسوس کیا۔ اور قومی کالج کھولا۔ اور نہ صرف کالج ہی کھولا بلکہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قایم کی۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج مسلمانان ہندوستان مین بیسقدر تعلیم یافتہ اور زمانہ شناس حضرات نظر آتے ہین جنکو ضروریات زمانہ کا احساس ہے۔ اور انھین کی مہربانی اور ہمدردی سے

تعلیم نسوان کی ضرورت مان لی گئی ہے۔ جس کا انتظام بھی ہوگیا ہے۔ اور کیا جارہا ہے بفضل خدا اسوقت بھی ہزارون مسلمان مستورات ہند حرف شناس ہین اور سیکڑون تعلیم یافتہ بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہین جو تعلیم نسوان کا احساس رکھتی ہین۔ اور اپنے فرقہ کی بیداری کی کوششون مین مصروف ہین۔ یہ وقت ہے کہ اگر انھین شرعی قیود کے اندر انکی بہتری و بہبودی (جو نہ صرف انکی بلکہ تمام قوم کی بہتری ہے) کے وسائل سوچنے اور اُن پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے۔ تو یہی کونے کی بیٹھنے والیان (جنکو عضو معطل سمجھ لیا گیا ہے) بہت کچھ کر دکھائین۔

جابجا زنانہ اسکول بھی کھل گئے ہین۔ اور زنانہ پرچے بھی جاری ہین۔ لیکن جسکی سب سے زیادہ ضرورت ہے اُس کا ابھی خیال بھی نہین۔ یہ تو ظاہر ہے کہ تبادلۂ خیالات سے انسان جسقدر لیاقت حاصل کر سکتا ہے اُسقدر تعلیم سے بھی نہین۔ کیونکہ زمانہ کی ترقی کا یہی ایک گُر ہے۔

جب سے محمڈن کانفرنس قائم ہوئی۔ تب ہی سے مسلمانان ہندوستان کی آنکھین کھلین اور اُنھون نے اسباب ترقی کو سوچا اور سمجھا۔ لیکن افسوس اسوقت تک مسلمان مستورات کے میل جول کا کوئی ذریعہ نہین۔ آج سے پانچ سال قبل خاکسار نے قومی اخبارات مین لیڈران قوم سے اس اشد ضرورت کے پورا کرنے کی استدعا کی تھی۔ جسکی بہت کچھ مخالفت ہوئی بہت سی نے دیکھے بعد کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ گو ہمارے دانا شناس ہمدرد نسوان شیخ محمد عبداللہ صاحب سکریٹری تعلیم نسوان سیکشن ہماری خواہش پوری کرنے کو دل سے تیار تھے۔ اور ہین۔ لیکن مخالفین تعلیم نسوان نے ہماری چلتی ہوئی گاڑی مین روڑے اٹکا دیئے کہ ہماری دلکی دل ہی مین رہی۔

الناظر کے مارچ نمبر مین خیرخواہ نسوان جناب سید امین الحسن صاحب نے اس اشد ضرورت کو محسوس کرکے اپنے خیال کا اظہار کیا ہے۔ اُن کا مضمون دیکھکر مجھے

جسقدر خوشی ہوئی ہے اسکا اظہار نہین کر سکتی - آپ نے اس ضروری امر کو دوبارہ معرض بحث مین لا ڈالا ہے - خدا اس کا نتیجہ نیک کرے - مگر مین اپنی بدقسمتی سے یہ امید نہین کہ اسدفعہ بھی اسکا نتیجہ خاطر خواہ نکلے - گو کچھ بھی مشکل نہین کیونکہ محمڈن کانفرنس کے ساتھ زنانہ صنعت و حرفت کی نمایش ہر سال ہوتی ہے - اور جس شہر مین نمایش متعلقہ کانفرنس ہوتی ہے اس شہر کی پردہ دار بیگات عموماً شریک نمایش ہوتی ہین - ہان دوسرے مقامات سے نہین آسکتین کیونکہ اس کا کچھ انتظام نہین - کیا یہ بات سخت قابل افسوس نہین کہ جنکی دستکاری کی نمایش ہو - وہ خود دیکھ بھی نہ سکین میرے خیال مین جس غرض سے زنانہ صنعت کی نمایش کی جاتی ہے وہ مطلب ہی مفقود ہو جاتا ہے - زنانہ دستکاری مردون نے دیکھ لی تعریف کر دی سارٹیفکٹ اور تمغے دیدیے - اس سے کیا فائدہ ہوا ؟ اتنا بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کس کس بہن نے اپنی اعلیٰ ہنرمندی کا انعام پایا اور جس چیز پر انعام ملا وہ کیسے بنائی گئی تھی - اور یہ خبر بھی کہ فلان بہن کو تمغہ ملا " چند ہی بہنون کو معلوم ہوتی ہے - جو رسالہ " خاتون " کی خریدار ہین یا " ٹائمز آف انڈیا " پڑھنے کے قابل ہین - دوسرون کو یہ بھی نہین چاہیے کہ اس موقع پر پردہ دار بیگات خود موجود ہون اور دیکھین کہ ملک کے کس حصے سے کس کس لیڈی کی بنائی ہوئی کیا کیا چیزین آئین - جن کے لئے انعام تجویز ہوئے تاکہ اُن کی ہنرمندی مین ترقی ہو - بس وہی ہمارا زنانہ کانفرنس ہو جاے - سال کے سال بزرگان قوم کے زیر سایہ پردہ دار بیگات نمایش دیکھنے کی غرض سے جمع ہوا کرین - اور وہین اپنی ترقی کے وسائل ملکر سوچا کرین - اور پھر عمل کرین -

خدا کے فضل سے اسوقت بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ و عالی رتبہ کارکن بہت سی بیگات ایسی موجود ہین جو اپنی کانفرنس کی سکرٹیری اور پریسیڈنٹ کے فرائض کو بطریق احسن انجام دے سکین - یہ تو ناممکن ہے کہ شروع ہی مین تمام مسلمان بیگات ہند

کانفرنس مین شریک ہو جائین ہر ایک کام کی ابتدا نہایت چھوٹے پیمانے پر ہوتی ہے۔
اور رفتہ رفتہ ترقی حاصل ہوتی ہے۔ اگر مخالفین تعلیم نسوان کے اعتراضات کی پروا
نہ کرکے زنانہ کانفرنس کی بنیاد ڈالدی جائے اور شیخ محمد عبد اللہ صاحب سینہ سپر ہوکر
نمایش کے وقت زنانہ کانفرنس کا انتظام کردین تو مین بلا تامل کہہ سکتی ہون کہ اس
کمزور فرقے کے ناتوان ہاتھ اپنی کانفرنس کا کام نہایت آسانی سے انجام دے سکین گے
ہم شیخ صاحب کے تعلیم نسوان فنڈ سے کانفرنس کے اخراجات کے لئے ایک پیسہ
لینا نہین چاہتے۔ صرف کانفرنس کا انعقاد ہونا چاہیئے۔ پھر کانفرنس فنڈ کھولکر روپیہ
جمع کردینا ہمارا ذمہ۔

مین امید کرتی ہون کہ میری معزز و بیدار مغز بہن زہرا خانم صاحبہ (بمبئی)
ضرور اس باب مین اپنے خیالات کا اظہار کرینگی۔ خدا کرے ہمارے سچے ہمدرد
سید امین الحسن صاحب کے سے چار پانچ اصحاب اور بھی انھین خیالات کے ہوجائین
تو کچھ امید ہو۔

بنت نذر الباقر۔ کوہاٹ

لیڈیز کانفرنس

لوگ سچ کہتے ہین کہ خلقت بھیڑیا دھسان ہوتی ہے۔ جس راستہ پر کسی نامی
گرامی آدمی کو چلتے دیکھا اور لوگ بھی۔ سکی دیکھا دیکھی وہی راستہ چلنے لگے۔ پھر لاکھ سمجھاؤ
بجھاؤ نہ کبھی سنین گے اور نہ کسی کا کہنا مانین گے۔ اور ستم یہ ہے کہ سمجھتے مین اپنے اپ کو بڑا
آزاد۔ بھلا کوئی اُن سے پوچھے تو کہ آزادی کے معنی کیا ہین۔ کیا آزادی کا یہی مطلب
ہے کہ ہم ایک طرف تو پرانی رسمون اور پرانی طرز زندگی کو چھوڑتے جائین اور دوسری طرف
نئی قسم کی رسمون اور نئی طرح کی زندگی کی سخت جکڑ بند مین پھنستے جائین۔ نئی روشنی والے
اپنے بزرگون کے متعلق ہمیشہ کہا کرتے ہین کہ یہ لوگ تو محض وضعداری پر جان دیتے ہین

لیکن اگر غور سے دریافت کرو اور انصاف سے کام لو تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی طرحداری پر کون مرتا ہے۔ اگلے زمانہ کے لوگ اپنی روش کے پابند تھے تو اسوجہ سے کہ ساری عمر اسی راستہ پر چلتے رہے تھے اور اسی طرح کی آب و ہوا مین اُن کا خمیر بنا تھا لیکن آجکل کے لوگ جو اپنی آبائی روش کو چھوڑکر بات بات مین انگریزون کی نقل کرتے ہین اور اُنھین کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے ہین تو کوئی اُن سے پوچھے کہ بھلا کوا ہنس کی چال چلا اپنی بھی بھولا نہ کہا جائے تو کیا کیا جائے۔ اور ستم ظریفی یہ کہ اُن کی وضعداری تو تقلید کی بندش مین جکڑی جائے اور ان کی طرحداریان آزادی کے نام سے شہرت حاصل کرین۔

بات اصل یہ ہے کہ سوچ سمجھکر کام کرنے والے بہت کم ہوتے ہین۔ دوسرون کی نقل کرنا اور دوسرون کے نقش قدم پر چلنا آسان ہے اس راستہ پر ہر چھوٹا بڑا ہو لیتا ہے اور کہین نہ کہین جا پہونچتا ہے۔ اگلے لوگ اگر اپنے لئے پرانی وضع اور روش کو صراط مستقیم جانتے ہین تو نوخیز اور نوعمر تعلیم یافتہ حضرات یورپ کی تراش وخراش اور مغربی تحریکون کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہین۔

یہی حال لیڈیز کانفرنس کا ہے۔ چند روز سے ملک مین یہ وبا عام ہو رہی ہے کہ ذرا ذراسی بات کے لئے کمیٹیان ہوتی ہین اور کانفرنسین جمع ہوتی ہین۔ مردون کی دیکھا دیکھی عورتون نے انگریزی تعلیم اور انگریزی لباس کی چاہت شروع کی تو اُنھین بھی کانفرنس کا شوق چرایا۔ اور غور کیجئے تو اسکے بانی مبانی ہمارے ہی بھائی بند ہین۔ اسگلے زمانہ کی عورتین اب تک کچھ نہ کچھ موجود ہین۔ لیکن اُن کو نہ کانفرنس کا خیال ہے اور نہ وہ نئی وضعداریون کو پسند کرتی ہین۔ مگر اب جو مردون نے عورتون کو کچھ شد بد تعلیم دیدی اور اُنھین میز کرسی کی نشست و برخاست اور میمون کے طریقہ پر بال بنانا اور ناک کان کے زیورون سے نفرت کرنا سکھا دیا تو لگین وہ بھی کانفرنس قائم کرنے

بیوی نے میاں سے کہا کہ صاحب آپ لوگ کانفرنس کرتے ہین ہماری بھی ایک کمیٹی بنا دو اور شوہر صاحب نے بیوی کی دلدہی کی خاطر نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ لیڈیز کانفرنس کی تجویز پیش ہی تو کر دی - اب ان سے کوئی بھلا پوچھے کہ اس کانفرنس سے کیا فائدہ ہوگا تو یہ تو کہین گے نہین کہ بیوی کی خاطر داری منظور تھی - دو چار وضعی ضرورتین اور ان ضرورتون کے لئے کچھ پوچ دلیلین کہہ سنائین گے اور اپنی بات کو وزن دار بنانیکے لئے دو چار بڑے بڑے لوگون کے غلط صحیح اقوال جو طوطے کی طرح رٹے گئے ہین سنا دین گے - ارے صاحب اس سے کہین یہ لدی پھندی گاڑی تھوڑے چل سکتی ہے - ذرا دل کو ٹھنڈک پہونچائیے اور دماغ کو تقویت دیجئے اور کانفرنس کی ضرورت پر عقل دوڑائیے آپ کو نئی روشنی کی چکاچوند مین کچھ نہ معلوم ہو سکتا ہو تو مجھسے سارا حال سن لیجئے مگر انصاف سے کام لیجئے گا -

یون تو ہر ملک مین مردون اور عورتون کی ضروریات جداگانہ ہوا کرتی ہین لیکن ہمارے یہان پردہ کی رسم کی وجہ سے دونون جماعتون مین بہت جدائی ہوگئی ہے - مردون کو دنیا کے ہر قسم کے کاروبار کرنا ہوتے ہین اور عورتون کو صرف چار دیواری کے اندر بچون کی دیکھ بھال اور کھانے کی فکر کرنا ہوتی ہے - مرد روزی کماتا ہے اور عورت اسکو خرچ کرتی ہے - مرد قسم قسم کے علم اور پیشہ حاصل کرتے ہین جن سے عورتون کو کچھ سروکار نہین ہوتا - مردون کو دن رات لکھنا پڑھنا رہتا ہے اور عورتون کو پلنگ یا تخت پر بیٹھکر ڈلیان کترنا یا کپڑے سینا - مرد کا ملکون ملکون کی سیر کرنا آسان ہے مگر عورتون کا گھر سے باہر نکلنا محال - مرد کو تمام طرح کی آزادیان حاصل ہین مگر عورت مقید اور مجبور ہے - مرد کو خدا نے اور قانون نے عورت پر حاکم بنایا ہے اور عورت اسکی محکوم اور تابعدار ہے -

پھر ایسی صورت مین بھلا کانفرنس کیا کام دیگی - مردون کی کانفرنسون نے

ابتک جو تھوڑا بہت کام کیا بھی سو اس وجہ سے کہ ایک نہین سیکڑون مردون نے ان کانفرنسون کو کامیاب بنانے کیلئے شہرون شہرون کی خاک چھانی اور دوڑ دھوپ کرکے دوسرون کو اپنا ہم خیال اور مددگار بنایا - عورتین بھلا کب یہ کرسکتی ہین اور اگر وہ کرین بھی تو کیا آپ کی غیرت کا تقاضا نہ ہوگا کہ آپ انکو مکان کی چار دیواری مین بند رکھین - مردون کے یہان تبادلۂ خیالات کا وسیع پیمانہ پر ہونا ان کی روشن خیالی کا باعث ہوتا ہے - لیکن عورتون کے یہان اس کا نتیجہ سواے اسکے کیا ہوسکتا ہے کہ عورتین اُن قیود سے آزاد ہو جائین جو حضار رسول اور قانون معاشرت نے اُنکے لئے لازمی قرار دیئے ہین پھر عورتون مین اتنی تعلیم کہان جو وہ کانفرنس کا کام چلا سکین نہ اُن مین کوئی سید محمد خان ہے اور نہ مہدی علیخان اور نہ مشتاق حسین - لوگون کو تو اسمین بھی شک ہے کہ رسالون مین جو عورتین مضمون لکھا کرتی ہین یہ انھین کے مضمون ہوتے ہین یا

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری مین

کا معاملہ ہوتا ہے - اور زیادہ تر لوگون کا خیال یہی ہے کہ یہ مضامین کسی معشوق کے لکھے ہوے ہوتے ہین - اور جو دو ایک بڑی عالم فاضل عورتین ہون بھی تو اول تو لوگ عام طور پر اُن کی نسبت اچھی راے نہین رکھتے اور دوسرے یہ کہ وہ اپنی راحت و آرام کو چھوڑ کر اس قسم کی دوڑ دھوپ کیون کرنے لگین - مردون کی سی جفاکشی تو عورتون مین ہوتی ہی نہین بلکہ عورتون کے یہان ذاتی آرام اور ظاہری زیب و زینت کا خیال مقدم رہتا ہے اور بفرض محال اگر یہ سب کچھ ہوا بھی اور کانفرنس بھی قائم ہوگئی تو کیا نتیجہ ہوگا - ایجوکیشنل کانفرنس نے کون بڑا کام کیا ہے جو لیڈیز کانفرنس کرگی - بجاے اسکے کہ ان چیزون مین روپیہ خرچ کیا جاے اور وقت ضایع کیا جاے اپنے اپنے گانون اور شہرون مین مدرسے قائم کرکے مذہبی تعلیم کا چرچا پھیلانے کی کوشش کرو تو دین و دنیا دونون درست رہین گے - لڑکے مذہبی ماؤن کی تعلیم و تربیت اٹھاکر سعادتمند

رہین اور لڑکیان حیادار تو دونون مرادین حاصل ہوجائین۔ اور جو پنجاب اور بمبئی کے لوگون کی تقلید مین آپ بھی اپنے گھر کی عورتون کو سایہ اور ساڑی پہنا کر رکھنا چاہین اور ٹمٹم اور فٹن پر سیر کرانے کے خواہان ہون تو کانفرنس سے کہین زیادہ کارآمد میمون کے مدرسہ ہوسکتے ہین۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

نصیحت گوش کن جانان کہ از جان دوست تر دارند
جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

ا۔ ع ساغر لکھنوی از بمبئی

عورتون کی تعلیم

عقل فطرت نے جو دی مجھکو تو کیون دی آخر؟ | ہمت اجزائے بسیط[۵۱] نے یہ کیون کی آخر؟
لفظ ہمت کا غلط۔ مجھسے بڑی چوک ہوئی | علم کی بحث غلط ذکر سے مشکوک ہوئی
عقل ذرات بسیط کا اثر ہے اے شوق | نہ اُسے فہم۔ نہ ہمت۔ نہ خبر ہے ای شوق
مادہ[۵۲] خود تو ہے نادان۔ شکایت کس سے؟ | کہیے اس عقل کے ضنطون کی حکایت کس سے
عقل اگر مجھکو نہ ملتی تو مین اچھا رہتا | مثل مبہوت کے ناواقف دنیا رہتا
عقل نے سیکڑون جھگڑے مرے سر ڈال دیئے | لا کے علمون کے ورق پیش نظر ڈال دیئے
اصل فطرت کی طرف میری نظر دوڑ پڑی | ذکر انرجی[۵۳] کا جو آیا تو ادھر دوڑ پڑی
کبھی اجزائے بسیط نے جمایا نقشہ | کبھی شکل حرکت[۵۴] کا نظر آیا نقشہ

---

[۵۱] اجزائے بسیط وہ ذرات ہین جنکو دہری مذہب والے کہتے ہین کہ جب مادہ خود ہی پیدا ہوا تو وہ اسمین پیدا ہوے۔ عقل بھی اونھین کی تاثیرات کا ایک اثر ہے۔ ذرات بسیط بھی اُنھین کو کہتے ہین۔

[۵۲] سینس کی رو سے نہ مادے مین عقل۔ نہ فہم۔ نہ ارادہ۔ ضرورت کے وقت ہر شئے اس سے خود ہی بنجاتی ہے

[۵۳] انرجی وہ قوت طبعی جسپر حیات کا مدار ہے۔

[۵۴] حرکت سے ذرات بسیط کی حرکت مراد ہے جو مادے مین پیدا ہوئی۔

کبھی پڑھنے لگا قانون کشش[1] فہم مرا
لڑ گیا قوت طبعی[2] سے کبھی وہم مرا

کبھی قانون وراثت[3] سے پڑا کام مجھے
ہوے قانون تبائن[4] پہ پھر اوہام مجھے

رنگ قانون تنازع[5] کبھی دکھلانے لگا
انتخاب[6] اپنی طرف کھینچکے لیجانے لگا

کبھی ہیئت پہ بڑھا شمس و قمر تک پہونچا
شام سے مین جو چلا نور سحر تک پہونچا

کبھی ایتھر[7] کی طرف عقل رسا ہونے لگی
کبھی منظور نظر بحث ہوا ہونے لگی

کبھی سورج[8] سے ستارون کا نکلنا دیکھا
گرد سورج کے کبھی ارض کا چلنا دیکھا

کبھی منظور جو تحلیل عناصر ٹھہری
عقل ذرات[9] کے نظارے پہ قاصر ٹھہری

قدم[10] صورت اصلی کو نہ مانا مین نے
شکل مابعد سے فانی اُسے جانا مینے

بحث جب علت[11] و معلول کی منظور ہوئی
عقل پر اتنے پڑے پیچ کہ مجبور رہوی

نہ کبھی سینس سے مذہب کو جدا سمجھا مین
"واجب[12]" اور "علت اولی" کو خدا سمجھا مین

---

۱ قانون کشش سے مراد وہ قانون ہے جسکے اثر سے کھینچکر ذرات بسیط مجتمع ہوے اور صورت نشو قائم ہوئی۔

۲ قوت طبعی سے وہ قوت مراد ہے جسپر سینس عالم ہستی کا دارو مدار قرار دیتا ہے۔

۳ ۴ ۵ ۶ قانون وراثت - قانون تبائن - قانون تنازع للبقا - قانون انتخاب طبعی - ان چار قوانین پر سینس نے نشو کے طریقے سے سلسلۂ آفرینش کو قائم کیا ہے۔

۷ ایتھر وہ گیس ہے جو سینس کی رو سے خلاے ممتد مین بھرا ہوا ہے یعنی اس خلا مین جو زمین کی سطح سے حد نظر تک نظر آرہا ہے۔ اسی ایتھر پر حیات اور نظام موجودات کا مدار ہے۔

۸ سینس کہتا ہے کہ ستارے سورج سے کٹ کے جدا ہوے ہین اور یونہی زمین بھی جو خود ایک ستارا ہے۔

۹ سینس ابتک مجبور ہے۔ وہ تحلیل عناصر سے یا کسی شکل سے ذرات بسیط کو نہ دیکھ سکا۔

۱۰ سینس کہتا ہے کہ مادے کے ساتھ صورت اصلی بھی پیدا ہوئی تھی۔ فلسفۂ اسلام اُس پر معترض ہوتا ہے کہ صور مابعد جب مادے کے ساتھ ہی نہین پیدا ہوین تو اُن کے وجود مین آنے سے صورت اصلی کی قدامت [illegible]

۱۱ سینس ہر معلول کے لئے ایک علت کا قائل ہے۔

۱۲ منطق کی اصطلاح مین لفظ "واجب" اور سینس کی اصطلاح مین "علت اولی" اور "علت العلل" سب سے بالاتر قوت کا نام ہے۔

گھر میں پڑھ لکھ کے جو آیا کہ وہ کچھ دور رہا تھا ظلمتِ جہل سے گھر بھر میں کہیں نور نہ تھا

عورتیں کرتی ہیں باتیں تو زبان صاف نہیں سین ہے شین نہیں - کاف ہی اور قاف نہیں

کسی بچے کو مرض ہے تو نظر گھیرے ہے کسی بیمار کو آسیب کا ڈر گھیرے ہے

دیو - جن - بھوت - پری - رنگ جما بیٹھے ہیں تنگ کرنے کو مرے گھر میں سب آ بیٹھے ہیں

جن کے معنی ہیں نہاں - خیر وہ اک جسم سہی وہ بھی مخلوق کی اک نوع سہی - قسم سہی

جن ہے ناری تو ہے کیوں وہم کو حلول انسان میں؟ نار کر سکتی ہے کس طرح حلول انسان میں؟

کس جگہ جسم میں - کس شکل سے آ بیٹھا جن کیا خلا اُسکے لئے تھا کہ سما بیٹھا جن؟

پوجے جانے لگے جن اب تو خدا کے بدلے ڈھونڈھے جانے لگے تعویذ دوا کے بدلے

عورتوں میں ہے کچھ اوہام کی حد بھی آخر! ہو گئی اس جہل کی حجت کبھی رد بھی آخر!

فقرا گور پرستی پہ جھکا دیتے ہیں ؛ سر اسلام کو بستی پہ جھکا دیتے ہیں ؛

علما کہتے ہیں کھا کھا کے ہزاروں قسمیں کہ کلید درِ جنت ہے ہمارے بس میں

اُن کو ضد ہے کہ نہ عورت کو پڑھائے کوئی جہل کو علم کا رستا نہ بتائے کوئی

خاتمہ ورنہ مدارات کا ہو جائے گا - سرد بازار کرامات کا ہو جائے گا

لیکن اب علم سے واقف ہیں زمانے والے ایسی باتوں میں وہ ہرگز نہیں آنیوالے

عورتوں میں نہ اگر علم کو پھیلائیں گے لوگ پچھتائینگے - پچھتائینگے - پچھتائینگے

عقل[1] فطری تو ہر انسان کو مل جاتی ہے مکتسب عقل مگر علم سے ہاتھ آتی ہے

علم گم ہے تو بشر ہونے سے حاصل آخر؟ جانور اور بشر میں حد فاصل آخر؟

عورتیں جہل سے عزت نہیں پا سکتی ہیں نہ وہ بچوں کو نہ وہ گھر کو بنا سکتی ہیں -

کرے تاولان کو ماں ہی کا اشارا سیدھا کج ہو پودا - نہ کرے گر چمن آرا سیدھا

عورتیں جہل پہ مائل - یہ قرینا کیا ہے بزم ہستی میں رہیں کور تو جینا کیا ہے

[1] سپنسر نے عقل فطری اور مکتسب کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے -

نہ عقائد کے اصولون پہ نظر ہے اُن کو نہ مداخل نہ مخارج کی خبر ہے اُن کو
کیا غذا اور ہوا کی وہ صفائی جانین ذکر پانی کا ہو تو یاد ہوائی جانین
حفظ صحت کے طریقون سے وہ آگاہ نہین طرز اخلاق سے کچھ رسم نہین راہ نہین
نہ سمجھ نظم و نسق کی نہ خبر دنیا کی نہین واقف کہ ہے رفتار کدہر دنیا کی
نہین عورت مین اگر علم و خرد کا جوہر گھر مین وہ ہو نہین سکتی ہے مشیر شوہر
اور قومون نے تو اُڑ چلنے کو پر تولے ہین عورتون کے لئے تعلیم کے در کھولے ہین
علم کی دوڑ مین ہم چپ ہین۔ تھکے بیٹھے ہین اور قومون سے بچھڑنے پہ جمے بیٹھے ہین
حسن صورت نہین کچھ چیز کہو درد[1] اُسے کہ ابھی باد کے سم لال۔ ابھی زرد اُسے
عارضی حسن ہے وہ اسکو بقا کچھ بھی نہین رنگ۔ اسکا صفت رنگ حنا کچھ بھی نہین
حسن سیرت کو جو دیکھو تو وہ ہے جان کیساتھ صورت۔ روح رہا کرتا ہے انسان کیساتھ
علم ہی خوبی سیرت کو بڑھا سکتا ہے وز آئینے مین صیقل ہی سے آ سکتا ہے
سیرت کج کو وہ کر دیتا ہے سیدھا اس طرح جنتری تار کو کر دیتی ہے سیدھا جس طرح

احمد علی۔ شوق۔ قدوائی۔ لکھنوی

تندرستی

شب کو مین خواب شیرین کے انتظار مین لیٹی ہوئی تھی تو مجھے خیال آیا کہ تندرستی انسان کیا بلکہ ہر ذی روح کے واسطے بہت ضروری چیز ہے مگر افسوس ہے کہ ہماری بعض بہنین اس طرف مطلق توجہ نہین کرتین بلکہ بعض کو تو نزاکت کا اس درجہ شوق پیدا ہو گیا ہے کہ اُسکی وجہ سے اپنی غذا بھی کم کر دی ہے جسکا اثر صحت پر بہت خراب پڑ رہا ہے حالانکہ یہ خیال نہین کرتین کہ نزاکت تو وہی ہے جو قدرتی ہو غذا کم کر دینے سے ضعف اور نقاہت کے

[1] درد۔ گلاب کا پھول

سوا اصلی نزاکت ہرگز نہین حاصل ہو سکتی - جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ معدہ کم غذا کا عادی ہوجاتا ہے اور کل اعضا کمزور ہوکر اچھی طرحسے کام نہین دیسکتے وہ فرایض دینی و دنیوی کے ادا کرنے سے عاجز ہوجاتی ہین کاہلی اور سستی ان پر اپنا پورا رنگ جما لیتی ہے انکو جب دیکھو پلنگ پر لیٹی نظر آتی ہین اور روز علی الصباح دوا کا پیالہ اُنکے مُنھ سے لگا رہتا ہے - اے میری پیاری بہنو! کیا تمکو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے عزیز اعضا کو بیکار کر کے دوسرون کی محتاج بنو اور کیا تمکو مطلق اسکی شرم نہین ہے کہ تمہارا ہر کام دوسرون کے ہاتھ مین ہو اور تم ان سے ہر وقت مدد کی طالب رہو - برعکس اسکے تمہاری جو بہنین اپنے ہاتھ سے کام کرنیکی عادی ہین اور جنکو اپنی صحت کا خیال رہتا ہے اور جنپر اس بیجا نزاکت کا خیال غالب نہین ہے - اُنمین ہمیشہ جفاکشی - مستعدی - زندہ دلی اور ہا ہمی پائی جاتی ہے اور واقعی زندگی اسی کا نام ہے -

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ خاک جیا کرتے ہین

اکثر اوقات ہماری صحت ہمارے یہان کے رسوم اور رواجون کی بدولت بھی خراب ہوجاتی ہے وہ اسطرحسے کہ جب لڑکی کے عقد کی تاریخ قرار پا جاتی ہے تو ایک ماہ پیشتر سے لڑکی کو کوٹھے یا کسی علیحدہ مقام پر بٹھا دیتے ہین اور حکم ہوتا ہے کہ سوا لڑکیون کے جب کسی اور کو دیکھو تو فوراً چادرہ سے جو کہ خاص اسی کام کے واسطے مخصوص کر دیا گیا ہے منھ لپیٹ کر لیٹ رہو یہ کونے بیٹھنے کی رسم کہلاتی ہے ہر وقت کے لیٹے رہنے سے غذا اچھی طرحسے ہضم نہین ہوتی اور معدہ کی قوت ہاضمہ کم ہوجاتی ہے - جس سے رفتہ رفتہ معدہ ضعیف ہوکر اکثر مرضون کا باعث ہوتا ہے -

میرے خیال مین غذا ایسی کھانا چاہیے جو دیر ہضم نہ ہو اور تھوڑی سی بھوک چھوڑ کر نہ ایسی کہ معدہ کو ضعیف یا کم زور کر دے بلکہ ہضم ہونے مین آسانی ہو۔ صحت کے واسطے ورزش کی بھی سخت ضرورت ہے مگر ہم مستورات مین ورزش کا رواج ابھی بہت کم ہے تاہم اگر اپنے گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرین اور سب کام نوکرون ہی پر نہ چھوڑ دئے جائین تو کسی قدر ورزش بھی ہو جائیگی۔

صحت مین جسمانی صفائی کی بھی سخت ضرورت ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ جسمانی صفائی باطنی صفائی سے دوسرے درجہ پر ہے" جسمانی صفائی پر غور کرنے سے حسب ذیل تین باتین پیدا ہوتی ہین۔ (اول) شائستگی۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ جس شخص مین یہ خوبی نہین ہے وہ سوسائیٹی مین شریک ہونیکی قابلیت نہین رکھتا۔ صفائی ظاہری کا فرض آمدنی کی ترقی کے ساتھ بڑھتا جاتا ہی دنیا کی مختلف قومین اپنی صفائی کی وجہ سے ایسی ہی ممتاز ہین جیسے کہ علوم وفنون کے لحاظ سے۔ مغربی قومون کی مثال ہمارے سامنے ہی جنھون نے سائنس کے ساتھ اس خوبی مین بھی ترقی کی ہے (۲) صفائی ظاہری سے محبت پیدا ہوتی ہے اسمین شک نہین کہ حسن صورت جذبہ محبت کے پیدا کرنے مین اعلیٰ درجہ کا اثر رکھتا ہے۔ لیکن جسمانی صفائی اس جذبہ کے قیام کو مستقل کرتی ہی یہ بات مشاہدہ مین آئی ہے کہ اگر کسی بدشکل انسان کا بھی جسم ولباس صاف رہتا ہے تو اسکی جسمانی صفائی اپنی طرف نگاہ محبت کو مائل کرلیتی ہے۔ ایک مسن آدمی جسمین ظاہری صفائی ہوتی ہے اس نفرت سے نہین دیکھا جاتا جیسے کہ ایک میلا کم عمر لڑکا۔ پرانا پتیل کا برتن اگر صاف ہو تو نئے زنگ آلود برتن سے بدرجہا اچھا ہے۔ (۳) ہماری جسمانی صفائی جسطرح دوسرون پر اچھا اثر پیدا کرتی ہے اسی طرح خود ہماری صحت جسمانی پر ضمیر انسان کی پاکیزگی اور جسمانی

صفائی مین باہم مشابہت ہے جو لوگ صفائی جسمانی کے قائم رکھنے مین کوشش کرتے
ہین اُنکے خیالات و جذبات مین بھی رفتہ رفتہ پاکیزگی آجاتی ہے مشرق کے گرم ملکون
مین صفائی جسمانی زیادہ ضروری خیال کی جاتی ہے - یہود و نصاریٰ ہندو اور مسلمان
سب کے مذہبون مین یہ خوبی مذہب کی جزو اعظم خیال کی گئی ہے - اور یہ بالکل سچ
ہے کہ بانیان مذاہب مذکورہ کا خاص مقصد یہ تھا کہ صفائی ظاہری پر اسوجہ سے
زور دیا جائے کہ اس صفائی سے صفائی باطنی رفتہ رفتہ حاصل ہو جاتی ہے -

ناظرہ

روغن کیمیا

دماغی محنت کرنے والون کیلئے خاص طور پر طیار کیا گیا

ضعف دماغ و بصارت کے لئے اکسیر اور درد سر کو زائل کرنیوالا ہے - اسکی مفادیت
بالون کو بڑہاتی اور اون کی سیاہی قایم رکھتی ہے - یہ نہایت سادہ اور قدرتی اجزا
سے طیار ہوتا ہے اور کسی قسم کی خوشبو وغیرہ اسمین نہین دیگئی ہے تاکہ استعمال
کرنے والون پر یہ امر بخوبی روشن ہو جائے کہ ہم اشتہاری دھوکہ بازی سے کام نہین لیتے
مشک آنست کہ خود ببوید - ایک بار منگا کر تجربہ کیجئے امید کہ آپ پسند فرماوینگے -
قیمت مین یہ عمدہ خوشبودار روغنیات سے زیادہ نہین اور منافع مین وہ اسکا
مقابلہ نہین کرسکتے - فی آثار - للعہ ایک شیشی (۳-۱۰) عہ محصولڈاک
خرچہ ویلیو ذمہ خریدار -

المشتہر
دفتر رسالہ الناظر فلاور ملز لکھنؤ

نظرے خوش گذرے

مخزن

اس رسالہ کے جنوری نمبر مین مولوی فدا علی صاحب ایم اے نے اقلیدس واحمد ابن محمد ابن ثوابہ کے عنوان سے ایک پر لطف مضمون لکھا ہے جس مین اُنھون نے دو امور کے متعلق نہایت لطیف پیرایہ مین بحث کی ہے۔ اوّل یہہ کہ "علوم قدیمہ کے نسبت عموماً یہہ غلطی کی جاتی ہے کہ خاص خاص اشخاص کو اون کا موجد سمجھا جاتا ہے" اور دوسرے یہہ کہ "ہندوستان مین ہر شخص وہی علم سیکھنے مین اوقات عزیز ضایع کرتا ہے جو کہ معاش کا سب سے سہل ذریعہ معلوم ہوتا ہے چاہے طبیعت کے موافق ہو یا مخالف"۔ اول الذکر غلطی کا منشا اون کے خیال کے مطابق یہہ ہے کہ

"ان علوم کی نہ تو تاریخ ارتقا لکھی گئی نہ صدیون تک ان کے مسائل ہی قید تحریر مین آئے علما و حکما مین سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ عام لوگون کو سیکڑون بلکہ ہزارون برس تک ان کی کانون کان خبر بھی نہ ہوئی لہذا جس شخص نے سب سے اول ضبط تحریر مین لاکر ان اسرار حکمت کو فاش کیا اور عامۂ خلایق کو اون سے متمتع اور بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا وہی انکا موجد مشہور ہو گیا"

حکیم اقلیدس کے بارہ مین یہہ خیال کہ وہ اس نام کے فن کا موجد تھا بقول صاحب مضمون "قصر ریگ روان کی طرح بے بنیاد اور محض جہالت و توہم کی ایجاد ہے" اسلئے کہ

اول تو تمام علوم البشری کی سست رفتاری سے نہایت مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص واحد کسی علم کے تمام اون مسائل کو جو اوس کی طرف منسوب ہین اپنی زندگی کی نہایت مختصر مدت مین دریافت کر سکا ہو۔ دوسرے گو ان مسائل کی مفصل و مسلسل تاریخ مفقود سی بازہم بوجہ معروف کے زمانہ سے تو صدیون پہلے اُن کے موجود ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ حکیم اقلیدس اسکندریہ کا رہنے والا

اور بطلیموس اول شاہ اسکندریہ کے درباریون مین تھا ۳۲۳ق ع اس کا سال ولادت اور ۲۸۵ ق ع سال وفات ہے اُسنے اشکال ہندسی کی ترتیب وتھذیب کرکے بنی نوع پر جو احسان کیا ہے کس کی مجال ہے کہ اس سے انکار کرسکے مگر اس مین بھی شک نہین کہ افلاطون کے دروازہ کا وہ کتبہ جو ہر ایک علم ہندسہ سے ناواقف شخص کو اندر آنے سے منع کرتا تھا تقریبًا ایک صدی پیشتر ہی اس علم کے نہ صرف موجود بلکہ مقبول ہونے کی بآواز بلند شہادت دے رہا تھا۔

جن علوم سے طبیعت کو مناسبت نہو اون کی تعلیم حاصل کرنا کوہ کندن وکاہ برآوردن سے کم نہین۔ لیکن اہل ہند پر یہ الزام لگا تا کہ وہ طبیعت کے رجحان ومناسبت کا خیال نہین رکھتے غالبًا سوسائٹی اور ملک کی موجودہ حالتون کے لحاظ سے مناسب نہین۔ یورپ مین باوجودیکہ تعلیم کا انتظام نہایت اچھا ہے اور ہمارے ہموطنون کے مقابلہ مین اُس ملک کے لوگون کو نسبتًا فکر معیشت بھی کم دامنگیر رہتی ہے لیکن وہان بھی عام رواج یہ ہے کہ چند مقررہ نصاب جو یونیورسٹی تجویز کردیتی ہے اونھین کی تعلیم مدرسون مین ہوتی ہے اسلئے کہ تمدن نے ہنوز اوس درجہ تک ترقی نہین کی ہے جبکہ تعلیم کا مقصد محض تحصیل علم یا [illegible] زخطارت سے واقفیت حاصل کرنا ہو۔ اسپنسر کا یہ خیال کہ لوگ ایک خاص مضمون کی کتابین پڑھتے ہین کسی دوسرے مضمون کے لکچر سنتے ہین۔ اسباب کا بچہ ارادہ کرلیتے ہین کہ اپنے بچون کو علم کی فلان فلان شاخون کی تعلیم دلائینگے اور فلان فلان شاخون کی تعلیم نہین دلائینگے۔ اور ان تمام امور کا تصفیہ محض دستور۔ خبط۔ یا تعصب کی بنا پر کرتے ہین۔ اور اس ضروری اور نہایت بالشان امر کا غور نہین کرتے کہ جو چیزین درحقیقت سب سے زیادہ سیکھنے کے لائق ہین ایک معقول طریقہ اُن کا تصفیہ کرلین۔

آجتک غلط نہین ثابت ہوا ہے۔ یورپ کے باشندون مین کثرت سے بڑے بڑے کاملین فن اور موجدین کا پیدا ہونا اس بات کے لئے کوئی دلیل نہین ہوسکتی کہ وہان عام طور پر تعلیم دینے مین مناسبت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ہندوستان مین بھی اگر تعلیم اسی قدر عام ہوتی اور مصارف تعلیم کم اور ذرایع حصول تعلیم آسان ہوتے تو

علما و فضلا کی تعداد بہت بڑھ جاتی۔ بنگال کے لوگون کی حالت موجودہ کی شہادت ہمارے اس دعوے کو مضبوط بنا دیتی ہے۔ مناسبت طبعی کا کچھ نہ کچھ خیال اب بھی بعض لوگون مین کسی نہ کسی صورت مین پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو ڈاکٹری و وکالت وغیرہ کے پیشون مین چند ہونہار آدمی دکھائی دیتے ہین۔

دلگداز

کے فروری نمبر مین مولانا عبدالحلیم صاحب شرر نے اردو لٹریچر پر ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے۔ اون کا خیال ہے کہ اردو زبان اس قدر بے مایہ نہین جس قدر کہ تعلیم یافتہ گروہ کی نظرون مین وہ ذلیل ہے۔ اون کے تعلیم یافتہ دوستون کی رائے مین اردو زبان سے لوگون کی بیزاری کا سبب یہ ہے کہ

بعض حضرات کو تو انگریزی سے اردو مین ترجمہ کرتے وقت ویسے جامع اور صحیح مفہوم ادا کرنیوالے الفاظ نہین ملے جیسے کہ انگریزی مین تھے۔ بعض حضرات انگریزی کے سے اشعار اُردو مین ڈھونڈھتے ہین اور وہ اُردو مین معدوم ہین اور جن چند انگریزی نظمون کے ترجمے اُردو مین کر دیئے گئے ہین اُن مین وہ انگریزی کی سی بات نہین۔

مولانا شرر نے تعلیم یافتہ گروہ کے خیالات کو زیادہ واضح طور پر نہین ظاہر کیا۔ وہ یہ بھی کہتے ہین کہ اردو زبان مین زمانۂ حال کی ضروریات کے مطابق نہ تو نثر ہی کا سرمایہ ہے نہ نظم کا۔ نثر مین چند اچھے کہنے والے ضرور پیدا ہوے لیکن انکی تحریرون کا موضوع انشاپردازی، تاریخ اور مذہب رہا ہے۔ اور اس قسم کا لٹریچر بھی بہت ہی کم ہے اسلئے کہ باستثنائے چند مصنفین زبان اردو کے فصیح اور صحیح نثر لکھنے والے بہت ہی کم ہوے اور جس زبان کا سرمایہ صرف چند پرانے مکتبون کے نکلے ہوے مولویون کی تصانیف ہون اوسکی وقعت کسی میکالے اور کارلائل پڑھنے والے شخص کے دل مین نہین بیٹھ سکتی۔ علوم و فنون کی کتابین

اردو مین بالکل نہین ہین اور جو ہین وہ بھی بالکل بوسیدہ اور پرانے زمانہ کی ۔ جدید تحقیقاتون نے دنیا کو عجائب خانہ مسرت بنادیا ہے مگر افسوس ہے کہ ہمارے پاس اوسکے متعلق کوئی سرمایہ نہین ۔ پنجاب اور بمبئی کے بعض مطابع نے اکثر معمولی درجہ کی علمی کتابون کا ترجمہ کرایا ہے مگر وہ اپنے مترجمین کی اعلیٰ انشاپردازی کے بدولت اس قابل بھی نہین کہ معمولی اردو خوان گروہ کے سامنے بھی لائی جائین ۔ چہ جائیکہ جدید تعلیم یافتہ گروہ کے حضرات کے سامنے جو بے جلد اور بری چھپی ہوئی کتاب کو چھونا بھی گناہ کبیرہ سے کم نہین جانتے ۔ پھر اوس زبان کی قسمت کو کیسے نہ روئیے جسکے بیشتر مصنفین اور اہل قلم صحیح زبان لکھنے سے بھی قاصر ہین ۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ زبان اردو ابھی بے حد ناقص ہے ۔ تین سو سال مین جسقدر ترقی اس زبان نے حاصل کی ہے اوسکے لحاظ سے وہ غالباً دنیا کی بیسیون زبانون سے وسیع کہے جانیکی مستحق ہے لیکن جب مقابلہ مین ایسی زبانین پیش کی جائین جو عمر مین اوس سے بزرگ ہین اور دولت و حکومت جنکے جلو مین چل رہی ہے تو ظاہر ہے کہ اردو زبان کس قدر کم عمر اور بے بساط نظر آئیگی ۔ تین سال کے کسان کے بچہ اور پندرہ برس کے زمیندار کے صاحبزادہ کے قوائے عقلی مین جو بین فرق ہوتا ہے وہی اردو زبان اور انگریزی یا دوسری علمی زبانون مین بھی پایا جاتا ہے ۔ ایسی صورت مین تعلیم یافتہ گروہ کو چاہئے کہ شکوہ و شکایت کے بجائے اپنی اور اپنی مادری زبان کی فلاح و بہبود مین استقلال و ہمت کے ساتھ منہمک رہین اور حامیان اردو کا فرض ہے کہ وہ کشتی قوم کے نوعمر ناخداؤن کو ہوش و حواس مین رکھنے کی فکرین کرتے رہین اور طوفان خیز تلاطم امواج کی خبر وقتاً فوقتاً اون کے کانون مین پھونکتے رہین ۔

مسلمان حکمرانون پر یہ الزام دینا ٹھیک نہین کہ اونھون نے اپنے عہد حکومت مین دفاتر کی زبان فارسی کیون رکھی ؟ اولاً تو اونھین اوس زبان سے

خاص الغنت تھی جو اون کے آبا و اجداد سے اونھین ترکہ مین ملی تھی دوسرے اوسوقت تک اُردو زبان کا سرمایہ نہایت محدود تھا بلکہ صحیح طور پر وہ زبان جو اوسوقت رائج تھی اردو کہے جانے کی مستحق ہی نہ تھی اگر یہ مان لیا جاے کہ اُردو زبان کی تدوین شاہجہان کے زمانہ مین ہوئی تو ہر شخص آسانی سے جان سکتا ہی کہ اورنگ زیب کے زمانہ تک اس زبان نے کیا ترقی کی ہوگی۔ قطع نظر اس سے اورنگ زیب غریب کو دہلی مین رہنے کا کب اتفاق ہوا۔ اُسنے تو اپنی عمر کا بڑا حصہ دکن کی جنگ آزمائیون مین صرف کیا۔ اور اورنگ زیب کے بعد دہلی کی سلطنت کی جو عظمت یا وقعت تھی اوس سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔

معیار

کے جنوری اور فروری کے پرچون کو یکجا کر کے غالب نمبر کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اگرچہ دو ماہ کے پرچون کو یکجا کر دینا ہماری نظر مین کھٹکتا ہے اور کسی طرح ایسے رسالہ کے شایان شان نہین جو ہمارے مخدوم و مکرم مسٹر حامد علی خان بیرسٹر ایٹ لا کی خاص توجہ کا فخر رکھتا ہو۔

جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز نے مرزا نوشہ کی طرحداری کا ذکر کرتے ہوں مرزا سے مرحوم کی اوس کیفیت کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جو ایک مرگ ناگہانی اور ہے" کی تفسیر کے ذمرہ مین زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان ہو سکتی ہے ؎ یک نظر بیش نہین فرصت ہستی غافل گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

جناب سید احمد صاحب ناطق لکھنوی نے مرزا کی مشکل پسند طبیعت کی خوب ہی داد دی ہے۔ وہ فرماتے ہین کہ" اگر وہ کبھی کیفیت تصوف سے متکیف ہو کر کسی راز حقیقی کو بیان کرتا مگر عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے تو سلوک شاعرانہ مین سلک ترکیب کو یون پیچ دیتا ہے ع

ذرہ ذرہ ساغر میخانۂ نیرنگ ہے گردش مجنون بچشمکہاے لیلی آشنا"

غالب نمبر کا بیشتر حصہ نثر اوسی یگانۂ روزگار شاعر سے متعلق ہے اور غزلیات ردو غزلوں کے سوا، جناب عزیز کے اوس سالانہ مشاعرہ کی ہین جو اون کی عقیدت مندی کی وجہ سے "میر تقی میر۔ یا اسد اللہ خان غالب مرحوم کی سالانہ فاتحہ خوانی بنائی جاسکتی ہے۔ اور مرزا کی مشہور غزل ۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا　　آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا

کی طرح پر یہ تمام غزلیات کہی گئی ہین ہم ایڈیٹر صاحب کی خدمت مین بصد ادب یہ عرض کرنے کی جرات کرینگے کہ اگر اس نمبر مین یہ التزام قایم رکھا جاتا کہ جتنے مضامین نثر اور غزلیات شائع ہون وہ سب مرزا غالب سے متعلق ہون تو غالب نمبر کے لئے زیادہ موزون ہوتا ۔

صبح بہار

جو ہمارے جنوبی ہند کے حامی اردو احباب کی کوششون کا نتیجہ ہو وقت کی پابندی نہ کرنے مین کسی سے کم نہین جنوری اور فروری کے پرچے یکجا کرکے شایع کئے ہین یہ طرز عمل ایڈیٹر اور مینجر کی آسانیون کے خیال سے تو چندان قابل توجہ نہین لیکن اس بنا پر ضرور لائق التفات ہو کہ اس سے شائقین اور معاونین رسالہ کو وقت معینہ پر پرچہ نہ پہونچنے کے باعث انتظار کی وہ تکلیف اوٹھانا پڑتی ہے جو "اشد الموت" کے لقب سے یاد کی جاتی ہے اور مقررہ قیمت مین جسقدر اوراق ملنا چاہیئے وہ بھی انکو نہین ملتے "نقصان مایہ" کے ساتھ ساتھ اگر اونکی کیفیت انتظار کا اونکے احباب نے کہین نظارہ کیا تو "شماتت ہمسایہ" بھی اونکے شریک حال ہوجاتی ہو ۔ حامد حسن صاحب قادری بچھرایونی " دنیا کی عظیم الشان چیزین " کے عنوان سے دنیا کے مشہور و معروف عجائبات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ " پیرس مین "بابلیو تھیک نیشنل" دنیا مین سب سے بڑا کتبخانہ ہے جسکی بنیاد شہنشاہ لوئی چہاردہم نے رکھی تھی اسمین چودہ لاکھ چھپی ہوئی کتابین تین لاکھ پمفلٹ، ایک لاکھ چھتر ہزار قلمی کتابین تین لاکھ نقشے اور زائچے اور ڈیڑھ لاکھ سکے وغیرہ ہین۔ تیرہ لاکھ کتبون کا ذخیرہ جس ہزار جلدون مین محفوظ ہے۔ تصویرون کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے "

نظام المشائخ

یہ صوفیانہ رسالہ آٹھ ماہ سے بڑی آب و تاب کے ساتھ دلی کی سلیس اور پاکیزہ زبان میں شائع ہو رہا ہے حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی خواہر زادہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی (قدس سرہ العزیز) اسکے مدیر اعلیٰ ہیں اور بڑے بڑے ممتاز مشائخ اور مشہور اہل قلم حضرات اسکے قلمی معاون ہیں آٹھ ماہ کے عرصہ میں جیسے جیسے فاضلانہ اور عارفانہ مضامین نظام المشائخ میں شائع ہوئے ہیں۔ اور اردو علم ادب میں انسے جیسا عظیم بکار آمد اضافہ ہوا ہے۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ معاصرین اور بڑے بڑے اہل الرائے حضرات نے اسکی ثانی تعریف کی ہے ناممکن ہے کہ آپ اسکا ایک پرچہ دیکھ لیں اور ہمیشہ کیلئے اسکے خریدار نہ بنجائیں۔ حجم کم از کم ۶۴ صفحے کا ہوتا ہے اور بضرورت ۱۰۰ صفحے تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ قیمت سالانہ مع محصولڈاک قسم اول عہ۔ اور قسم دوم ۱۲؎ قسم دوم بنگال کے نہایت دبیز اور چکنے کاغذ پر چھپتا ہے اور اسکی لکھائی چھپائی بھی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ پھر قسم اول کا تو ذکر کیا نمونہ کا پرچہ قسم اول ۸ میں اور قسم دوم ۴ میں مل سکتا ہے۔ ایک دفعہ ضرور منگا کر دیکھیے لیکن نظام المشائخ بابت محرم الحرام جس کا دوسرا نام شہید نمبر ہے اسکو اگر آپ نمونتاً منگائینگے تو قسم اول ۸ کے بدلے عہ میں اور قسم دوم ۴ کے بدلے ۸ میں ملیگا کیونکہ یہ ایک غیر معمولی اور خاص شان کا پرچہ ہے اور اسکا حجم پورے سنو صفحے کا ہے۔ ہاں کم از کم سال بھر کیلیے خریدار بنجائیے۔ پھر وہی قسم اول ۶ اور قسم دوم ۳ میں پڑ جائیگا۔ (**نوٹ**۔ اگرچہ شہید نمبر معمول سے کئی گنا زائد چھپوایا گیا ہے لیکن اسکی مانگ بہت زیادہ ہو رہی ہے اسلیے درخواستیں نہایت جلد آنی چاہئیں) **شہید نمبر** میں ایسے ایسے عجیب و غریب مضامین ہیں جو آجتک کہیں شائع نہیں ہوئے۔ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ فہرست مضامین اور انکے لکھنے والوں کے اسمائے گرامی ملاحظہ کیجیے

۱ فردوسی شہادت نامہ	حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب	۶ سرمد شہید	۱۱ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی
۲ حضرت اویس قرنی شہید	حضرت مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری	۷ تین مظلوم شہید اور	۱۲ حضرت مولانا حسن میان صاحب پھلواری
۳ شہود الشہید	خادم الفقراء سید محمد ارتضیٰ واحدی نائب مدیر	۸ اغیار کے آنسو	جناب حکیم محمد علی خان صاحب اکبرآبادی
۴ حضرت کمیل بن زیاد شہید	حضرت مولانا حسن میان صاحب پھلواری	۹ تین اب بھی زندہ ہیں	جناب اسعد بن سلم طباطبائی اندلسی
۵ ہندو قطب [illegible]	حضرت مولانا سعید احمد صاحب مارہری	۱۰ ہندوستان کا سب سے بڑا گنج شہداء	حضرت مولانا سید احمد صاحب رمزی

المشتہر

خادم الفقراء سید محمد ارتضیٰ واحدی نائب مدیر نظام المشائخ۔ دہلی۔ (کوٹھی نواب ضیاء جنگ بہادر۔ بازار چتلی قبر)

پیشاب کا بار بار آنا اور زیادہ مقدار میں ہونا | درد گھٹیہ و نقرس | ضعف دماغ و ضعف بصر

جسم پر ورم ہونا و مواد فاسد کا اجتماع | فساد خون داد سیوان | بچھو یا بھڑ کے کاٹے کا زہر | بچون کے دانت نکلنے کی تکلیف

تازہ سندات

جناب سید عبد الحسن صاحب وکیل مقام لنگسگور ریاست حیدرآباد دکن سے ۲۰ - مارچ ۱۹۱۰ء کو تحریر فرماتے ہین کہ خدا کا شکر ہے کہ آپکا نمک سلیمانی میرے امراض کے لئے بہت مفید ثابت ہوا اسکو ہمیشہ استعمال کرتا ہون مجھکو ضعف دماغ ضعف معدہ کی شکایت اکثر رہا کرتی تھی لیکن جب سے یہ نمک سلیمانی استعمال کرنے لگا مجھکو پورا فائدہ ہے مہربانی فرماکر دو شیشیان اور بھیجدیجئے۔

جناب ڈاکٹر عبد المجید خان صاحب میڈیکل اسسٹنٹ مقام الان عید ملک برما سے ۱۰ مارچ ۱۹۱۰ء کو تحریر فرماتے ہین کہ مین نے کئی مرتبہ آپکے کارخانہ سے نمک سلیمانی منگوایا اور اسکو چند مریضون کو استعمال کرایا اور جس مریض کو دیا مفید ثابت ہوا۔

گلے کی سوزش و دانت کا درد | مستورات کے ایام کی خرابی | عام کمزوری و کمی پیدایش خون

قیمت فی بوتل صہ ایک بوتل مین ۷ شیشی نمک سلیمانی محصولڈاک وغیرہ ۱۲/۱	ڈاکٹر گنیش پرشاد بھارگو کا بنایا ہوا **نمک سلیمانی**	قیمت فی شیشی ایک روپیہ محصولڈاک وغیرہ ۴/

عوارض مندرجہ حاشیہ کا مصدقہ علاج ہے

ملنے کا پتہ۔ نونہال سنگھ بھارگو منیجر کارخانہ نمک سلیمانی محلہ گائے گھاٹ شہر بنارس

بدہضمی و کھٹی ڈکار کا آنا | قبض و کمی اشتہا | نفخ شکم و پیٹ کا درد

ضعف و فتور ہاضمہ | گردہ یا مثانہ کی گرمی کا کم ہونا | اسلاک کھانسی و دمہ | بواسیر و اسہال پیچش

تازہ سندات

جناب منشی محمد اسمعیل صاحب مقام بہاول سے تحریر فرماتے ہین کہ تین ماہ کا عرصہ ہوا کہ مین نے آپ کے کارخانہ سے ایک بوتل نمک سلیمانی منگایا تھا۔ یہ نمک امراض معدہ کیلئے از حد مفید ہے ایک بوتل کلان نمک سلیمانی اور بھیجدیجئے۔

جناب منشی بدھو خان صاحب زمیندار مقام سوہن پور ضلع گورکھپور سے تحریر فرماتے ہین کہ مین نے ایک شیشی نمک سلیمانی آپ کے کارخانہ سے منگایا تھا اُس سے میرا دمہ جاتا رہا اور ایک لڑکا میرا تین برس سے بیمار تھا اسے بھی اس نمک سلیمانی سے صحت کامل ہو گئی۔ مہربانی فرماکر ایک شیشی اور عنایت کیجئے۔

ہیضہ و طاعون | درد قولنج زیادتی ریاح | ہضم غذا کیوقت تبخیر یعنی بدن کا گرم ہونا

مطبوعہ گلشن فیض واجد حسین منتظم معرفت جابر پریس لکھنؤ

اگر سہم ۶۰ اجزاے قطری سے کم ہو تو اسکو ۶۰ سے گھٹادو اور باقی کو اول ستینی سے لو اور مبسوط مین چلو اور خیط کو اس طرح قوس پر رکھو کہ مری مدار مفروض اور مبسوط کے تقاطع پر واقع ہو آخر قوس سے خیط کے درجہ گن لو یہی قوس مطلوب ہے-

اور اگر سہم ۶۰ اجزاے قطری سے زائد ہو تو ۶۰ سے جسقدر زائد ہو اس کو معلوم کر کے مبسوط مین در آئین اور مثل سابق خیط کو اس طرح قوس اعظم پر رکھین کہ مری نقطہ تقاطع مدار اور مبسوط پر واقع ہو اول قوس سے خیط تک درجون کا شمار کر کے اگر ارتفاع غربی ہو تو اوسکو ۹۰ درجہ پر بڑہا دو اور اگر ارتفاع شرقی ہو تو ۹۰ درجہ سے گھٹا دو اور اگر سہم ۶۰ اجزاے قطری کے برابر ہو تو قوس مطلوب ۹۰ درجہ کی ہے

تعدیل النہار کے معلوم کرنے کا قاعدہ۔ جرم آسمانی جو قوس طلوع کے وقت سے لیکے نصف النہار تک پیدا کرے وہ نصف قوس النہار ہے ۹۰ درجہ سے اسکا تفاوت تعدیل النہار ہے۔ تعدیل النہار کا دوچند فضل النہار ہے۔

جب کوئی ستارہ طلوع سے غروب تک ۱۸۰ درجہ کی قوس بنائے تو اُس کا دن ۱۲ گھنٹہ کا ہوا جب یہ قوس ۱۸۰ درجہ سے کم ہو تو اُسی قدر دن چھوٹا ہے اور جس قدر ۱۸۰ درجہ سے زیادہ ہو اُسی قدر دن بڑا ہے۔ معلوم رہے کہ ہر درجہ اس قوس کا ۴ منٹ کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے پندرہ درجہ کا ایک گھنٹہ ہوتا ہے اگر دن رات کے چوبیس گھنٹون کو ۶۰ برابر حصون پر تقسیم کرین تو ہر حصہ چوبیس منٹ کا ہوا اس حصہ کو عربی مین طاس یعنے کٹوری کہتے ہین کیونکہ پانی مین کٹوری کے ڈوبنے سے وقت کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ ہماری اردو زبان مین ۲۴ منٹ کو ایک گھڑی کہتے تھے اور جب ساعات یعنی گھنٹون سے وقت کا اندازہ کیا جانے لگا تو ۲۴ منٹ والی گھڑی کو بھی گھڑی کہنے لگے۔ گھڑی کا ساٹھوان حصہ یعنی ۲۴ سکنڈ کا ایک پل ہوا اور پل کا ساٹھوان حصہ بپل کہلاتا ہے۔ عربی علم ہیئت کی ایک طاس یا گھڑی (۲۴ منٹ) کو دقیقہ یوم کہتے ہین۔ ہمارے جداول علم ہیئت دقائق یوم پر وضع کئے گئے ہین اس سے حساب مین بڑی سہولت ہوتی ہے کیونکہ کسی ستارہ کی چال جو ایک دن کے لئے لی جائے اسکو ایک مرتبہ گھٹا دینے سے ایک دقیقہ یوم یعنی گھڑی بھر کی چال معلوم ہوجاتی ہے۔ مثلاً آفتاب کی چال بحساب اوسط ۵۹ قہ ۸ ثیہ ہے تو ایک گھڑی ۵۹ ثانیہ ۸ ثالثہ ہوئی۔ مرتبہ گھٹانے کو علم ہیئت عملی یا علم زیج کی اصطلاح مین منحط کہتے ہین اور مرتبہ بڑھانے کو ارتفاع ۵۹ قہ ۸ ثیہ کا منحط بدو مرتبہ ۵۹ ثالثہ ۸ رابعہ آفتاب کی چال ایک پل کی ہوئی۔ ۵۹ قہ ۸ ثیہ کا مرفوع ۵۹ دقیقہ

درجہ کے مرفوع کو یعنی ۶۰ درجہ کو مرفوع مرۃ کہتے ہین اور جب اُسکا مجذور ۳۶۰۰ لین تو مرفوع مرتین وقس علیٰ ہذا۔مرفوع ثلثہ مرات وغیرہ اسگلے زمانہ مین بجاے کسور المتساویہ کے کسور ستینی کا رواج تھا۔اب دونون قسم کے نظامون کو ملاکے حساب کرتے ہین کہین ستینی اور کہین اعشاری جیسا موقع ہو اور جسمین سہولت ہو۔

تعدیل النہار قوس النہار۔قوس اللیل دائرۂ فصل دائرکے معلوم کرنے کیلئے پہلے اصل مطلق اور اصل معدل کو معلوم کرتے ہین۔اسلئے پہلے اسی کو کرتے ہین اور سب سے پہلے ان اصطلاحون کو سمجھ لو۔

دائرہ۔وہ قوس جو وقت طلوع سے کسی وقت مفروض تک کسی جرم آسمانی نے حرکت روزانہ سے طے کی ہو قبل نصف النہار یا جو قوس طے کرتا ہو وقت غروب تک۔نصف النہار سے وقت مفروض تک جو قوس طے کرتا ہو قبل نصف النہار یا جو قوس طے کی ہو بعد نصف النہار اُسکو فصل دائرہ کہتے ہین

اصل مطلق (جسکو اصل حقیقی بھی کہتے ہین) اس عمود کو کہتے ہین جو نقطہ غایت ارتفاع یوم سے نکل کے خط نصف النہار کے موازی قطر مدار کوکب یا شمس پر منتہی ہو۔
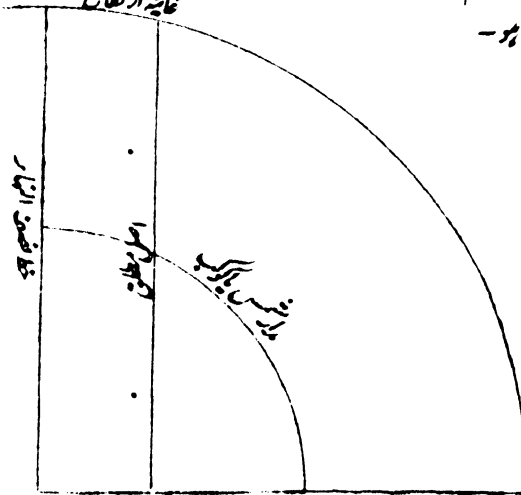
بعد قطر مدار شمس یا کوکب یوم مفروض۔

آفاق مائلہ مین جب آفتاب بروج شمالی مین ہو تو اُسکے مدار کا قطر افق کے اوپر ہوگا اس صورت مین ظاہر مدار یعنے طلوع سے غروب تک کی قوس ۱۸۰ سے زاید ہوگی اور دن بڑا ہوگا۔
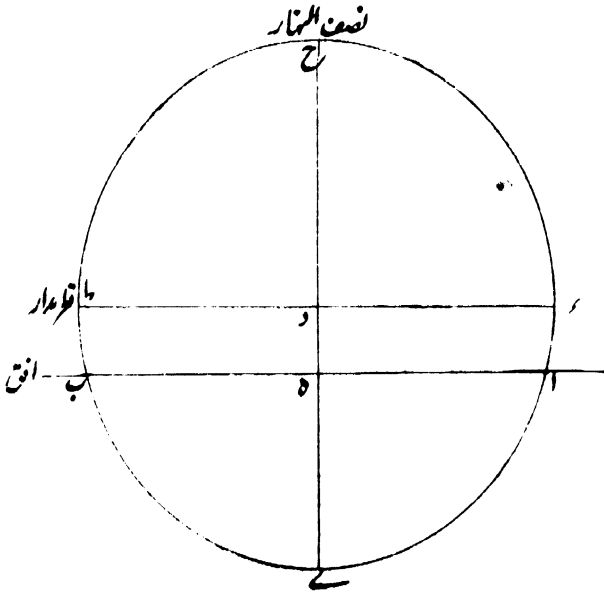
اس شکل مین اب افق ہے د مرکز مدار شمس، ر ط قطر مدار ا ر تعدیل النہار ار ط ب یعنی دو چند تعدیل النہار فضل النہار ا ر ح نصف قوس النہار۔ ا ر ح ط ب قوس النہار ب سے ے نصف قوس اللیل ب سے ے ا قوس اللیل۔

بعد قطر کے معلوم کرنے کیلئے خیط کو ستینی پر رکھوا ورمری کو جیب میل پر اول ستینی سے پھر خیط کو عرض بلد پر رکھو اول قوس سے اور مری سے مبسوط مین ہو کے ستینی تک آئین آدل ستینی سے بعد قطر ہے۔
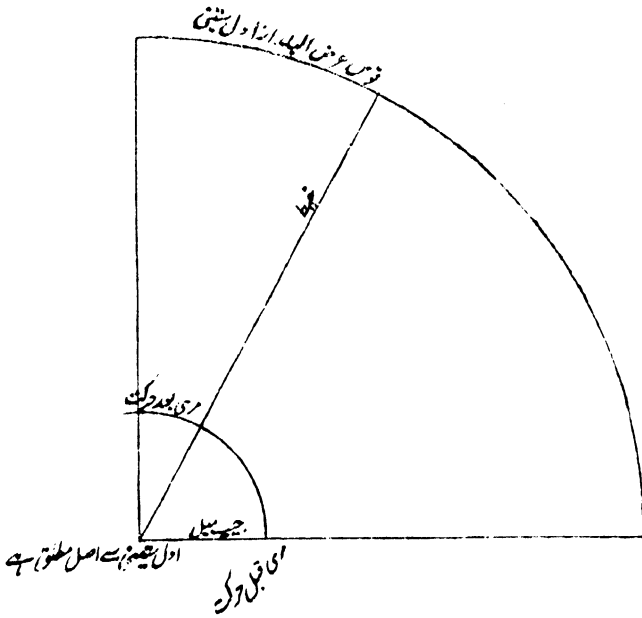
بعد قطر کو اربعہ متناسبہ سے اس طرح معلوم کرتے ہین ۔

جیب اعظم : جیب میل مفروض = جیب عرض البلد : جیب بعد قطر

اصل حقیقی کے معلوم کرنے کیلئے چاہیے کہ بعد قطر کو جیب غایۃ ارتفاع پر بڑھاوے اگر میل شمس جنوبی ہو اور دونون کا تفاوت لے اگر میل شمس شمالی ہو حاصل جمع یا تفریق اصل حقیقی ہے ۔

اصل معدل ۔ بعد قطر جیب ارتفاع وقت پر بڑھادو اگر میل جنوبی ہو یا دونون کا تفاوت لو اگر میل شمالی ہو حاصل جمع یا تفریق اصل معدل ہی ۔

تعدیل النہار معلوم کرنے کے لئے خیط کو ستینی پر رکھے اور مری کو اصل مطلق پر اول ستینی سے پھر بعد قطر اول ستینی سے لیکے مبسوط مین در آئین اور خیط کو اٹھاکے اس طرح قوس پر رکھین کہ مری جدول مبسوط کے ساتھ تقاطع کرے اول قوس سے

خیط تک تعدیل النہار ہے اور آخر قوس سے خیط تک
نصف قوس النہار۔ اگر میل یا بعد جنوبی ہو۔ یا نصف
قوس اللیل اگر میل یا بعد شمالی ہو۔ نصف
قوس اللیل کو ۱۸۰ درجہ گھٹا دو
باقی نصف قوس النہار
معلوم ہو جائیگا۔ نصف
قوس اللیل کا
دوچند قوس النہار
ہے پھر ہر درجہ
کو چار منٹ کے
حساب سے

تعدیل النہار
مری بعد حرکت
اصل حقیقی
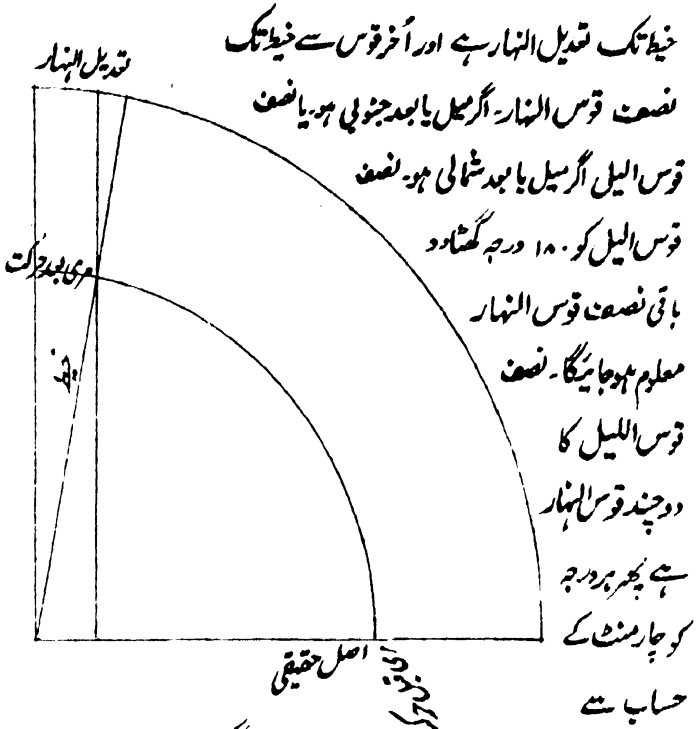
لیکر ساعات نہار یا لیل کو معلوم کرو بارہ گھنٹے سے جسقدر زائد ہو
اتنا ہی دن یا رات بڑی ہے۔

تعدیل النہار کو چھ گھنٹہ سے کم کرو طلوع کا وقت معلوم ہو جائیگا۔
اور چھ گھنٹہ پر بڑھانے سے غروب کا وقت معلوم ہو جائیگا۔

تعدیل النہار کے معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ عرض البلد کا ظل ستینی معلوم کرکے
خیط کو میل درجہ آفتاب پر رکھو اول قوس سے اور ظل عرض البلد کو اول جیب
تمام سے لو اور منکوس میں خیط پر جاؤ اور نقطۂ تقاطع جدول اور خیط سے مبسوطا مین
قوس کیطرف جاؤ اول قوس سے تعدیل النہار ہے۔
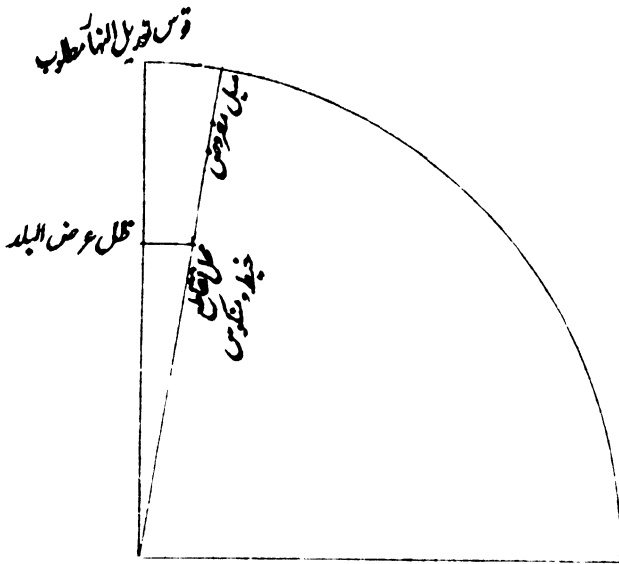
دائرہ اور فضل دائرہ کے معلوم کرنے کا طریقہ - خیط کو ستینی پر رکھو اور مری کو اصل مطلق پر اول ستین سے پھر اصل معدل کو اول ستینی سے لین اور مبسوط میں دیکھو پھر خیط کو اٹھا کے قوس پر اسطرح رکھین کہ مری جدول مبسوط کے ساتھ تقاطع کرے آخر قوس سے خیط تک فضل دائرہ ہے پھر اول قوس سے خیط تک جو کچھ ہو اُسکو محفوظ رکھین تعدیل النہار کو اُس سے بڑھا دین اگر میل شمالی ہو اور گھٹا دین اگر میل جنوبی ہو - مجموع یا باقی دائرہ ہے -

لیکن جس صورت مین جیب ارتفاع وقت بعد قطر سے کم ہو تو میل شمالی کی اول قوس سے خیط تک جو کچھ حاصل ہوا ہے اسکو ۹۰ پر بڑھا دین مجموع فضل دائرہ ہے اور جس صورت مین بعد قطر اور جیب ارتفاع وقت میل شمالی کی صورت مین مساوی ہو فضل دائرہ ۹۰ درجہ ہے -

فضل دائرہ کو نصف قوس سے گھٹا دو اگر ارتفاع شرقی ہو اور بڑھا دو اگر غربی ہو - مجموع یا باقی دائرہ ہے جب میل جنوبی ہو اور بعد ارتفاع وقت بعد قطر سے

کرو تو محفوظ کو ۹۰ درجہ سے گھٹادو باقی فضل دائر ہے اور جب دونون مساوی ہون تو دائر ۹۰ درجہ ہے۔

دائر کو ۱۵ پر تقسیم کرو ساعات معلوم ہو جاینگے۔ اگر ارتفاع شرقی ہو تو وقت طلوع سے اُس وقت تک اور غربی ہو تو اُسوقت سے غروب تک۔

دائر کے معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ پہلے خیط کو ارتفاع وقت پر رکھین اور مدار اوسط سے جہان تقاطع واقع ہو وہان نشان کرین یہ پہلا نشان ہوا۔ پھر خیط کو غایۃ ارتفاع یوم پر رکھین اور تقاطع مدار اوسط پر نشان کرین یہ دوسرا نشان ہے۔ پھر خیط تمام عرض بلد پر رکھین اور پہلے نشان سے خیط تک مبطو پر آئین اور مری کو عقد کرین پھر دوسرے نشان سے خیط تک اسی طرح آئین اور دوسری مری عقد کرین پھر خیط کو اُٹھا کے ستینی پر رکھین جو اجزاے ستینی درمیان دونون مریون کے پائے جائین انکو دوچند کرکے سہم میل شمس کو اوس پر بڑھا دین مجموع سہم فضل دائر ہے۔ اسکو حسب قاعدہ تقویس سہم مقوس کرین جو قوس اسطرح سے ملے وہ فضل دائر ہے۔

ارتفاع وقت اور غایۃ ارتفاع اور تمام عرض البلد یہ تینون قوسین ابتداے قوس اعظم ناپی جائینگی۔

رجسٹری شدہ
نشان تجارت
ڈاکٹر لالور کا
فاسفوڈائن
دماغی کمزوری فالج کمخوابی ڈراونے
خواب دیکھنا - قوتوں کا قبل از وقت انحطاط
اور نظام جسمانی کی وہ تمام بدنظمی
اور عوارض جو قوت نامیہ کے کم
ہو جانے سے لاحق ہوں - ان امراض
کے بے ضرر اور قابل اعتماد علاج مین
اس دوا نے چالیس برس سے زیادہ اپنی عام
شہرت قائم رکھی ہے -
فاسفورس کے اس مرکب
سے عصبی کمزوری اور اسکی
تمام دوسری
بیماریوں مین فوری اور مستقل نفع ہوتا ہے اور تمام فاسد
خیالات اور علامات تکلیف حیرت انگیز سرعت سے
دور ہو جاتے ہین -
اسکی قوت بخش تاثیر پہلے ہی روز استعمال
کرنے سے ظاہر ہو جاتی ہے عصبی اور دماغی قوتون
مین زیادتی کے ساتھ ہی مریض کے دلین
تقویت اور تسکین پیدا ہو جاتی ہے ہاضمہ
مین تقویت آجاتی ہے بھوک بڑھ جاتی ہے اور قبض رفع
ہو جاتا ہے نیند آرام سے آتی ہے اور فرحت بخش
ہوتی ہے چہرہ بھر جاتا ہے لب سرخ آنکھین روشن اور جلد صاف
اور تنومند ہو جاتی ہے - بالون مین مضبوطی آجاتی ہے جس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ
اثر کرتی ہے - دنیا کے تمام حصون کے
باشندون اور فن طبابت
کے ماہرون کی ہزارون مستند شہادتون سے یہ عالمگیر فیصلہ بخوبی
ہو گیا ہے کہ سائنس کی تحقیقاتی دنیا مین فاسفورس کے کسی دوسرے
مرکب کو ایسی خاص صفت اور معززین کی قدردانی نصیب نہین ہوئی
خبردار
فاسفوڈائن کا نام قانون ٹریڈمارک
کے مطابق محفوظ کر لیا گیا ہے اسلیئے اسکی نقل و رنگ مین یا کسی
دوسری حیثیت سے فروخت کرنیوالون سے عدالتی چارہ جوئی کیجائیگی اس قسم
ایک دوا ہے جسکو کلکتہ کی نمائش واقع
ہندوستان بھر کے دوا ساز اور ادویہ فروش بحساب فی بوتل (خورد) (کلان) فروخت کرتے ہین
صرف ڈاکٹر لالور کی
"فاسفوڈائن لیبوریٹری" واقع ہیمپ اسٹیڈ - لنڈن انگلستان
مین بنایا جاتا ہے -
گنج لکھنؤ مین باہتمام محمد علی طبع ہوا

جا ئیست جہان نما ہر صفحہ درین

رجسٹرڈ نمبر ا ے ۸ ۷ ۴

الناظر

نمبر ۱۱	یکم مئی سنہ ۱۹۱۰ء	قیمت سالانہ عہ/

فہرست مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
نیکی وبدی یا عذاب وثواب	مولوی سید احمد دہلوی	۱
تنقید الکلام نمبر (۱) پر مختصر خیالات	مسٹر عبداللہ یوسف علی	۷
تصویر حسرت (نظم)	منشی ارتضی علی شہر کاکوری	۱۰
قومی زندگی	شیخ عبدالحکیم تبسّم ہوشیارپوری	۱۵
معتصم باللہ	منشی محمد حسین رنگین لکھنوی	۲۸
دور جدید (نظم)	خان بہادر سید اکبر حسین اکبر	۳۹
لیڈیز کانفرنس	زہرا بیگم فیضی	۴۰
آل انڈیا لیڈیز سوشل وایجوکیشنل کانفرنس	بنت مولوی وسیم الدین اوناوی	۴۲
بیجا اعتراض	علویہ	۴۴
آزادی نسوان	شہرزاد	۴۵
ریویو۔ عورتون کی صلاح کار۔ تبی جی کی خوشی		۴۷
نظرے خوش گذرے		۵۰

اڈیٹران

وصی الحسن علوی بی اے ایل ایل بی ظفر الملک علوی

بہ دیہ اسٹر (مالک اجناب منشی سعادت علی صاحب علوی سکریٹری فلاورملز لکھنؤ

دفتر رسالہ الناظر فلاور ملز لکھنؤ سے شایع ہوا

چار آنہ

فی پرچہ

اطلاع۔ جن صاحب کو پرچہ مہینہ کی ابتدائی تاریخون مین نہ پہونچے وہ براہ کرم فوراً نیازمند کو اطلاع دیا کرین۔ ظفر الملک علوی

یہ سب دوائین فقیرون کے مجربات ہین

دواخانہ مجربات جری بولی لکھنؤ

کی

ادویہ اپنے سریع الاثر اور کثیر المنفعت ہونیکی وجہ سے ہر حصہ ملک مین مشہور ہین

عرق ممیرہ - امراض چشم کے واسطے اکسیر الخاصیت - دافع نزول مار - جاذب رطوبات جالی - مقوی بصر - ہر طرح کی شکایات متعلقہ بصارت کا قطعی علاج اور ہر عمر کے آدمی کو یکسان مفید ہے - حالت صحت مین بھی اسکا استعمال بیحد فائدہ دیتا ہے - قیمت فی تولہ ۶ ؍

سفوف سامری - مقوی معدہ و اعصاب و دماغ و مولد خون صالح ہے - مثانہ اور گردہ کی بیماریون مین مفید ثابت ہوا ہے - اور سرفہ کہنہ ضیق النفس ورا ختلاج قلب کا دافع (خوراک ۲ رتی سے ۲ ماشہ تک) قیمت فی تولہ للعہ

حبوب بخار - تپ فصلی کے واسطے اکسیر کا کام کرتی ہین - بخار کی حالت مین بھی استعمال ہوسکتی ہین (خوراک ایک گولی) فی ڈبیہ جسمین ۱۲ گولیان ہوتی ہین ۴ ؍ ۴۰ گولیان ۸ ؍

حبوب تپ کہنہ و سرفہ کہنہ - یہ ایک نہایت بےمثل چیز ہے - مگر اسکے استعمال کیوقت سخت پرہیز کی ضرورت ہی کیسی ہی مزمن تپ ہو گیارہ دنمین اکسیر کا کام کرتی ہے اور ایک عجیب قوت پیدا کر دیتی ہے (خوراک ایک گولی) گیارہ گولیان ایک ڈبیہ مین فی ڈبیہ عہ

حبوب نادرہ - بواسیر کو مفید - دافع قبض - مصفی خون - اخلاط فاسد کی دافع چند روز کے استعمال سے بہت فائدہ ہوسکتا ہے - حکیم صاحب کی گولیان اور اس قسم کی سب ادویات کو مات کرتی ہے (ایک گولی سے پانچ گولی تک خوراک ہے) فی ڈبیہ ۳۲ گولیون کی قیمت عہ

روغن حیات - نادر الوجود چیز ہے - دافع قبض - مفرح - مفتح - مقوی معدہ

اس اشتہار کا مقصود درد مند اہل ملک کی ...

مقوی گردہ ومثانہ - مقوی اعصاب - مقوی دماغ - مولد خون صالح - مقوی جگر
دافع سلسل بول - عام طور پر تمام اعضائے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے -
۳ قطرہ سے ۳ ماشہ تک انتہائے مقدار ہے - قیمت فی تولہ صہ/

روغن بواسیر - بواسیر خونی وبادی دونون کے حق مین اکسیر مسّے پھولے
ہوے ہون لگاتے ہی فوراً مرجھا جائینگے اور مرض دفع ہو جائیگا -
قیمت فی تولہ عہ/

روغن دافع امراض گوش - ایک قطرہ ڈالنا چاہیئے - کان کے
تمام امراض - دانہ اور درد کے واسطے نہایت مفید ہے - اکسیر کی خاصیت رکھتا ہے
قیمت ایک تولہ عہ/ دو تولہ عہ/ تین تولہ عما/ پانچ تولہ سے/

ان چند ادویات کے علاوہ کارخانہ مین صدہا قسم کے اعلیٰ سے
اعلیٰ مجربات تیار رہتے ہین - اور چونکہ اکثر ادویہ مریض کی حالت پر لحاظ کرکے
تجویز کی جاتی ہین - لہذا جو صاحب خط وکتابت کے ذریعہ سے
اپنے مفصل حالات سے مطلع فرمائینگے مرض اُنکا چاہے کیسا ہی سخت
اور کٹھن کیون نہ ہو ہم دعوے کیساتھ اُن کو اپنے مجربات سے فائدہ پہونچانیکے
واسطے تیار ہین - نمونہ کے طور پر معمولاً جملہ ادویہ صرف ۱ر ٹکٹ آنے پر
روانہ کی جاسکتی ہین -

ترکیب استعمال وپرہیز ہر دوا کے ہمراہ روانہ ہوگی - محصول ڈاک و
وی پی ہر صورت مین ذمہ خریدار رہے گا -

پروپرائٹر - جناب منشی محمد احتشام علی صاحب رئیس و مالک
کارخانہ آئس فلاور اینڈ آئل ملز - لکھنؤ -

جملہ فرمائشات - مینیجر دواخانہ مجربات جڑی بوٹی - لکھنؤ کے پتہ سے آنا چاہئین -

نمبر ۱۱ یکم مئی سنہ ۱۹۱۱ء

نیکی و بدی یا عذاب و ثواب

دنیا مین کوئی مذہب ایسا نہین ہے جسنے ان دو مفید و غیر مفید پہلوؤن کو اپنے ہان اصولاً قایم نہ کیا ہو۔ ہر ایک مذہب کی بنیاد انھین دو باتون پر رکھی گئی ہے۔ اگر آسمانی کتابون کے ذریعہ سے احکام پہونچے ہین تو اور جو وحی۔ القا و الہام کے وسیلہ سے آوامر و نواہی کی تفصیل بیان ہوئی ہے تو سب کا منشا بدی سے نفرت اور نیکی سے رغبت دلانے کے سوا دوسرا نہین ہے۔

نیکی کا اجر جنت۔ بدی کا بدلہ دوزخ قرار پایا ہے۔ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ نکوکاری کی جزا نجات اور بدکاری کی سزا عذاب ہے۔ جسکا آخرت مین فیصلہ ہوگا۔ عیسائی بھی دوزخ اور جنت کے قائل ہین نیکی کا بدلہ ابدی موت سے چھٹکارا۔ اور خدا تعالیٰ کی بادشاہی یعنی جنت مین داخلہ ہے۔ اسی کو وہ حیات ابدی سے تعبیر کرتے ہین۔

موسائی یعنی عاملان توریت ثواب سے مال و منال مین برکت اور عذاب سے عقبیٰ کی ذلت و خواری مراد لیتے ہین۔ بودھ مذہب والے نروان کو نجات کہتے ہین۔ یعنی اُن کے نزدیک فنائی ابد اور نیست ہوجانا اصل مُکتی ہے جس مین آواگون کی دوامی کشمکش سے نجات ملے۔ عام ہندو تپشیا یعنی روحی یا قلبی عبادت کے طفیل برہمن کے گھر مین جنم لینے اور پھر دوسرے

جنم مین کسی چھوٹی یا بڑی ریاست کا راجا بن جانیکو صلہ نیکی ٹھیرا تے ہین۔ اس حساب سے اسلامی ریاستونکو نکال کر کل ہندو ریاستین اُنھین لوگونکی ہین۔ جنھون نے تپشیا کر کے اول برہمنون کے ہان جنم لیا اور پہر گدی سنبھالی۔

ہمین خوب یاد ہے کہ ۱۸۸۵ء مین جب ہم مہاراجہ الور راؤ راجہ منگل سنگھ آنجہانی کا سفرنامہ لکھ رہے تھے اور لالہ سریرام صاحب دیوان الور کی کوٹھی مین مقیم تھے۔ تو ایک جوتشی صاحب نے ادنسے نہایت وثوق کے ساتھ بیان کیا۔ کہ اگلے جنم مین تم پنجاب کی اُس ریاست کے جو ستلج پار واقع ہے راجہ تھے اور اب پھر تمہین راجہ ہی ہونا چاہیے تھا۔ اگرچہ دیوانی بھی راجائی سے کم نہین۔ مگر تم پھر کہین نہ کہین سے گدی نشین ہونے والے ہو۔ دیوان صاحب گو نہایت دانشمند۔ ایم۔ اے کے سب سے اول گریجویٹ اور بظاہر ان باتون کا صریح اقرار نہین فرمایا کرتے تھے۔ مگر دل مین یقیناً اس امر کو تسلیم کر کے بہت خوش ہوتے اور جوتشی جی کی حد سے زیادہ آو بھگت فرماتے اور کہتے کہ دیوان ننوُمل جی ہمارے ہی خاندان کے تھے۔ جنکو ریاست پٹیالہ مین براے نام وزارت مگر درحقیقت والئی ریاست کا درجہ حاصل تھا۔ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ بات ضرور مانی ہوئی ہے۔ کہ تپشیا کا نتیجہ اگلے جنم مین سلطنت یا ریاست کا وسیلہ ہے۔ خیر۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا اب اصل مضمون کیطرف پھر رجوع کیجاتی ہے۔

تمام مذاہب اس امر پر متفق اور ہم خیال ہین کہ نیکی اور بدی ضرور کوئی چیز ہے۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ جتنے کام ایک مذہب مین ثواب خیال کئے جاتے ہین۔ دوسرے مین وہ سب کے سب یعنی پورے پورے اس درجہ پر نہین مانے جاتے۔ اس اختلاف پر غور کرنے سے ایک عجیب الجھن اور حیرانی رونما ہوتی ہے۔ کہ اصل نیکی کو کہان تلاش کرین۔ کیونکہ نیکی کرنا ہر ایک مذہب مین ضروری اور لابدی ہے۔ اب اگر یہہ فیصلہ کیا جاے کہ ہر شخص جس مذہب مین ہے اُس مذہب کی روسے جو کام نیک ہین وہ کئے جائین تو

اس صورت مین نیکی و بدی فرضی بلکہ محض اعتباری امور قرار پائین گے۔ جنہین ڈھکوسلے سے تعبیر کر سکتے ہین۔ اگر یہ تصفیہ کیا جائے کہ اول تمام ادیان کی تحقیق کرین۔ اور نظر انصاف جس دین کو حق ٹھیرائے اُسی کو قبول کرلین۔ اور جو کام اس مذہب مین نیک ہین۔ وہی حقیقت مین نیک مانے جائین۔ جو بد ہین وہ بد خیال کئے جائین تو یہ امر نہایت دشوار ہے اور بالفرض اگر کوئی شخص اس پر عمل پیرا ہو بھی جائے۔ تو اس صورت مین بھی نجات ممکن نہین۔ کیونکہ ہر ایک دین کئی کئی فرقون مین منقسم ہے۔ اور ہر ایک فرقہ صرف اپنے ہی طریق کی حقیقت کا مدعی ہے۔ لو فرضاً کوئی شخص تمام فرقون کے مسائل پر عبور کرلے تو پھر بھی کیا حاصل۔ یعنی حق کو باطل سے کس طرح تمیز کریگا۔ کیونکہ اس زمانہ مین کوئی اہل مذہب کچھ معجزہ تو دکھا سکتا نہین۔ اگر کسی مذہب مین پیر و مرشد مشایخ و شیوخ ہین بھی۔ تو وہ اپنے مریدون ہی کو کراماتین دیکھا سکتے ہین۔ جنہین آمنا و صدقنا کہنے کے سوا چارہ نہین۔ اگر یہ نہ کہین تو راندۂ درگاہ ہو جائین پھر دین مین ٹھکانا رہے نہ دنیا مین۔ پیر کی پھٹکار ہر جگہ سے دھتکار دلوائے۔ کہتے ہین کہ مسیح علیہ السلام بھی بے ایمانون کو معجزہ نہین دکھایا کرتے تھے۔ اگر اگلے زمانہ کے معجزونکا اعتبار کیا جائے۔ تو یقیناً تمام اہل مذہب اتنے معجزون کی روئیدین سنا دین کہ شاید معجزہ کے معنے خرق عادت کے بجائے حسب عادت بیان کرنا موزون ہون۔ اور اُنہین سنکر طالب حق کے ہوش اڑ جائین۔ (معجزون کی یہ تاثیر ابھی تک باقی ہے)

جب یہ کیفیت پیش آئی کہ دین حق کا دین باطل سے تمیز کرنا ناممکن ہوا۔ تو لامحالہ تحقیق حق کا راستہ مسدود اور انسان بالکل آزاد ہوگیا۔ اب چاہے سو کرے۔ دنیا مین نیکی و بدی کوئی چیز نہ رہی۔ لیکن یہ شیطانی وسوسے ہین خدا ان سے بچائے اور راہ راست پر لائے۔

ہمارا خدا۔ ہمارا خالق۔ ہمارا احکم الحاکمین۔ ایسا نامہربان۔ ناانصاف۔ اور قہر آگین

نہین ہے۔کہ اپنے بندون کو گمراہی سے بچانے اور راہ راست دکھانے کیواسطے کوئی سبیل
نہ نکالے۔اس نے اپنے ہرایک بندے کو ایک ایک ترازو کہو یا میزان عدل اور اسکے
جانچنے کا ایک ایک بٹ عطا فرمایا ہے۔پس انسان کو مناسب ہے کہ اس میزان کے
ایک پلڑے مین اس سنگِ میزان یعنی قدرتی بٹ کو رکھے۔اور دوسرے مین جس چیز کو
تولنا ہو اُسے رکھے۔اور آنکھ بند کر کے تول لے۔جو وزن مین برابر نکلے وہ حق ہے اور
جسمین کمی و بیشی ہو وہ باطل۔

یہ سنگ ترازو قانون قدرت ہے۔جسے نیچر یا فطرت بھی کہتے ہین۔اور میزان قوت
متفکرہ ہے مگر ساتھ ہی اس بات کا لحاظ بھی ضرور ہے۔کہ جسطرح وہ مسبب الاسباب اپنے
افعال کی ترکیب کے لیئے تمام ضروری سامان پیدا اور مہیا کردیتا ہے۔اسی طرح پیغمبرون کا
بھیجنا بھی انسان کی تکمیل ہدایت کے لیئے اسی قانون قدرت سے وابستہ اور
اسکے ماتحت ہے۔اس امر کا انکار گویا قانونِ قدرت کا انکار بلکہ عین کفر و ضلالت
کا اظہار ہے۔

اگرچہ نافہم اس موقع پر یہ اعتراض کرسکتے ہین کہ جس حالت مین ہرایک انسان کے
پاس میزان اور سنگ ترازو موجود ہے۔تو پھر ہادی یعنی پیغمبر کی کیا ضرورت ہے
اسکے دو سبب ہین اول تو یہ کہ ہرایک شخص اس میزان کا استعمال نہین جانتا۔ٹھیک
ٹھیک وہی تول سکتا ہے جس نے برسون ترازو اُٹھائی ہو۔اور تول جوکھ کی نکاس سے
بخوبی واقف ہو۔پس اِسکے واسطے ایک آگاہ کرنے اور جتانے والے جگت اُستاد کی
ضرورت ہے۔دوسرے یہ کہ بیشک میزان تو ہمارے پاس موجود ہے۔مگر ہم تولینگے
اُسی چیز کو جو ہمین معلوم اور ہمارے پاس ہوگی جس چیز کا ہمین علم ہین اسے کسطرح
تول سکین گے۔لہذا اس قسم کی باتین وحی یا صاحب وحی کے ذریعہ سے انسان کو
بتائی اور سکھائی جاتی ہین۔اور یہ ہمیشہ وزن کرنے پر پوری اُترتی ہین۔اور جو باتین

بمقتضائے بشریت اسمین ملجل جاتی ہین انہین یہ میزان جُدا کرکے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی دکھادیتی ہے۔

جسطرح حق وباطل مین تمیز کرنیکے واسطے قوت متفکرہ کا ہونا ضرور اور لازم ہے اسی طرح بعض غیب کی باتونکو ظاہر کرنیکے واسطے بھی صاحب وحی کا ہونا لابدہے اور یہی فطرت کا مسلہ ہے۔

جن لوگون نے مصراور یونان کی قدیم تاریخون پر نظر ڈالی ہے۔ وہ پیغمبرون کے آنکی ضرورت بآسانی محسوس کرسکتے ہین۔ اِن کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گو یہ دونون ملک بہت پرانے زمانے مین نہایت ترقی اور عروج کی حالت مین تھے اور ہرایک قسم کے عالم۔ دانا۔ حکما۔ وہان موجود تھے۔ مگر خدا تعالے کی ذات وصفات کے علم اور موت کے بعد کی حالت سے ایسے بے خبر۔ ناواقف اور ناآشنا تھے۔ کہ اُن مین سے کوئی شخص بھی ان مسائل کی نسبت کوئی پختہ رائے قائم نہین کرسکتا تھا سب کے سب تذبذب اور ایک اُدھیڑبن مین پڑے ہوئے تھے۔ اگرچہ فن تعمیر فن نقاشی اور سنگتراشی وغیرہ کے ایجاد مین ابنائے زمانہ سے سبقت لیگئے مگر ان سب سے دقیق مسائل کے علم مین جو اخلاق حسنہ کی بنیاد ہین۔ اگر کوئی سبقت لے گیا تو عرب کی ایک وحشی قوم کا اُمّی لقب ہی لے گیا اور ایسے ایسے نامیون مین سے کوئی اُسکا پاسنگ بھی نہ نکلا۔

خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ اُس نے انسان کے واسطے من کل الوجوہ کمال حاصل کرنے کے اسباب مہیا کردئے۔ اب بھی اگر کوئی اپنی غفلت سے گمراہی و ضلالت کیطرف جائے تو بیشک وہ شخص مستحق سزا اور واجب التعزیر ہے۔

یہانتک تو سزا اور جزا کا مذہبی پہلو سے ذکر تھا۔ اب ان لوگون کی رائے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ جو سزا اور جزا یعنی عذاب و ثواب کو فلسفیانہ نظر سے دیکھتے ہین۔

خدا تعالےٰ کو قادر مطلق اور واحد برحق جانتے ہین اسمین کچھ کلام نہین انکے نزدیک راحت کا نام ثواب یا بہشت ہے۔ تکلیف کا نام عذاب یا دوزخ ہے ٭ بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ٭ کسے را باکسے کارے نباشد۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی مانتے ہین

٭ از مکافات عمل غافل مشو ٭ گندم از گندم بروید جو ز جو۔

وہ کہتے ہین ہر کام کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور نتیجہ دراصل اس کام کا ہی لب لباب یا نچوڑ ہوتا ہے۔ کسی اور جگہ سے پیدا نہین ہو جاتا۔ ہندی کہاوت ہے۔ کہ آگ کھائیگا سو انگارے ...... گا۔ اُن کے نزدیک عذاب وہ مصیبت ہے جو کسی خلاف نیچر یا خلاف عادت کام کرنے سے جسم خواہ روح پر وارد ہوتی ہے۔ جسم پر وارد ہونا جسمانی تکالیف کا باعث ہے۔ روح پر وارد ہونا روحانی انقباض کا سبب۔

جسطرح موسم سرما مین مُنھ کی بھاپ جسم کی کثافت سے مکدر ہو کر ایک دخانی شکل پیدا کرتی ہے۔ اُسی طرح روح بھی اپنی لطافت کے برخلاف امور کے پیش آنے سے ملوث ہو کر دھندلی پڑ جاتی ہے۔ جس طرح دھوبی میلے کپڑون کا میل کچیل پتھر پر پھٹکارنے سے نکالتا اور کپڑے کو اجلا کر دیتا ہے۔ اسی طرح ریاضت۔ یا فکر و غم جو معناً مصیبت ہے روح کے واسطے سوہان روح بنکر ریگ مال کا کام دیتا۔ اور روح کو منور و مجلا کر دیتا ہے اس مجلا ہونے مین جو کوفت یا تکلیف یا انقباض حاصل ہوتا ہے۔ اسی کا نام عذاب ہے جب میل ہی نہ ہوگا تو دھوبی کس چیز کو نکالے گا۔ اور کیون اُسے پھٹکاریگا۔ یا یون سمجھو کہ دریا کا پانی جسطرح جھلولے کھا کھا کر صاف اور نرمل ہو جاتا ہے اسی طرح روح یہان یا وہان تحرک پا پا کر صاف اور شفاف ہوتی ہے۔ جسقدر روح کو لطافت حاصل ہوتی ہے۔ اُسی قدر صعود کرتی چلی جاتی اور اعلیٰ علیین کو پہونچ جاتی ہے۔

اگلے حکماء کا خیال تھا کہ آسمان پر جو ستارے چمک رہے ہین۔ یہ انسانونکی پاک روحین ہین جسقدر انھین لطافت اور سبک روحی حاصل ہوئی ہے۔ اسی قدر

بلندی پر پہونچی ہین -

یہ لوگ دوزخ کو کوئی محدود مکان اور جنت کو حور و غلمان کا مسکن نہین مانتے لیکن ہم جب تک اپنے مین اتنی عقل نہ پائین - کہ قرآن مجید اور احادیث نبوی کی بارکیون اُسکی رمزون اور نکتون تکو پہونچین - ہمین صدق دل سے ان پر ایمان لانا اور عاقبت مین سرخرو ہوکر جانا چاہیئے - نجات بیشک توحید کے ماننے اور نیکیون کو عمل مین لانے پر منحصر ہے - فقط

سید احمد دہلوی

تنقید الکلام نمبر (۱)

پر

مختصر خیالات

مارچ کے الناظر مین الکلام پر جو تنقید ہمنے شایع کی اوسکے متعلق اکثر احباب بہی خواہان الناظر اور بعض مشاہیر اہل قلم نے اپنے خطوط مین مختلف حیثیتون سے بحث کی ہے ہم پرائیوٹ خطوط کو سوا اس صورت کے کہ اونکی اشاعت ناظرین کی دلچسپی یا اونکی معلومات مین اضافہ کرنیکا ذریعہ ہوسکتی ہو اور راقم کی اجازت بغیر شایع کرنا پسندیدہ نہین خیال کرتے ہو جس سے ان کثیر التعداد خطوط کو جنمین زیادہ حصہ تعریفی خطوط کا ہے نظر انداز کرکے ذیل مین صرف وہ خط درج کرتے ہین جو ملک کے مشہور اہل الرائے مسٹر عباس احمد بیدی سی آئی ایس نے اس بارہ مین ہمین لکھا ہے - ہم جناب موصوف کے شکر گذار ہین کہ اونہون نے افسر ضلع کی اہم ذمہ داریون اور کلکٹری کے کثیر مشاغل کے باوجود الناظر کے اوس طویل مضمون کو بالاستیعاب پڑھنے اور اوسکے متعلق ایسا سبق آموز خط لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائی -

اصل خط انگریزی مین تھا ترجمہ مین حتی الامکان اسکی کوشش کیگئی ہے کہ اوسکا صحیح مفہوم ادا ہوجانے اور الفاظ کی ترتیب اور جملون کی نشست مین اصل سے پوری مطابقت بھی قایم رہے - لیکن ترجمہ پھر ترجمہ ہے اگر کسی مقام پر صاحب تحریر کا صحیح منشا نہ ظاہر ہوا ہو تو ہمکو قوی امید ہے کہ صاحب موصوف اوسکی اصلاح فرمائینگے - ایڈیٹر

جناب من - مولانا شبلی کے فلسفۂ مذہب پر تنقید قابلیت سے لکھی گئی ہے مگر مین نہین کہ سکتا کہ مجھے اوس سے کلی طور پر یا اوسکے خاص دعاوی سے ہی اتفاق ہے۔ راقم کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ مولانا کو یوروپین مصنفین۔ یوروپین علوم یا یوروپین فلسفہ کے متعلق براہ راست واقفیت نہین ہے مولانا شبلی کو براہ راست معلومات ہونیکا دعویٰ بھی نہین ہے۔ برخلاف اس کے جو لوگ ایسی معلومات رکھتے ہین جنھین میرے نزدیک راقم تنقید کا بھی شمار ہونا چاہئے۔ اونکے لئے یہ امر نہایت مسرت بخش ہونا چاہئے کہ مولانا کے سے مشرقی علوم کے متبحر عالم جنکا قدیم طرز کے علما مین بہت اقتدار ہے اوس گوشۂ عافیت سے نکلکر جسکی ایک زمانہ نے قدر کی ہو اپنے حریفون سے اوسی میدان مین زور آزمائی کرنیکو طیار ہون جو گروہ آخر الذکر نے منتخب کیا ہو۔

اگر مین نے راقم تنقید کا مفہوم صحیح طور پر سمجھا ہے تو اون کا خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب و سائنس اپنی فطرت ہی مین ایک دوسرے کے مخالف ہین اور اس سے قدرتی طور پر یہی نتیجہ اخذ ہوگا کہ مذہب و سائنس کے درمیان انتخاب کیا جائے۔ دوسرے الفاظ مین اگر سائنس کا اتباع کیا جائے اور اگر اوسکی [illegible] دنیا مین اوسکی تعمیاتی تسلیم کرلی جائے تو راقم تنقید کہین گے کہ مذہب کو بادر ہوا سمجھنا چاہئے۔ راقم تنقید کے استدلالات مین سے بعض نہایت سطحی مین اور اونپر تفصیلی بحث کرنیکے لیے اس سے زیادہ وقت درکار ہے جتنا کہ مین اسوقت دے سکتا ہون۔ لیکن میرے خیال مین اون کے استدلالات کی تہ مین اصلی مغالطہ یہ ہے کہ اونھون نے مذہب کی جو تعریف کی ہے وہ اصولی طور پر اوس تعریف سے مخالف ہے جسپر وہ لوگ یقین رکھتے ہین جو مولانا شبلی کی طرح مذہب و سائنس کے درمیان مطابقت دینا چاہتے ہین۔

اگر یہ کہا جائے کہ کسی مقتدائے مذہب کی زبان سے نکلے ہوئے یا کسی مذہبی کتاب مین لکھے ہوئے ہر لفظ کا مطلب اوسکے لفظی معنون سے نکالنا چاہئے تو اس سے ہم اسی قسم کی غلطی مین مبتلا ہو جائین گے جیسے کہ اوس شخص کو جھوٹا بنانے سے جسنے رات کے وقت یہ کہا ہو کہ آفتاب غروب ہو گیا کیونکہ اوسکو تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ آفتاب ہمارے طول البلد پر نہین دکھائی دیتا۔ لیکن اگر کسی

بچہ کو سلاتے وقت یہی فقرہ کہا جائے تو خیال کرو کہ کیا نتیجہ ہوگا۔ میرے خیال مین تو کوئی بڑے سے بڑا ہیئت دان بھی ایسا نہ کہہ سکیگا۔ بچہ ہو یا کوئی دوسرا شخص ہیئت دان قدرتی طور پر وہی طرز گفتگو اختیار کریگا جو اُس موقع کیلئے مناسب ہو اور جس سے سننے والا صحیح مفہوم سمجھ جائے اور دہوکے مین نہ پڑے۔ شاعر بھی ادائے بیان مین ایسا ہی طرز اختیار کریگا اور ہر شخص جویائے حق سمجھ لیتا ہے کہ مفہوم اصلی کیا ہے۔ میرے خیال مین مذہب نتائج قیاسی اخذ کرنیکا نہ دستور نامہ ہے اور نہ مادی حقیقتوں کے دریافت کرنیکا آلہ۔ بلکہ ایک ایسا تعلق اور ایسا نظام ہے جو آدمیون کو معاشرتی اور اخلاقی طور پر متحد اور انھین دنیا کے کامون مین سطح پر مصروف رکھتا اور اس قابل بناتا ہی کہ وہ اپنے آپ سے سچے رہ سکین اور دوسرون کے ساتھ انصاف اور خلوص کا برتاؤ قائم کرین۔ مذہب اور سائنس یا فلسفہ کے درمیان لازمی مخالفت کہان ہے؟ مذہب کا نام جہان کہین بیجا طور پر استعمال ہوتا ہے جیسا کہ زمانہ گذشتہ مین اکثر ہوا ہے تو صرف اسوجہ سے کہ وہان مذہب کے متعلق لوگ غلط خیالات رکھتے ہین۔ لیکن اس سے اون لوگونکا سفھکہ اوڑانا جائز نہین ہو سکتا جنکے منشائے اعلیٰ مین مذہب۔ حیات۔ قانون قدرت۔ سائنس۔ فلسفہ اور حق مین اتحاد پیدا کرنا بھی داخل ہے۔

عبداللہ یوسف علی

سوالات علمیہ

(الف) عقل کیا چیز ہے؟

(ب) صرف انسان ہی عقل رکھتے ہین یا حیوانات بھی۔

(ج) انسانی عقل اور حیوانی عقل مین کیا فرق ہے؟

(د) انسانی عقل کا مستقر کونسا جزو یا عضو انسان ہے؟

(ہ) اگر کوئی مستقر ہے تو بروے تجربات سائنس اسکا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے؟

(و) اگر ایسا مشاہدہ نہین کیا جاسکتا ہو تو کیا اسکا وجود صرف اعتبارات سے ہی جانا جاتا ہے؟

(ح) بے عقلی کا بھی کوئی مستقر ہے؟

(ط) عقل واحد ہے یا متعدد؟

(ی) بصورت واحد ہونیکے تفاوت کیون اور بصورت متفاوت ہونیکے نقص کیا ہے؟

سائل

موہوم

تصویر حسرت

ترجمہ

اسمتھ اینڈ میری

(از محمد ارتضا علی شرر علوی۔ کاکوروی)

السنہ مشرقی کے ایک عالم ہندی فوج کے پادری نے اپنی انگریزی نظم "اسمتھ اینڈ میری" دسمبر سنہ ۱۹۰۸ع کے "انگلش میگزین" مین شایع کرائی تھی جسکے مضمون کی چست بندش اور اسکے مضمون کی دلفریب طرز ادا۔ محاورہ کی شستگی اور زبان کی سادگی نے اس بلا کی کشش پیدا کی کہ قدرشناس پبلک کی توجہ اوسکی طرف فوراً مائل ہوگئی اور قدر افزائی کی حدیان تک پہونچی کہ مخزن مذکور کی گیارہ ہزار کاپیان معمول سے زیادہ ہاتھون ہاتھ فروخت ہوگئین۔

ستمبر سال گذشتہ مین ہمارے ایک "زندہ دل" قابل ادیب۔ پنجابی دوست کو اوسکے ایک انگریز دوست نے جسنے اس نظم کے آخری سین کو بچشم خود دیکھا تھا کچھ ایسا مشتاق نظم بنادیا اور اوسکے علم دوست دل مین اس درجہ تک آتش شوق بھڑکا دی کہ آپ پنجاب بھی اوسے فرو نہ کرسکا اور دوست ممدوح نے فوراً ہی مالک مخزن کو تار دیا اور وہ نظم دوسری میل مین لاہور پہونچی اور وہان کچھ دنون مشتاق ہاتھون مین رہکر میرے پاس آخر نومبر سنہ ۱۹۱۰ع مین بغرض ترجمہ اس تاکید شدید کے ساتھ بھیجی گئی کہ ایک ہفتہ کے اندر اردو نظم مین ترجمہ کرکے بھیجون۔

مین نے لاکھ عذر کئے کہ بھائی جان اب میری مشق وہ نہین ہے جو ۱۳-۱۴ برس پہلے تھی ہموم کار سرکار نے قافیہ تنگ کر رکھا ہے شعر موزون ہون تو کیونکر مگر وہ کب ماننے والے تھے۔ ہر ہفتہ مین ایک "کہدی پوسٹ کارڈ موجود اور کچھ نہین تو صرف "یاد دہانی" ہی اوسپر تحریر آخر جب مین نے دیکھا کہ وہ "زندہ دل دوستان" کا اخلاقی جرم مجھپر عائد ہونے والا ہے اور بجز تعمیل ارشاد کوئی اور چارہ کار نہین تو مجبور ہوکر مین نے کچھ شب کا وقت اس کے لیے نکالا مختصر یہ کہ

ایک ماہ کے اندر خدا خدا کر کے یہ مشکل ورژن ختم ہوا۔

چونکہ نظم انگریزی ایشیائی مذاق سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اس لیئے ترجمہ میں ضرور آسانی ہوئی۔ اب رہی یہ بات کہ جو لباس اردو پہنایا گیا ہے وہ موزون اور زیبا ہے یا نہیں، اسکا تصفیہ دقیقہ رس پبلک پر جو ترجمہ کی وقت سے واقف ہے چھوڑا جاتا ہے۔

بالفعل یہ نظم اس پرچہ مین شائع کرائی جاتی ہے بعد دیگر تراجم کے ہمراہ کتاب کی صورت مین شائع ہوگی۔ انشاءاللہ تعالے۔

خنجر کاکوروی

(۱)

اسوقت ہے صاف چرخ اخضر بادل بالکل نہین ہین اوپر چھٹکے ہوئے ہر طرف ہین تارے ظاہر ہوتے نہین اشارے

غالب نور قمر ہے اُن پر مدھم ہے وہ روشنیٔ اختر ہے اصل مین شب کا رنگ کالا اوسپر ہے چاندنی کا غازہ

چھٹکی ہوئی چاندنی کا عالم سبزے پہ نمی نزول شبنم کچھ کچھ باد سبک مین سردی خالی نہین لطف سے مزے کی

دیکھو ہے عجیب سین دلکش شب ہے یہ کوئی حسین مہوش بجلی کا چراغ جل رہا ہے نوری چشمہ اوبل رہا ہے

بند آنکھین ہون گر ہماری دیکھین قدرت کی دستکاری صانع کے بغیر کب ہے صنعت منکر نہین صاحب بصیرت

(۲)

وہ سامنے باغ عامہ ہے بو سے مخلوط شامہ ہے دیکھو وہ بھی یہان وہان ہین بنچین رنگین کرسیان ہین

بیٹھے کچھ لوگ کچھ کھڑے ہین کچھ گھاس کے فرش پر پڑے ہین سرگرم مئے جوان رعنا ہے اونکے بغل مین ہاتھ مس کا

باتین لطف و مذاق کی ہین کچھ شوق کی اشتیاق کی ہین گپ شپ کوئی اوڑا رہا ہے باجہ کوئی بجا رہا ہے

ڈھلتی ہے شراب ارغوانی اک آگ لگا رہا ہے پانی بچتے نہین آگ سے غضب ہے اونکو خوف عذاب کب ہے

اہل اسے فرنگ چیدہ چیدہ قد ہین موزون جبین کشیدہ چوٹی ہے گندھی کھلی ہوئی بال ہر ایک کا مختلف سن و سال

ہے کوئی چمن خزان رسیدہ تختہ کوئی بہار دیدہ آمد ہے بہار کی کسی مین کھلنے کی علامتین کلی مین

کھولے ہوئے شوق اپنا آغوش عفت سے مگر دبا ہوا جوش وہ کون ہین وہ جوان دو شیزہ اُنمین ہر ایک حسن مین فرد

مسٹر اسمتھ ہی ایک کا نام　　زن ہے میری حسین گلفام　　اسمتھ کا باپ ہی زمیندار　　نامی زردار نیک اطوار

وقعت سرکار مین ہی اُسکی　　دیتے ہین بادشاہ کرسی　　اسمتھ تنہا ہے اوسکا بیٹا　　عمدہ اخلاق کا نمونا

فوجی کالج سے پاس ہوکر　　اب فوج مین ہند کی ہی افسر　　پلٹن مین ہے گورکھون کی کپتان　　شہ زور شجاع فوج کی جان

میری لڑکی ہی پادری کی　　تعلیم ہوئی ہی جس کی اچھی　　باعصمت و خوبرو ہنرمند　　ہی باپ کی وہ عزیز دلبند

اچھے اخلاق نیک عادت　　جیسی صورت ہی ویسی سیرت　　اسمتھ کو نکاح پر ہی اصرار　　میری کرتی نہین ہی اقرار

کہتی ہی کہ جاو کچھ کرو کام　　جس سے ہو بلند قوم کا نام　　دنیا مین ہو نیک نام شوہر　　بی بی کو ہو فخر و ناز جسپر

یہہ آپکا زر نہین ہی مطلوب　　ہے شہرت لازوال محبوب　　انگلینڈ مین سب ہین تیرے زردار　　مشہور ہوے ہین جنکے ہتھیار

اسمتھ کہتا ہے خیر اچھا　　جاتا ہون کرون گا نام پیدا　　کیا نام پہ ٹھہری ہی شادی　　جب نام کرونگا تب کروگی؟

میری کہتی ہی کچھ نہین عار　　کرتی ہون مین صاف صاف اقرار　　نامی اسمتھ کے ساتھ شادی　　ہوگی بے شک ضرور ہوگی

(۳)

ہے پیش نگاہ ایک کہسار　　کوسون تک پتھرون کے انبار　　کہسار یہہ وحشیون کا ہی گھر　　وحشی وہ جنکے دل ہین پتھر

خونخوار نہین فقط وہ بد ہے　　انسان کہین ہین اس سے بڑھکے　　جاہل بدعہد ہین زناکار　　موقع پاکر چرائین ہتھیار

احسان کرو بناو مہمان　　کھانا بھی کھلاو اور دو جان　　ہین یار ابھی ابھی ہین دشمن　　رہتے ہین یہہ بدگمان و بدظن

دولت کی ہی حرص انکا مذہب　　ہوسکتے نہین کبھی مہذب　　لڑتی تھی غرض یہہ قوم وحشی　　شائستہ سپہ مقابلے کی

اسوقت ہوئی ہی ختم پیکار　　بھاگی ہی یہہ قوم رکھکے ہتھیار　　گو جلد ہوئی ہی سر لڑائی　　ہوگی بار دگر لڑائی

مضبوط کمان ہین انکے پیمان　　انسان نہین یہہ قوم حیوان　　موقع پاے گی تا پڑی گی　　دہوکا دے کر یہ لڑی گی

القصہ قریب آگئی شام　　فوجین سب ختم کر چکین کام　　ہوتے جاتے ہین دفن مردے　　محتاج ہین غسل کے کفن کے

ہی وقت عجیب بیکسی کا　　ماتم کو نہین بیان اعزا　　ہوتے ہین علاج زخمیون کے　　ان کے سب سے جدا ہین خیمے

مجروح پڑا ہے ایک افسر　　ہی خون سے لالہ زار بستر　　افسوس ہوا ہی سخت زخمی　　امید نہین ہے زندگی کی

ہین جمع قریب خاص احباب　　ہی اسکو سکون وہ ہین بیتاب　　کرنے آیا تھا جنگ مین نام　　مسٹر اسمتھ وہی ہی ناکام

میری کو لکھ رہا ہی نامہ　　کاغذ پہ ہی اشک ریز خامہ

خط

اے سب سے عزیز پیاری میرا   حالت سن لو ہماری میری   کل حال جلال لکھ چکا ہون   اپنا سب حال لکھ چکا ہون

ہی آج یہہ راے ڈاکٹر کی   حالت میری نہین ہے اچھی   اچھے ہون گے نہ زخم کاری   رحلت دنیا سے ہی ہماری

حالت ہو خراب یا ہو اچھی   مجھکو پروا نہین ہی اس کی   جتنا تھا کام ہو چکا ہے   سب کام تمام ہو چکا ہے

جنرل ہو وقت فوج کا ہون   بستر پر جان بلب پڑا ہون   مرتا ہون مگر ہی شادمان دل   فوجی شہرت ہوئی ہے حاصل

بچنے کی نہین ہی مجکو امید   ہی شکر رہون گا زندہ جاوید   شادی نہوئی ہوا ہے گمنام   دنیا سے مین چلا ہون ناکام

ہو گئے سب منتظر میرے یار   سامان نشاط ہوگا تیار   پیارے والد عزیز احباب   کیا دیکھتے ہونگے جشن کے خواب

کہدو کہ نہین تمہارا ہاتھ   ہے زیر زمین تمہارا ہاتھ   رخت شادی کفن ہی اوسکا   کنج مرقد چمن ہے اوسکا

کمرہ سونے کا یہہ زمین ہے   اُمید کچھ اور اب نہین ہے   صد شکر ہوئی ہی بات پوری   چلنے کے وقت جو کہی تھی

مین نے جو کہا تھا کر دکھایا   شادی کا نہ وقت آہ آیا   ہین خواب خیال عیش و عشرت   حاصل تربت مین ہوگی راحت

مرنے کا نہین ہی کچھ مجھے غم   اس بات کا ہی خیال ہر دم   میری کو بہت ملال ہوگا   رو دے گی خراب حال ہوگا

فوجی افسر کی ہو منگیتر   قابو رکھنا تم اپنے دل پر   صدمہ جتنا ہو او سکو سہنا   حال دل غمزدہ نہ کہنا

اتنا تو کرو ضرور اقرار   تربت پہ مری چڑہاوگی ہار   کہنا یہہ لحد پہ یار صادق   تھا قول تمہارا عہد واثق

شادی کرنے کا حق تھا حاصل   خون ہو گئی ہاے حسرت دل   صد حیف اجل نے دی نہ مہلت   کہہ کے ہم لے گئی قسمت

ہونے پائی نہ ختم تحریر   ہاتھ کو رہی نہ تاب تقریر   ہچکی آئی نکل گیا دم   دم بھر مین نظام تن تھا برہم

دل تھام کے رہگئے سب احباب   جو کچھ دیکھا تھا ہو گیا خواب   جاتا رہا اعتبار ہستی   تھے ہیچ خیال اوج و پستی

(۴)

پھر ہے وہی سبز سبز کہسار   ہے دامن کوہ مثل گلزار   وحشت مین ملی ہوئی ہے فرحت   گرما مین ہی سبزہ ہمہ دقت

چھوٹے چھوٹے پہاڑ چشمے   بہتے آتے ہین ہر طرف سے   ہین وحش و طیور کے نئے رنگ   ہین وادی راہ ہر طرف تنگ

کوشش سے کرو عروج حاصل   سچا مضبوط مان ہو دل   کہتا ہے یہہ رہنما تخیل   آ دیکھ بہار سبزہ و گل

دن ختم ہوا ہی شام کا وقت　باقی نہین اب ہے کام و قت　ہے چھاونی اک قریب اسکے　بارک صدہا ہین آگے پیچھے
پھرتے ہین بہادران جنگی　اک شان دکھا رہی ہے وردی　فوجی جھنڈا اتار رہا ہے　لشکر یہہ ایڈورڈ کا ہے
نامی سے دلاورون کا لشکر　مرغوب جہان کے جملہ اور　مشرق کیطرف بنا ہے مدفن　ہین دفن بہادران لندن
سوتے ہین یہان جوان رعنا　تا حشر رہیگا خواب انکا　ہین اپنے وطن سے کوسون دور　لیکن وہ یہین ہین انکی مسرور
ہین قید سے زندگی کی آزاد　کلفت دنیا کی اب نہین یاد　ہی خواب گہہ عدم کے در پہ　دربان کوئی نہین مقرر
آتے ڈرتے وہان ہین انسان　ہے اونکی بہادری نگہبان　گوشے مین بنی ہی اک نئی قبر　اونچے سردار فوج کی قبر
ہین جمع قریب اُسکے افسر　خاموش کھڑے ہین اور ششدر　تربت پہ پڑا ہی اک بڑا ہار　ہی قبر تمام رشک گلزار
بے ہوش پڑی ہی اک جوان مس　جسم نازک کہ ہی بالکل بے حس　ہی نبض پہ ہاتھ ڈاکٹر کا　کہتا ہے کہ ہو گیا ہی سکتا
اتنے مین صدا آئے روح ای　مجھکو ہوئی جسم سے رہائی　سکتا کیسا نکل گئی جان　دنیا مین نہین تمہاری مہمان
لائی یورپ سے اسکی مٹی　اسکی بھی لحد یہان بنیگی　عبرت افزا ہے قصۂ غم　اس سے دنیا مین لین سبق ہم
سیری اسمتھ کے پاس پہونچی　ہوگی اب آسمان پہ شادی　آتی ہی غیب سے یہہ آواز　ہستی کے تمام کھل گئے راز
اسمتھ دنیا مین ہی نہ سیری　سچی اُلفت مگر رہے گی

تاریخ ترجمہ از مترجم

ترجمہ ہی یہہ نظم دلکش کا　اسمین ہی ذکر الفت اسمتھ　سال تاریخ پہ نظر رکھنا　ہی یہہ تصویر حسرت اسمتھ
۱۹　۱۰　۶

آسمان کا ستم کیا ہے　تم ہو راحت رسان تو غم کیا ہے
مین تو پہونچا ہون دور تک واعظ　دیر کیا چیز ہے حرم کیا ہے
دلِ بیچین کی تسلی کو　کم نگاہی کسی کی کم کیا ہے
جب ہے خود چارہ ساز ذرہ نواز　خلشِ فکر شب و کم کیا ہے
ہمکو اپنا سا سمجھے ہو سفاک　تم مین آخر یہ خوے رم کیا ہے
گوشوارے مین دلربائی کے　اور پھر زلف خم بہ خم کیا ہے
ان حسینون کے پاس لے بسمل　کھیل بچون کا ہے قسم کیا ہے

سید امین الحسن بسمل

قومی زندگی

منقول از علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ

قومی زندگی سے وہ قومی قوت مراد ہے جس کے موجود ہونے سے ہم کسی قوم کو اصول تہذیب کے مطابق زندہ قوم کہتے ہین یا جس قوت کے فقدان وعدم وجود سے ہم کسی قوم کو مردہ قوم قرار دیتے ہین۔

علم افعال الاعضا کی رو سے ایک زندہ جسم مین پانچ قوتون کا ہونا ضروری ہے۔ اور جس جسم مین وہ قوتین نہ پائی جائین اُسے زندہ نہین کہا جا سکتا۔ ان مین سے پہلی قوت:۔

(۱) جاذبہ ہے (الف) اسی قوت کی مسیحائی سے ایک جاندار جسم بے جان مادونکو جذب کر کے اپنی طرح جاندار بنا دیتا ہے۔ اور یہ اسی حیات بخش قوت کی اعجازی تاثیر ہے کہ مردہ بے جان مادے زندہ اجسام مین جذب ہو کر صرف زندگی ہی نہین پاتے بلکہ خود ان اجسام کی زندگی خیز و لائیفک بنجاتے ہین (ب) قوت جاذبہ کو معرض ظہور مین لانے کے لیے اور نئی زندگی حاصل کرنے والے مادون کو جگہ دینے کے لیئے اس صفت مسیحائی کے بالکل متضاد بعض غیر ضروری مادون کے لیلے تباہی اور بربادی کا فعل بھی زندہ اجسام کو اختیار کرنا پڑتا ہی کیونکہ جسقدر مسالہ کسی عمارت کے لیے بہم پونچایا جاتا ہے۔ وہ سب کا سب قابل استعمال نہین ہوتا۔ بلکہ اس مین سے کئی چیزین غیر ضروری یا ناقص سمجھکر نکال ڈالنا پڑتی ہین اور عقلمند معمار استعمال سے پہلے سالے کو خوب صاف کر لیتا ہے۔ اگر ایسا نہ کرے تو عمارت قابل اطمینان طیار نہین ہو سکتی۔ اینٹون کا گھڑنا لکڑی کا تراشنا وغیرہ سب اسی قبیل سے ہین (ج) ہر ایک تندرست جاندار کا خوراک کی خواہش کرنا ضروری ہے اشتہاء صرف تندرستی ہی کی دلیل ہے بلکہ زندگی کی بھی ایک بہت بڑی علامت ہے۔ جاندار بچہ پیدا ہوتے ہی غذا کی رغبت ظاہر کرتا ہے۔ اسی خواہش کو پورا کرنے کے لیئے قوت جاذبہ

مقرر کی گئی ہے۔ قیام ہستی کے لیئے خوراک اور مناسب خوراک حاصل کرنا ضروری اور اشد ضروری ہے (د) اصطلاح علم افعال الاعضا مین قوت جاذبہ کو Assimulation کہتے ہین اور اس کی شکست وریخت کے افعال کو Metabolism اور اسکی متعلقہ دونون خاصیتونکو Katabolism اور Anabolism کہتے ہین۔ یعنے مردہ مادون کو زندگی دینے کا نام کیٹابولزم ہے اور فضول وغیر ضروری مادون کو تباہ کرنے کو اینابولزم کہتے ہین۔

(۲) دوسری قوت نامیہ ہے۔ ہر ایک زندہ جسم کو نشو نما پانا ضروری ہے۔ جاندار جسم کبھی ایک حالت پر قایم نہین رہ سکتا۔ ہر ایک زندہ شئے تکمیل اور تحلیل کے زیر اثر ہے۔ اور یہ اثر ایک بے معلوم طریقہ سے نہایت خاموشی کے ساتھ اپنا کام لیے جاتا ہے۔ ہمارا جسم ہر ایک طرح کی حفاظت کے باوجود ہمیشہ تحلیل ہوتا رہتا ہے اور ہمارے استمزاج کے بدون بھی نشوونما پاتا اور مدارج تکمیل طے کرتا جاتا ہے۔ حکماے متقدمین کا خیال ہے رجس کی تحقیقات وانکشافات جدیدہ نے بھی کوئی تردید نہین کی) کہ ہر تین برس مین ہم ایک نیا جسم اختیار کرتے ہین۔ اور اس جسمانی چولے کا کچھ نہ کچھ حصہ ہر روز ہمارے موجودہ جسم مین اپنی جگہ بناتا ہے اور ہمارے جسم کے وہ اجزا جو اپنا کام دے چکے ہوتے ہین اس نئے مفید اور ضروری مہمان کے لیے جگہ خالی کرتے جاتے ہین۔ تکمیل کے لیے تحلیل کا ہونا ازبس ضروری ہے کیونکہ کہنہ اور شکستہ عمارت گرائے بغیر عقلمند معمار نئی تعمیر شروع نہین کرتا۔ اور جو کمی تحلیل سے واقع ہو اُسکو پورا کرنے کے لیئے تکمیل کی قابلیت کا ہونا بقاے زندگی کے لیے لازمی ہے جس طرح ایک پختہ سے پختہ عمارت ہمیشہ مرمت کی محتاج ہے اسی طرح ہمارا جسم ہمیشہ تحلیل ہونے کے باعث نشوونما کا دست نگر ہے۔ ہمارا جسم جسقدر ہر روز تحلیل ہوتا ہے اس سے زیادہ نشوونما پاتا ہے یعنے قوت نامیہ کو مقابلتہً زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ یعنی ایک تو اس کمی کو پورا کرنا رجو تحلیل نے ہمارے

جسم میں کر رہی ہے اور دوسرے قوائے جسمانی کی تکمیل کرنا۔

قوت نامیہ کا کام صرف سطحی نشوونما نہیں ہوتا بلکہ زندہ اجسام کے ایک ایک جزو پر اس کی تاثیر ہوتی ہے اور اس کے فیضان سے ان کی جسامت۔ ضخامت۔ اور قابلیت میں ترقی ہوتی ہے۔ اس قوت کا تمام تر انحصار قوت جاذبہ پر ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا تھا کیونکہ جس جسم میں حسب ضرورت اشیار جذب کرنے کی قابلیت وخاصیت نہ ہو وہ نشوونما نہیں پا سکتا۔

(۳) تیسری مشتعلہ ہے۔ یعنی ہر ایک زندہ جسم کو ذرا سی مخالفانہ چھیڑ چھاڑ اور ادنیٰ سی تحریک سے برافروختہ ہو جانا چاہئے۔ اسی سے قوت مقابلہ پیدا ہوتی ہے اور مقابلہ کے لیئے مدافعت اور محافظت کی قوتیں معرض ظہور میں آتی ہیں۔ (الف) محض تجربہ کی غرض سے ایک مردہ جسم کے مختلف اعضا کو آپ ٹائیں ادھر ادھر دائیں بائیں اوپر نیچے غرض جس طرف چاہیں پھینکیں جس طرح جی چاہے رکھیں آپ کے منشار قوت کے خلاف کوئی طاقت مقابلہ کو موجود نہیں۔ آپ بہر حال اپنے ارادے میں کامیاب ہوں گے (ب) آپ ذرا کسی دوست کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر دبائیں۔ آپ کا دوست خواہ کتنا ہی بردبار متحمل اور برداشت والا ہو ضرور مقابلہ کریگا۔ اگر بالمقابل آپ کا ہاتھ نہیں دبائیگا تو کم از کم اپنے ہاتھ کو مزور کڑا کرے گا اور آپ اس کا ہاتھ نہیں دبا سکینگے۔ اس دل خوش کن تجربہ سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ زندہ جسم مخالفانہ تحریک پر کبھی مشتعل ہوئے بغیر نہ رہیگا۔

(ج) قوت مشتعلہ کے ظہور پذیر ہونے کے وقت ایک اور نہایت ہی عجیب وغریب قوت ظاہر ہوتی ہے جس سے بظاہر دنیا کا ہر ایک کام وابستہ ہے اور دنیا و ما فیہا کا ذرہ ذرہ اس قوت کے زیر اثر ہے اور وہ قوت حرکت ہے بہت سے جسم گو بظاہر مردہ دکھائی دیتے ہیں۔ مگر ان کی ذرا سی حرکت فوراً اعجاز مسیحائی بنکر انھیں زندہ بنا دیتی اور زندگی کے کرشمے دکھا دیتی ہے فی الجملہ تمام قوتیں اپنی ہستی کا اظہار کرنے

کے لیئے حرکت کی محتاج ہین - کیونکہ کوئی فعل حرکت کے بغیر صادر نہین کیا جا سکتا -

کہانی - ایک ندی کے قریب سڑک کے کنارے ایک کچھوا عجیب شکل بنائے اپنے استخوانی خول مین جسم چھپائے بے جان سا بنا ہوا پڑا تھا - پاؤن کی آہٹ - گاڑیون کی کھڑ کھڑاہٹ - گھوڑون کی ٹاپ - رہگیرون کا شور - کسی کا اُس پر کچھ اثر نہ تھا - وہ جون کا تون وہین پڑا اپنے خیالات مین مگن تھا اور خدا جانے عالم تصور مین کیا کیا مزے لے رہا تھا - کئی ایک رہگیر بالکل قریب ہو کر گذر گئے - ایک عینک والے بابو صاحب نے تو کمال کر دیا کہ مست حال کچھوے کے اوپر سے پاؤن رکھکر گذر گئے - خدا جانے یہہ کن پریشان خیالات مین محو و مستغرق تھے جو خرام مستانہ سے بیگناہون کو روندے جاتے تھے اور " زیر قدمت ہزار جانست " کو بھولے ہوئے تھے - ایلو! سڑک پر جانیوالے ادھر اُدھر پریشان ہو رہے ہین - مار مار کا شور پڑ گیا ہے - کسی کو پتھر کی تلاش ہے کوئی چھوٹی سی کنکری چلا کر تیس مار خانی کا خطاب حاصل کیا چاہتا ہے - ادھر ایک لالہ صاحب ذرا فاصلے پر نہایت غصے سے نیچے کا ہونٹ چبا چبا کر خالی کلے دکھا رہے ہین - وہ دیکھیئے ایک بابو صاحب نے نازک چھڑی تان کر لگانے کا قصد کر لیا ہے الٰہی خیر آخر یہہ ہوا کیا؟ سنیئے صاحب ہم بتاتے ہین - ایک شوخ سے لڑکے نے کچھوے کے تاک کر اینٹ کھینچ ماری - اب یہہ عجیب شکل کا جانور اِدھر اُدھر گھبرا کر بھاگ رہا ہے - مگر ہر ایک رہگیر یہہ سمجھتا ہے کہ خاص مجھہ ہی پر حملہ کیا چاہتا ہے سب اپنے اپنے بچاؤ کی فکر مین ہین - خدا خدا کر کے کچھوے کو ایک جھاڑی ملگئی اور وہ وہین غائب ہو گیا - اس موقع پر سڑک پر جانے والے آدمیون مین جو گفتگو ہوئی اور جس جس قسم کی بحثین اس جانور کی پوشیدہ طاقتون کے متعلق کی گئین ہر چند وہ ایک پر لطف مشغلہ ہے مگر غیر متعلق سمجھکر نظر انداز کیا جاتا ہے - ہان ایک بڈھے میان کے یہہ فلسفیانہ اور محققانہ فقرے تفریح طبع کے لیئے ہمین دیر تک یاد رہین گے کہ صاحب کچھوا بڑا مست

جانور ہے۔ کھانے اور سورہنے کے سوا اس کو کوئی کام ہی نہین آتا۔ جب بڑا ہوتا ہے
اس کے جسم مین سستی و بیکاری سے چربی بھرجاتی ہے اور اسے ہلنا بھی دشوار ہوجاتا
ہے تو اس کی مان اسے اُٹھاکر راستے مین پھینک دیتی ہے تاکہ رہگذرون کی ٹھوکرون
سے اسکی سستی اُترے اور یہہ اپنے پاؤن سے چلنا اور اپنی حفاظت سیکھے۔ اس
معلوم ہو کہ زندہ جسم حرکت بھی کرتے ہین انھین کھانے اور سورہنے سے ہی کام نہین
ہوتا۔ معزز ناظرین آپ نے دیکھ لیا کہ حرکت کیسی عجب چیز ہے۔ اور کتنی زبردست
طاقت ہے۔ گویا اسکے بغیر زندگی فضول اور جینا عبث ہے۔ حرکت نے ہی کچھوے
مین مخالفانہ تحریک سے جان ڈالی۔ اور حرکت نے ہی آخر اُسکی جان بچائی۔ وہی کچھوا
جسپر بابو صاحب بوٹ لیکر گذر گئے تھے ذراسی حرکت کے طفیل اچھا خاصہ تھوا
بن گیا۔ اور بڑے بڑے حوصلے والے جب وہ ان کی طرف دانستہ یا نادانستہ
رخ کرتا ہے خوف کے مارے پیچھے ہٹتے جاتے ہین۔ کچھوے نے یہہ سبق ایک چھوٹے
سے لڑکے سے سیکھ لیا ہے کہ اب حرکت کے بغیر گذارہ نہین۔ اگرچہ استاد ناتجربہ کار
اور اپنے منصب سے بے خبر ہے مگر ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش　　گر نبشتہ است پند بر دیوار

المختصر زندگی کے ثبوت اور اس کی حفاظت اور ضروریات زندگی کی ذاولت
کے لیے حرکت ایسی ہی ضروری ہے جیسی کہ خود وجود متحرک کی ہستی۔

(۴) - چوتھی قوت تولید ہے۔ ہر ایک زندہ جسم کو اپنی نسل بڑھانا ضروری ہے
ورنہ اسکی ہستی اسکے وجود کی قوت۔ اور قوئ کی طاقت کے ساتھ ہی ختم ہوجائیگی
بقاے زندگی کے لئے تکثیر نسل ضروری اور لابدی ہے۔ اس قوت کے بغیر سب
قوتین بیکار ہوجاتی ہین۔ اور بالخصوص حفاظت کے لیے تو اس کا ہونا ازبس
ضروری ہے۔ ایک نہایت چھوٹا کیڑا جسے ہم خوردبین کی مدد کے بغیر دیکھ بھی نہین سکتے

تھوڑے سے عرصہ مین اپنے جیسے بیشمار کیڑے پیدا کرلیتا ہے۔ پھر جن مین ہر ایک اسی طرح نسل بڑھاتا ہے۔ اور دیکھتے دیکھتے جراثیم کا ایک اچھا خاصہ لشکر طیار ہوجاتا ہے۔

(۵) پانچوین قوت دافعہ ہے۔ ہر ایک زندہ جسم مین ایک قوت ہوتی ہے۔ جو خوراک کے اس حصہ کو جو جزو بدن بننے کے قابل نہ ہو جسم مین سے نکال باہر کرتی ہے۔ گویا جن مادونکو قوت جاذبہ نے اپنا کام کرتے وقت غیر ضروری سمجھا تھا اور (Anabolism) نے انکو تباہ کردیا تھا انکو جسم مین سے خارج کرنے کے لیئے اس قوت کا ہونا ضروری ہے۔ ایسی قوت کی تاثیر سے جسم قوت جاذبہ اور قوت نامیہ کے اثرات قبول کرنے کے لیئے طیار ہوتا ہے۔ ورنہ مردہ خراب اور فضول مادے زندہ جسم مین رہکر فساد پیدا کرین اور زندگی تلخ ہوجائے۔

نظام جسمانی جیسے ابلغ اور محکم نظام کی تفسیر۔ اور فلسفہ حیات جیسے مشکل مسئلہ کی تشریح ان قوائے خمسہ کے چہرے پر نہایت واضح خط اور قابل فہم عبارت مین لکھی ہوئی ہے۔ لاریب انفرادی حالت مین موت وحیات کا سوال حل کرنے کے لیئے ان امور خمسہ پر غور کرلینا کافی ہے۔

قوم مجموعہ افراد کا نام ہے لہذا ہم صغریٰ مین ایک حد اوسط موضوع کرکے کبریٰ پر محمول کرسکتے ہین کہ جس قوم نے تمام افراد موجودہ مین زندگی کی متذکرہ صدر علامتین پائی جاتی ہین وہ ایک زندہ قوم ہے۔ بادی النظر مین یہ قضیہ ضرور قابل تسلیم ہے۔ مگر نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انفرادی حالت مین تو یہ ٹھیک ہے مگر مجموعی حالت مین ٹھیک نہین۔ قومی زندگی کا معیار اس سے بالکل علیحدہ ہے اور اس کا مفہوم اس سے مطلقاً جدا ہے۔ اگر زندہ افراد کے مجموعے کا نام ہی زندہ قوم ہوسکتا ہے تو بھیل۔ گونڈ سنتھال، مور۔ اور یہود۔ کے زندہ قومین ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے مگر اے ناظرین! آپ مین سے کتنے بزرگ ہین جو ان قومون کو زندہ قومین سمجھتے

ہین۔؟ مین بلاخوف تردید یہہ کہ سکتا ہون کہ آپ مین سے ہر ایک صاحب انکو بحیثیت اقوام مردہ تصور کرتے ہین۔

آخر کیون؟ اسکی کیا وجہ ہے؟ کیا ان اقوام کے افراد زندہ افراد نہین ہین؟ کیا ان کے جسم آپ کی طرح متحرک۔ کھانے پینے کے محتاج سردی گرمی سے متاثر۔ اور دیگر ضروریات کے تابع نہین؟ کیا ما یحتاج زندگی کے لیئے وہ آپ کی طرح جدوجہد نہین کرتے؟ بیشک کرتے ہین! مگر متمدن اور مہذب قومین" قومی زندگی" اور "زندہ قوم" کا مفہوم جو کچھ سمجھ رہی ہین اس کے رو سے آپ نے انھین مجبوراً مردہ قومین خیال کرلیا ہے۔ کیا آپ تہذیب اور تمدن کے مشورہ سے مرعوب ہو گئے ہین؟ آئے ان تہذیب و تمدن کی مدعی اقوام سے وجہ دریافت کرین اور ان کے کیرکٹر اور لیٹریچر سے پتہ لگائین کہ انھون نے قومی زندگی اور قومی موت کے کیا معنی قرار دیئے ہین اور فلسفہ حیات پر کیا اضافہ کیا ہے۔

مہذب و متمدن اقوام نے قومی زندگی کی چند علامات مقرر کی ہین۔ جو انفرادی زندگی کی متذکرہ صدر پانچ قوتون سے ایک معنوی مطابقت رکھتی ہین۔ چنانچہ

(۱) (الف) جس طرح زندہ جسم مین قوت جاذبہ کا ہونا ضروری ہے اسیطرح ہر زندہ قوم مین ایک کشش وجذب کی قوت اور ایک مقناطیسی خاصیت ہونی چاہئے۔ تاکہ اس مین نئے افراد شامل ہوکر اس کا جزو بن سکین۔ جس قوم مین یہہ قابلیت موجود نہ ہو اس کا ذخیرہ ایک نہ ایک دن ختم ہو جائیگا۔ کیونکہ قوت مخرجہ اپنا کام بلا روک ٹوک کئے جاتی ہے۔ سلسلہ توالد و تناسل اور کارگزاری قضا و قدر یعنے موت و فوت کی عملی کارروائیان قومی زندگی پر ایک نمایان اثر رکھتی ہین۔ زندہ قومین ایک طرف تو موجودہ نسل کو حضرتِ ملک الموت کی نذر سے بچانے کی فکر کرتی ہین اور دوسری طرف تکثیر نسل کرکے نسل متزائدہ کی حفاظت کا معقول انتظام کرتی ہین۔

دوسری اقوام کے افراد کو جذب کرکے اپنے رنگ مین رنگتی ہین اور باہر سے آنے والے افراد کو ایسا جذب کرتی ہین کہ مغائرت کا کوئی نشان باقی نہین رہتا اور وہ افراد اُسکا جزو بدن بن جاتے ہین گویا ہر چیز کہ در کانِ نمک رفت نمک شُد۔

(ب) قومی زندگی مین "رے نا بو لزم" سے مراد نشیب و فراز کا سمجھنا۔ مصالح دنیوی کی پابندی کرنا۔ مہذب و متمدن اقوام سے رشتہ اتحاد پیدا کرنا اُن کی خوبیان اخذ کرنا مردہ اور ناکارہ قومون سے علیحدگی اختیار کرنا ان کی بُری اور قابل اعتراض رسمون کا چھوڑنا نئی ایجادات و اختراعات کی بنیاد ڈالنا قوم مین روشن اور مہذب جذبات پیدا کرنا ہے۔

(ج) جس طرح ہر جاندار کو بقاے زندگی کے لیے خوراک کی ضرورت ہے۔ اور یہ ایک بدیہی امر ہے کہ معقول و مناسب خوراک حاصل کیئے بغیر کوئی زندہ جسم نہ تو اپنی زندگی قایم رکھ سکتا ہے اور نہ صدور افعال پر قادر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قومی زندگی قایم رکھنے کے لیے اکتساب علوم و فنون نہایت ضروری اور لابدی ہے۔ اس کے بدون نہ تو مختلف افراد قوم مین قومی محسوسات کے جذبات پیدا ہو سکتے ہین اور نہ قومی عزت قایم رہ سکتی ہے۔

(۲) قوت نامیہ کی بجاے زندہ قومون مین قوت ترقی کا ہونا ہے۔ جو قوم حالت موجودہ سے آگے قدم نہین بڑھاتی وہ زندہ نہین کہلاتی۔ جس طرح قوت نامیہ کے اثر سے زندہ اجسام کے تمام اندرونی و بیرونی قوے فیضیاب ہوتے ہین اسی طرح قوت ترقی قوم کی ہر ایک حالت کو نمایان طاقت بخشتی ہے۔ اسی سے قومی وقار و اعتبار قایم ہوتا ہے یہی قومی عزت و عصبیت کو مضبوطی بخشتی ہے۔ اسی قوت سے قومی کیرکٹر ممتاز ہوتا ہے۔ اور یہی وہ قوت ہے جو مردہ اور زندہ قومون مین ایک ما بہ الامتیاز فرق قایم کر دیتی ہے۔ جس قوم مین یہ قوت نہ ہو وہ نہ تو اپنا بہ لیسیٹج

رعب و داب قایم رکھ سکتی ہے۔ اور نہ زندہ قوموں مین کوئی عزاز باقی ہے۔

(۳) جس طرح زندگی کا رعب قایم رکھنے کے لیئے قوت مشتعلہ کا ہونا ضروری ہے اسی طرح اپنا اعزاز و وقار قایم رکھنے کے لیئے زندہ قوم مین قوت مشتعلہ کا ہونا لازمۂ زندگی ہے۔ غیر قومین ذراسی مخالفانہ تحریک سے جوش مین آجاتی ہین اور پیشتر اس کے کہ کوئی مخالف اُن پر حملہ آور ہو۔ وہ اس کے تیور پہچان کر خود اُس پر حملہ کر دیتی ہین جس سے اُسے اپنی ہی فکر پڑجاتی ہے۔

(۴)۔ قوت تولید کی جگہ ہر ایک زندہ قوم مین ایک ایسی قوت کا ہونا ضروری ہے جس سے وہ زمانے مین اپنی جیسی زندہ قوم یادگار چھوڑے اور جو "باقیات الصالحات" کی مصداق ہو۔ آیندہ نسلون کے سود و بہبود کا فکر زندہ قومون مین ایک امتیازی خصوصیت پیدا کرتا ہے اُن کے نزدیک حال و مستقبل مین صرف ایک چال کا فرق ہے۔ یعنی جو کچھ انھین آج کی ضروریات پورا کرنے کے لیئے کرنا ہے۔ وہی بادنیٰ تغیر کل کی ضرورتون کے لئے کرنا ہے۔ زندہ قومین اسی طرح صدیون تک کی پیش بندیان کرلیتی ہین۔ ریل۔ تار۔ اور دیگر اختراعات کے موجدون کا منشا ذاتی محدود یا مقامی و زمانی خوشی حاصل کرنا نہ تھا۔ بلکہ آیندہ نسلون کے لیئے ایک شاہراہ ترقی طیار کرنے کا تھا۔ ایسے لوگ بیج مین درخت کا مشاہدہ کرتے ہین۔ اور آج کے بچون کو کل کے باپ سمجھکر اُن کے خیر مقدم اور پرجوش استقبال کی طیاریان بڑے تپاک و محبت سے شروع کر دیتے ہین۔ انھین اپنی زندگی کا ہرگز اتنا فکر نہین ہوتا جتنا کہ آیندہ نسلون مین ترقی کی روح پھونکنے کا ہوتا ہے۔ یورپ کی مہذب اقوام کی روش کا مطالعہ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیئے از حد ضروری ہے۔

اسی غرض کے حاصل کرنے کے لیے زندہ قومین اپنے حقوق کی حفاظت مین سرگرم و مستعد رہتی ہین۔ قومی اغراض حاصل کرنے کے لیئے جان توڑ اور ان تھک کوششین کرتی ہین۔ اور قومی مفاد کو کسی طرح نقصان نہین پہونچنے دیتی ہین۔ قومی ضروریات کے سامنے ذاتی اغراض و مقاصد اور شخصی تکالیف بالکل ہیچ سمجھی جاتی ہین۔ انفرادی مفاد قومی ضرورتون پر بے دریغ قربان کر دیئے جاتے ہین جس قوم کو اپنی آیندہ نسلون کا فکر نہین وہ اپنے حقوق کے طلب کرنے اور ان کی حفاظت کرنے مین بھی ضرور غافل ہے۔ کوئی عقلمند کسان عمدہ اور پکی ہوئی فصل دیکھکر آیندہ فصلون کے انتظام سے بے فکر نہین ہو سکتا۔ بلکہ جس زمین سے ایک عمدہ فصل کاٹ لے اُسکی قوت و خوبی بحال رکھنے کے لیئے اُسکو بیش از بیش حفاظت و محنت کرنی پڑتی ہے۔ اسی لیئے اپنے حقوق طلب کرنا اور ان کی حفاظت مین سعی بلیغ سے کام لینا ہر زندہ قوم کا فرض اہم ہے۔

جس طرح اظہار قابلیت کے اثر سے اپنی تعداد بڑھانا زندہ قومون کا خاصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح افراد موجودہ کی حفاظت اور قوم کی تعدادی شان برقرار رکھنا مقصد اعلیٰ ہوتا ہے۔ غیر اقوام جو صدیون تک حالت جمود مین رہ چکی تھین اب مذکورہ بالا اصول پر اپنی زندگی کا ثبوت دے رہی ہین جس سے دوسرون کو عبرت پذیر ہونا اور غیرت کا سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

(۵) قوت و انجہ کی جگہ زندہ قومون مین ایسی طاقت و صلاحیت ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ قومی برائیون کو جو درحقیقت انفرادی لغزشون اور کمزوریون کا نتیجہ ہوتی ہین، دور کر کے قوم کا چہرہ خوشنما و دلکش بنایا جاتا ہے۔ قومی اخلاق کی اصلاح کی جاتی ہے۔ قوم کے تمام افراد بطرز معاشرت طریق سیاست اور اصول مذہب کا یکسان اثر نہین ہوتا۔ کالی بھیڑین ہر جگہ موجود ہوتی ہین۔ جب تک قومی

اخلاق کی درستی کا پورا پورا انتظام نہ ہو قومی زندگی کو خطرات سے محفوظ نہ سمجھنا چاہیے
اگر کسی قوم کی دوسری حالتین بظاہر اچھی بھی ہین تو اخلاقی کمزوریون کا اندرونی
مرض قوم کو اندر ہی اندر کھالیگا اور اُسکی زندگی کا خاتمہ کر دیگا۔ تپ دق کا مریض
کیسے ہی زرق برق لباس مین ملبوس ہو طبیب کی باریک بین نگاہین اُسکی موت
کا وقت بہت عرصے پہلے دیکھ لیتی ہین۔ اسی لئے زندہ قومین فضلات قومی کو خارج
کرنے اور قوم کو اُن کے بد نتایج اور پر خطر اثر سے بچانے کے لیئے ہمیشہ ایک معقول
انتظام کرتی ہین۔ برائی اور قبیح رسوم کا ترک کرنا۔ مخرب اخلاق اور برے جذبات
کا قوم سے دور کرنا۔ اخلاقی کمزوریون کا ازالہ سب اسی ذیل مین ہین۔ قومی زندگی
کی تعریف کے متعلق کچھ اور کہنے کی ضرورت معلوم نہین ہوتی اور مزید تشریح
کے لیئے یہان گنجایش نہین ہے۔ اس لیئے اس سوال کے دوسرے حصے کے
متعلق کہ "یہہ قومی قوتین یا فی الجملہ و بالجملہ قومی زندگی کس طرح قایم رہ سکتی ہے"
بطریق اختصار چند باتین بیان کرون گا۔

قومی زندگی کے قیام کے متعلق غور کرنے سے پہلے اس امر کا معلوم کرنا
از بس ضروری ہے کہ یہہ زندگی پیدا کس طرح ہوتی ہے۔ یعنی ان اسباب کا پتہ
لگایا جائے جو کسی قوم کی زندگی کا باعث ہین۔ پھر ہم مختصر طور پر کہہ سکین گے
کہ ان اسباب کے قایم رکھنے اور اُن کی کماحقہ حفاظت کرنے سے قوم کی زندگی
قایم رہ سکتی ہے۔

طوالت کا خیال کر کے مین اس مضمون کو بطریق گریز نہایت مختصر کرتا ہون
انشاء اللہ الحکیم پھر کسی موقع پر ان اسباب کی ماہیت و باریک تحقیقات کے
متعلق بہت سی مفید اور دلچسپ باتین بیان کرون گا۔ سر دست اسباب زندگی
تلاش کرنے کے لیئے صرف اس امر پر غور کر لینا کافی ہو کہ کیا کبھی ہماری قوم زندہ تھی؟

اور اگر زندہ تھی اور یقیناً تھی تو اسکی زندگی کے ظاہری اسباب کیا تھے؟
خورشید رسالت کی شعاع پڑنے سے پہلے ملک عرب پر جو تاریکی جہالت و ضلالت چھائی ہوئی تھی وہ تاریخ کے کسی طالب علم سے پوشیدہ نہین - کوئی ناکردہ و ناگفتنی عیب ایسا نہ تھا جو نہایت بےباکی اور پوری بےخوفی سے نہ کیا جاتا ہو - برائی اور بھلائی مین کوئی تمیز باقی نہ رہی تھی - عرب کے ایام جاہلیت اور شیوع اسلام کے ماقبل کی تاریخ بیان کرنا ایک بڑے طولانی قصے کو چھیڑنا ہے قریب قریب تمام حضرات تاریخ کی کتابون مین اس تاریک حالت کے متعلق کافی روشنی حاصل کر چکے ہین - اس لئے صرف اسی قدر کہنا کافی معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ مین عرب روحانی - اخلاقی - تمدنی - اور سیاسی لحاظ سے بالکل مردہ ملک تھا - زندگی کا کوئی نشان اُس مین نہ پایا جاتا تھا - وہان کے انسان حیوان خصلت بلکہ وحشیون اور درندون سے بدتر تھے -
ایک شخص (اس پر ہزار ہزار صلواۃ و سلام ہون) انھین مین سے اُٹھا اور انھین جاہلون مین اوسنے زندگی اور روح پھونکنا شروع کی - آناً فاناً ملک عرب کی کایا پلٹ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب وحشیون سے انسان - اور انسانون سے خداشناس - خداترس اور باخدا انسان بن گئے - جو خانہ جنگیون مین گرفتار اور خانہ بدوش تھے دنیا بھر کے فاتح اور صاحب تاج و نشان ہو گئے اور اسی سچے مصلح کی قوت روحانی اور جذبات ملکوتی سے وہ لوگ پیدا ہوئے جن کے صدق و صفا محبت و اخلاص - ایمانداری اور خداترسی کے کارنامون پر دنیا کی تاریخ ہمیشہ فخر کرے گی -
وہ اسباب کیا تھے جنھون نے آناً فاناً ایسی عظیم الشان تبدیلی پیدا کر کے قومی زندگی کے وہ حیرت انگیز کرشمے دکھا دیئے جن کی نظیر دنیا مین چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی نہین ملتی؟
نظر بہ حالت ظاہری اس تبدیلی و ترقی کے دو بڑے سبب تھے (اول) اس مصلح کا

نہایت اعلیٰ و پاکیزہ کیرکٹر۔ دوسرے ایک کتابی دستور العمل کی پابندی کا یہ دستور العمل
کی وہی حمید و مجید کتاب ہے جسے آجکل بہت سے خوش اعتقاد لوگ نہایت مذہب و
مطلا جزو دانون مین سنبھال سنبھال کر رکھتے ہین۔ مگر افسوس ہے کہ اس قابل تعظیم کتاب
کے مطالب سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش نہین کی جاتی۔ میرے خیال مین اگر اسکو سمجھکر
پڑھا جاے اور جو سمجھا جائے اس پر ایمان اور بصیرت ہو تو قومی حالت پھر اسی اسوۂ حسنہ
کی پیروی سے اُس معراج کمال تک پہونچ سکتی ہے جہان پہلے ایک دفعہ یہ قوم گام فرسا
ہو چکی ہے ایمان جب تک علیٰ وجہ البصیرت نہ ہو کوئی اثر مترتب نہین کرتا۔

المختصر ریاضی کے ایک نہایت عام مسلمہ مسئلہ اربعہ متناسبہ کے رو سے ہم کہہ سکتے ہین
کہ اگر مسلمان اپنی پہلی زندگی حاصل کیا چاہتے ہین تو پھر اُسی دستور العمل پر کاربند ہون
جسپر عمل کرنے سے عرب کے وحشی دنیا بھر کی تہذیب و تمدن مین استاد ہو گئے تھے اور تمام
علوم و فنون کے خزانے اُنکی ملکیت بن گئے تھے۔

انشاء اللہ العزیز اس سوال کے متعلق کہ آیا اس قسم کی ترقی تہذیب موجودہ کے لئے
موزون ہوگی اور ہماری عزت اقوام متمدنہ کے برابر ہو جائیگی کسی دوسرے موقع پر عرض
کرون گا۔ اب اس مضمون کو ایک مختصر سی نظم پر ختم کرتا ہون۔

ایک مدت سے ہے شمع محفل اسلام گل — گلشن ہستی مین ہم کھاتے ہین صبح و شام گل
خار حسرت کے سوا کچھ اپنے دامن مین نہین — آہ گو برسا رہا ہے گلبن الہام گل
رہبران قوم کو روکے ہین ہم گم کردہ راہ — عشق بلبل مین مچاتے ہین غضب کہرام گل
بے فروغ علم ہے دل خانہ تاریک و تار — ہم لئے پھرتے ہین بے نکہت برائے نام گل
مایۂ ماتم ہے قول بے عمل آفاق مین — دو زبان سوسن کے گلشن مین ہین نیکنام گل
انجمن مین تھی کبھی وہ طاقت نشو و نما — فیض باد شوق سے کھلتے تھے بے ہنگام گل
آج پامال خزان ہین بوستان امید کے — جائے گل کھاتے ہین ہم از گردش ایام گل
آہ اے بسمل کبھی پائے طلب پہ تھے وہ دن — ٹوٹ کر کانٹے کھلا دیتے تھے ہر ہر گام گل

معتصم باللہ

جن ایام اور سنین کو اسلام کی ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے یہ دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر خلفائے بنی عباس تک بالخصوص امتیاز کا درجہ رکھتا ہے۔ مگر عہد اموی نے بہ نسبت بنی عباس کے قلیل مدت یعنے صرف سو برس تک سلطنت کی اور اوسکے بعد بنی عباس نے صدیون تک خلافت کی ہے۔ اسی سبب سے اموئین ایسی شہرت اور ترقی حاصل نہ کرنے پائے جسکے سلئے عہد عباسیہ مشہور و معروف ہے۔ کہ مدت تک انکی سلطنت علمی ترقیون مین پایۂ عروج تک پہونچی رہی۔ لیکن کچھ عجب بات ہے کہ خلفائے بنی عباس مین بہت کم ایسے خلفا گذرے ہین جو خاندانی بیوی کی اولاد ہون۔ بلکہ زیادہ حصہ اونکا ایسا ہے جنکی مائین ام ولد تھین۔ تاہم اُنکی حکومت کو اسلام کیلئے انتہائے عیش کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ یا یون کہا جائے کہ یہ زمانہ مسلمانون کی ترقی اور پوری کامیابی کا تھا اسی لئے وہ زیادہ بکھیڑون سے اور ابتدائی حالت مین اسلام کی اشاعت و توسیع کیلئے جو جو مشکلین اور مصائب برداشت کی گئین۔ اون سے کسیقدر مطمئن اور فارغ البال ہو چکے تھے۔

مشاہیر خلفا جنکا زمانہ خاصکر علمی ترقیون اور مسلمانون کے بے حد آرام و آسایش کا ہے معدودے چند ہین۔ جنکی صف اول مین ہارون رشید اور مامون ہین۔ یہان تک کہ تمام خلفائے بنی عباس مین ان دونون باپ بیٹون کا کوئی ثانی نہین گزرا۔ مگر تاریخ کی مختلف اور بسیط کتابون مین ان کے کارنامے ان کے عہد کے حالات نہایت تفصیل کیساتھ دکھائے جا چکے ہین۔ بلکہ بعض مورخین سابق وحال نے صرف انہین کے عہد کی تاریخ انہین کی سوانح عمریان بڑے پیمانہ پر تیار کی ہین۔ لہذا انکا تذکرہ ناظرین کے آگے پیش کرنا کچھ تضیع اوقات سا خیال کیا گیا۔ اسلئے ہمنے ارادہ کیا ہے کہ سوائے اونکے اور چند خلفاء کے مختصراً تاریخی حالات معرض بیان مین لائین جنکی نسبت ہمارے اولین مورخین نے کم توجہ کی ہے۔

ہم اس پیرایہ سے بیان کرنا چاہتے ہین کہ ان کے عہد کا پورا خاکا مجملاً اونکے برخلاف اُن بعض غیر مذہب والے مورخون کے جنہون نے تعصب مذہبی کی بدولت اسلامی تاریخ لکھنے مین غلط بیانیان کی ہین - اور اب بھی کرتے رہتے ہین جب انہون نے کسی اسلامی لیڈر کی تاریخ لکھنا شروع کی تو جابجا خلاف بیانیون اور بے بنیاد بہتانون سے کام لیا ہے - اور ہمارے سلاطین کو جابر و ظالم بنایا ہے - اور جب کسی اپنے ہم مذہب کے سوانح زندگی تحریر کئے تو عیب پوشی کی اور ہر طرح بہتر ثابت کیا - اسوجہ سے علم تاریخ جو نہایت شریف مانا گیا ہے غلط بیانیون سے پر ہوتا چلا گیا ہے - مگر الحمد اللہ اسلامی مورخین کو کچھ ایسا خدا داد انصاف نصیب ہوا ہے کہ وہ جب کسی کو تاریخی اسٹیج پر لاتے ہین تو کسی عیب یا صواب سے چشم پوشی نہین کرتے - اور جب کسی واقعہ کے لکھنے کو قلم اوٹھاتے ہین تو اچھی طور سے عہدہ برآ ہوتے ہین - چنانچہ اسوقت ہم اپنی بساط کے موافق ہارون رشید کے لاڈلے بیٹے مامون کے جانشین معتصم باللہ کے تاریخی حالات درج ذیل کرتے ہین - اس خصوصیت کے سبب کہ یہ خلیفہ مامون کے نقش قدم پر چلا ہے - اور اسکا دور مامون سے ملتا ہوا وسی کے بعد گزرا ہے یعنے مامون کے بعد اسی کے ہاتھ پر بیعت کیگئی تھی - اور علاوہ اسکے چند خصوصیات ہین جو تاریخ کے ایک بڑے کارآمد حصہ پر روشنی ڈالتی ہین - مثلاً ترکون کی ابتدائی بہار سے واقفیت وغیرہ - وغیرہ - کیونکہ اسی کے عہد مین ترکون نے رسوخ پیدا کیا اور اسکے بعد ترکون کی ابتدا ارعروج وترقی کا زمانہ ملحق ہے -

خلیفۃ المسلمین معتصم باللہ کی کنیت ابواسحاق اور محمد بن رشید نام اور معتصم باللہ لقب ہے - ذہبی کہتے ہین کہ سنہ ۱۸۰ھ ہجری مین یہ خلیفہ پیدا ہوا ہے - اور امام صولی کا بیان ہے کہ شعبان ۱۷۸ھ اسکی پیدائش کا سال ہے لیکن چونکہ امام سیوطی کے قول سے پایا جاتا ہے کہ اسکی اڑتالیس سال کی عمر ہوئی اس بنا پر ذہبی کے قول کو ترجیح دی جاسکتی ہے کیونکہ معتصم کی وفات سنہ ۲۲۷ھ مین ہوئی ہے جیسا کہ آیندہ مذکور ہوگا - مگر مشکل یہ ہے صولی کے قول سے

لفظوں یہ بھی متفق ہے اس خلیفہ کی مان ام ولد تھین کوفہ کی رہنے والی تھین۔ اور انکا نام ماردہ تھا ہارون رشید کی بہت چہیتی تھین سو وہ بہ نسبت اپنی اور تمام لونڈیون کے انھین زیادہ محبوب رکھتا اور ان سے محظوظ ہوتا تھا۔

معتصم اپنے باپ اور بھائی سے حدیث روایت کرتے ہین اور اون سے اسحاق موصلی اور حمدون بن اسمعیل وغیرہ نے روایت کی ہے۔ امام سیوطی نے تاریخ الخلفا مین دو حدیثین جو معتصم سے مروی ہین درج کی ہین۔ مگر خود امام اون مین سے کسیکو صحیح نہین مانتے بلکہ ایک کو موضوع اور دوسری کو ضعیف قرار دیتے ہین ہم اس بحث کو اپنے مبحث کیلئے زیادہ ضروری نہین سمجھتے اسلئے آیندہ بھی کچھ اسکے متعلق بیان نہ کرین گے۔ اور نہ اون احادیث کا ذکر کرنا تاریخی پہلو پر کوئی گہری روشنی ڈالتا ہے۔

اسکی علمی حالت معمول سے زیادہ گئی گذری تھی گویا علم سے بے بہرہ تھا۔ چنانچہ امام صولی محمد بن سعید سے اور وہ ابراہیم بن ہاشم سے روایت کرتے ہین کہ معتصم کا ایک غلام تھا جو اوسکے ساتھ تعلیم پاتا تھا۔ جب غلام کا انتقال ہوگیا تو ہارون رشید نے کہا کہ اے محمد تمہارا غلام مرگیا اسکے جواب مین معتصم نے کہا کہ ہان اے سردار اور کتاب سے بھی آرام پاگیا۔ یہ کلمہ سنکر ہارون رشید نے کہا کہ تعلیم کی انتہا ہوچکی۔ اور معلمین کو بلاکر حکم دیا کہ اسے پڑھانا چھوڑدین۔ غرضکہ یہ معمولی پڑھا لکھا تھا اور اسکی قراۃ بھی ضعیف تھی۔ ذہبی نے کہا ہے کہ معتصم نہایت درجہ بارعب اور عظیم الشان خلیفہ ہے کاش! اسکی سرداری مین تخلیق قرآن کے ساتھ علما کے امتحان کا عیب نہ ہوتا۔*

* مامون کے زمانہ مین علما اور فضلا مجبور کئے گئے تھے کہ وہ قرآن پاک کے حادث اور مخلوق ہونیکے قائل ہون اور اسکے انکار کرنے کے سبب سے کثیر التعداد علما کی گردنین تہ تیغ کردی گئین تھین۔ اسی طرح معتصم بھی مامون کے مانند معتقد تھا کہ قرآن پاک قدیم نہین بلکہ حادث اور مخلوق ہے اور یہ معتزلہ کا مذہب ہے چنانچہ یہ مسئلہ ان دونون نے اپنی تمام سلطنت مین عام کردیا۔ اور علمائے وقت کہتے تھے کہ جب خدائے عزوجل قدیم ہے تو اسکا کلام کیونکر حادث اور مخلوق ہوسکتا ہے۔ یہ مذہب ہم سب مسلمانون کا ہے۔ رنگین۔ لکھنوی

نفطویہ اور صولی کہتے ہین کہ معتصم کے بہت سے مناقب ہین۔ اور وہ مثمن کہلاتا ہی۔ اسواسطے کہ خلفائے بنی عباس کا آٹھوان خلیفہ ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اس تک آٹھ پشتین گزری ہین۔ رشید کی آٹھوین اولاد ہی اور اوسنے اٹھارہوین سال مالک تخت و تاج ہوکر آٹھ برس آٹھ مہینہ آٹھ دن تک بادشاہت کی۔ ۱۸۰ھ مین تولد ہوا اور اڑتالیس سال کی عمر پائی۔ اور برج عقرب کا طالع ہے جو آٹھوان برج ہے۔ اور اسکے عہد مین آٹھ فتوحات ہوئین اوسنے آٹھ دشمنونکو قتل کیا۔ آٹھ لڑکے اور آٹھ لڑکیان اپنی اولاد مین چھوڑین۔ اور جب اسکا انتقال ہوا تو ماہ ربیع الاول کے آٹھ دن باقی رہے تھے۔ اسکی ذات بہت سے محاسن کا مجموعہ تھی بجز اسکے کہ جب وہ غصہ ہوتا تھا تو کسی کے قتل کی پروانہ کرتا تھا۔ اور اوسکی یادگار سے کلمات فصیحہ اور اشعار بھی ہین۔

ابن ابی داؤد نے اسکی قوت کا ذکر کرتے ہوے بیان کیا ہے کہ معتصم نے اپنی کلائی میری طرف بڑھائی اور کہا کہ ای ابا عبداللہ پوری قوت کے ساتھ اپنے دانتون سے میری کلائی کاٹو۔ مگرمین باز رہا پھر مجھسے کہا کہ مجکو اس سے ضرر نہین پہونچ سکتا۔ تب مینے ارادہ کرلیا۔ مگر وہ اسقدر مضبوط اور قوی الجثہ ہے کہ تیر بھی اوسکے بدن مین دانتون سے زیادہ اثر نہین کرسکتے۔ اور نفطویہ تو کہتے ہین کہ معتصم کی اسقدر سخت پکڑ تھی کہ دو انگلیون مین آدمی کی کلائی دباکر توڑ ڈالتا تھا۔

یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے ترکون کو اپنے دربار مین باریابی کا موقع دیا اور بادشاہان فارس سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ اکثر اونھین کی رفتار پر چلا اور اسکے ترک غلامون کی تعداد قریب دس ہزار کے ہو چکی تھی۔

ماہ رجب ۲۱۸ھ مین مامون کے بعد اسکے ہاتھون پر بیعت کی گئی۔ اور یہ بھی مامون کی طریقت پر چلا۔ خلق قرآن کیساتھ لوگون کا امتحان لینے مین اسکی تمام عمر گزری۔ اپنے تمام مقبوضہ دیار و امصار مین تخلیق قرآن کا مسئلہ عام کردیا تھا حتی کہ معلمین کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ تدریس اور

تعلیم دیتے وقت بچون کو تخلیق قرآن کا مسئلہ بھی سکھادیا کرین غرضکہ اس بارے مین عوام مخلوق
مسلمین اور خصوص علماء وائمہ وقت کو اس سے سخت تکلیف اور ایذائین برداشت کرنی پڑین
اور اسی تخلیق قرآنکے نامبارک مسئلہ پر فتوی ندینے اور معتقد نکرنے پر کثیر التعداد علماء کو شہید کردیا
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اسی کے عہد مین اسی کے حکم سے شہید کیے گئے ہین شہادت آپکی
سنہ ۲۲۰ھ مین واقع ہوئی تھی۔ امام صاحب ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک رکن
اور حدیث کے بہت بڑے امام ہین۔ اسی سال مین معتصم نے بغداد کی بود و باش ترک کرکے
ایک مقام اوسی نمونہ کا "سُرّ مَن رأی" کے نام سے تعمیر کرایا تھا۔ مقام مذکور کی تعمیر کا اصل سبب
یہ ہوا کہ اس زمانہ مین عمدہ ترکون کے بہم پہونچانیکی طرف اسکا رجحان اسقدر زیادہ ہوگیا
تھا کہ کئی آدمی محض ترک خرید کرنے کیلئے دیگر مقامات مثل سمرقند۔ فرغانہ واطراف
و جوانب مین بھیجے گئے۔ اور اونکی خریداری مین کثرت سے مال خرچ کیا گیا۔ ترکون کو
قسم قسم کے بیش بہا قیمتی کپڑے دیباج وحریر وغیرہ اور سونے کے زیورات وطوق پہنائے
گئے۔ یہانتک کہ بغداد مین کثرت سے ترک ہی نظر آنے لگے۔ اور جب اون کا لشکر اوترا
تو رعایا کو تکلیف وایذا محسوس ہوتی۔ شہر بغداد باوجود نہایت وسیع ہونیکے ترکونکی
بود و باش سے ناکافی ہوگیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ یہ ترک لوگون پر زیادتی بھی کرتے ہون
آخر یہانتک نوبت پہونچی کہ بغداد کی رعایا معتصم کی خدمت مین عاجز ہوکر حاضر ہوئی اور سبنے
متفق اللفظ ہوکر شکایۃً کہا کہ اگر آپ بمعیت اپنے لشکر کے ہمارے یہان سے نہ چلے جائینگے
تو ہم آپ سے جنگ کرنے کا قصد رکھتے ہین۔ معتصم نے کہا کہ تم لوگ مجھسے کس طرح
لڑسکتے ہو۔ انھون نے کہا کہ "بسہام الاسحار" یعنے صبح کے تیرون سے۔ اس سے مراد اونکی
بددعا تھی کہ صبح کا وقت خاص قبولیت کا ہوتا ہے۔ معتصم نے کہا کہ اس جنگ کی مجھ مین
طاقت نہین ہے۔ اسکے بعد خود مع اپنے ترکون کے لشکر کے مقام "سُرّ مَن رأی"
کی جانب چلا گیا۔ سنہ ۲۲۳ھ مین مملکت روم پر اُسنے جہاد کیا۔ اور اپنے دشمنون کو ایسی سخت

اذیتین اور تکلیفین پہونچائین جنکی مثال کسی خلیفہ کے عہد مین نہین ملتی۔ اونکی جماعتین بالکل متفرق کردین اور گھرون کو گرادیا۔ مقام عموریہ کو بزور شمشیر فتح کیا تقریباً تیس ہزار روم کے کفار کو تلوار کے گھاٹ اوتارا اور اسی قدر تعداد مین اونہین قید کیا۔ معتصم کا قاعدہ تھا کہ جب غزوہ کا ارادہ ہوتا تو منجمین کو حکم دیتا کہ وہ نیک و بد ساعت دیکھکر فتح یا شکست کے نسبت رائے ظاہر کرین۔ اور وہین خیمے نصب کردئے جاتے مگر اوسکی فتح و نصرت اوسوقت پر موقوف تھی جبکہ وہ ڈرتا نہ تھا چنانچہ اسی بارہ مین ابو تمام شاعر کا قصیدہ مشہور ہے جسکو ہم بھی ناظرین کی دلچسپی کیلئے درج ذیل کرتے ہین۔ وہ یہ ہے

السیف اصدق انباء من الکتب — فی حدہ الحد بین الجد واللعب

تلوار زیادہ سچی ہے خبر دینے مین النجوم کی کتابو نسے — اسکی تیزی مین فرق ہی درمیان سچی اور کھیل کے

والعلم فی شہب الارماح لامعۃ — بین الخمیسین لا سبعۃ الشہب

اور علم نیزون کے پہلون مین چمکنے والا ہے — لشکرونکے درمیان ہین نہ سات ستارے شہب سیعہ

این الروایۃ ام این النجوم وما — صاغوہ من زخرف فیہا ومن کذب

کہان ہی روایت یا کہان ہی نجوم اور وہ — جو انہون نے اسمین مزخرفات اور جھوٹ گھڑ لیا ہی

تخرصا واحادیثا ملفقۃ — لیست بنبع اذا عدت ولا غرب

یہ جھوٹ اور بے بنیاد باتین ہین — نہ عجم ہی مین ہین اگر تلاش ہی کی جائین اور نہ عرب مین

صولی کہتے ہین کہ مین نے مغیرہ بن محمد سے سنا ہے وہ کہتے ہین کہ یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ اسقدر بادشاہ کسی سلطان کے دربار مین جمع نہین ہوئے جسقدر معتصم کے در دولت پر اور نہ کبھی کسی بادشاہ نے اسقدر کثیر التعداد فتوحات حاصل کین جسقدر معتصم کو نصیب ہوئین۔ ممالک آذربائیجان۔ طبرستان۔ استسان۔ شیاصح۔ فرغانہ۔ طخارستان۔ صفہ اور کابل کے بادشاہ اسی کے زمانہ مین قید ہوئے تھے۔ اسکی انگوٹھی پر یہ نقش کندہ تھا ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ“

جب معتصم اپنا محل میدان مین بناکر فارغ ہوا تو اُسنے اوسی محل مین ایک دربار اظہار خوشی اور جشن کے طور پر منعقد کیا چنانچہ اس جشن طرب مین بہت سے لوگ تہنیت ومبارکباد دینے کیلئے حاضر ہوئے۔ اور اسحاق موصلی نے اوسی تقریب مین ایک پر لطف قصیدہ پڑھکر سنایا۔ جسکا پہلا شعر یہ تھا۔ ؎

یا دار غیرك البلاء ومحاك　　یا لیت شعری بالذی ابلاك

ای گھر بدلدے تجھے پرانا ہونا اور مٹادے تجھکو　　ای کاش مین سمجھ لیتا اُسکو جسنے تجھے پرانا کیا

گو اسحاق کا اس شعر سے یہ مطلب تھا کہ ہمارے بادشاہ کی اتنی بڑی عمر ہو کہ یہ محل بادشاہ کے سامنے ہی پرانا ہو جائے اور مٹ جائے اور بادشاہ سلامت رہے۔ لیکن یہ شعر مناسب حال نہ تھا۔ معتصم اور نیز دیگر حاضرین نے اس شعر سے فال بدلی۔ اور وہین دربار مین اشارے ہونے لگے۔ لوگون نے تعجب کیا کہ اسحاق بادشاہون کی خدمت مین مدتون رہنے کے علاوہ ایک عالم متبحر اور فصیح وبلیغ شاعر ہین انہون نے مناسبت مقام وحال کا کیون لحاظ نہ کیا۔ اور ایسا نامبارک شعر بجاے مبارکبادی کے کس خیال سے پڑھا جو انتہا یہ کہ معتصم نے چونکہ اس شعر سے شگون بد لیا تھا۔ اس لیئے اوس محل ہی کو خراب کرادیا۔

ابراہیم ابن عباس سے مروی ہے کہ معتصم کلام کرتا تھا تو اپنا نفس مطلب ادا کرنے کے بعد بھی کچھ باتین زیادہ کردیا کرتا تھا۔ یہ پہلا خلیفہ ہے جسنے کھانون کو نہایت پر تکلف کیا اور بہانتک بڑھادیا تھا کہ باورچی خانہ کا روزانہ خرچ ایک ہزار دینار پڑتا تھا۔ اوسکے بعض حکمت آمیز اقوال یہ ہین۔ پہلا ابی العینا، اور دوسرا اسحاق سے منقول ہے وہ کہتے ہین۔ مین نے سنا ہے کہ معتصم کہتا تھا "جب خواہشین غالب آجاتی ہین تو راے باطل ہو جاتی ہے"۔ دوسرا قول یہ ہے "جسنے اپنے اور دوسرون کے حقوق مین حق طلبی کی وہ کامیاب ہوا"۔ معتصم کا ایک غلام عجیب نام نہایت حسین وجمیل تھا۔ اسکے ساتھ خلیفہ بہت محبت رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ اوسکی تعریف مین چند اشعار کہے۔ شعرا کی فطرت مین

یہ امر داخل ہے کہ جب تک وہ اپنے شعرون کی دل خواہ داد نہ لے لین اونکی طبیعت کو کوفت رہتی ہے۔ چنانچہ اسنے محمد بن عمر رومی کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوے تو پہلے اظہار واقعیت یا کسر نفسی کی طور پر اون سے کہا کہ آپ جانتے ہین مین اپنے تمام بھائیون سے علم ادب مین کم ہون۔ اسکا سبب یہ ہے کہ امیر المومنین ہارون رشید میرا بہت لاڈ اوٹھاتے اور مجھسے بہت محبت کرتے تھے۔ اور مین لہو و لعب کی جانب زیادہ تر راغب رہا کرتا تھا۔ حال مین چند اشعار عجیب کی نسبت کہے ہین۔ اگر اچھے ہون تو فبہا ورنہ تمکو میرا راز دار بنکر انھین چھپا لینا چاہیے اور یہ اشعار پڑھے ؎

لقد رایت عجیبا	یحکی الغزال الربیبا
مین عجیب کو دیکھتا ہون کہ	اوسکی مثال ایک پالو ہرن کی ہے
الوجہ منہ کبدر	والقد یحکی القضیبا
اوسکا منہ چودھوین رات کے چاند جیسا ہے	اور قد ایک تناور شاخ کی یاد دلاتا ہے
وان تناول سیفا	رایت لیثا حریبا
اور اگر وہ تلوار باندھے	تو جنگ اور شیر جانتا ہو مین اوسے
وان رمی بسہام	کان المجید المصیبا
اور اگر تیر لگاے تو	اسکا نشانہ کبھی نہین چوکتا
طبیب ما بے من الحب	فلا عدمت الطبیبا
میرا طبیب ہے مرض محبت کا	بس مجھکو چاہیے کہ اپنا طبیب ہاتھ سے نہ جانے دین
انی ھویت عجیبا	ھوی اراہ عجیبا
مین عجیب سے ایک خواہش رکھتا ہون	کہ وہ خواہش خود بھی عجیب ہے

محمد بن عمر رومی کہتے ہین کہ مین نے بیعت کی قسم کھائی کہ یہ شعر بہت ملیح ہین۔ اون تمام خلفا کے اشعار سے جو شاعر نہ تھے۔ تو معتصم کی طبیعت بہت خوش ہوئی اور میرے لیے

پچاس ہزار درہم کے عطیہ کا حکم دیا۔

عبدالواحد بن عباس ریاشی سے نقل کر کے صولی بیان کرتے ہین کہ ایک بار شاہ روم نے معتصم کو نامہ بھیجا جس مین طرح طرح کی دھمکیان دی تھین۔ جب وہ خط معتصم کو سنایا گیا تو فوراً اُسیوقت معتصم نے کاتب سے کہا کہ لکھو اور یون خط لکھوانا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اما بعد فقد قرات کتابک و سمعت خطابک والجواب ماتریٰ لا ماتسمع

مینے تمہارا خط پڑھ لیا اور تمہارا خطاب بھی سنا۔۔۔ اُسکا جواب عنقریب تم دیکھو گے نہ یہ جو سنتے ہو

وسیعلم الکفار لمن عقبی الدار

اور عنقریب کفار جان لینگے کہ کسکے ہاتھ بازی رہی

اس خط سے معتصم کے علم ادب پر قادر ہونے کے علاوہ اسکی شجاعت اور بہادری بھی ظاہر ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا خط تمہارے خط کا جواب نہین ہے بلکہ اصل جواب میدان کارزار ہوگا۔ جو عنقریب نظرون کے سامنے ہوگا۔ اور تو دیکھے گا کہ فتح مندی ہمین حاصل ہوگی۔

معتصم سخن گو ہونے کے علاوہ سخن فہمی مین بھی کمال رکھتا تھا۔ اور ہارون رشید کیطرح اسکے دروازہ پر بھی شعرا کا جمگھٹ رہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اسے خیال ہوا کہ وہ اپنی مدح مین کوئی بہترین قصیدہ سُنے۔ چنانچہ موجودہ شعرا کیطرف مخاطب ہو کر اون سے کہا کہ تم مین کوئی ایسا ہے جو میری شان مین منصور نمری کے مندرجہ ذیل قصیدہ کی طرح مین کہے۔ جو رشید کی مدح مین اوسنے کہا ہے۔ اور یہ اشعار سنائے۔ ؎

ان المکارم والمعروف اودیة	احلک اللہ منہا حیث تجتمع
تمام بزرگیان اور عمرگیان جنگل مین ہین	کہ اللہ نے تجھکو ذرہ تیرے لیئے خاص کر دیا ہے جہاں اون جنگلون کے جمع ہون
من لم یکن بامین اللہ معتصما	فلیس الصلوٰۃ الخمس ینتفع

جو اللہ کے امین سے کوئی چیز حاصل نہ کرے | اوسی پانچون وقت کی نماز بھی فائدہ نہین دیتی

ان خلف القطر لم تخلف فواضلہ | او ضاق امر ذکرناہ فلیتسع

اگر ابر بارندہ خلاف امید برسے تو ممکن ہے مگر ممدوح کی عطیات خلاف وعدگی نہین کرتے | یا مذکور امر تنگ ہو جائے تو فراخ ہو جاتا ہی

ابو وہب شاعر نے کہا کہ ہان! یا امیر المومنین!! ہم ہین ایسے لوگ ہین جو ان سے بہتر کہ سکتے ہین - اور فی البدیہہ اسی بحر مین بتبدیل قافیہ یہہ اشعار کہے اور الحق انہین بھی بہت زور سخن ہے ؎

ثلثۃ تشرق الدنیا ببھجتہا | شمس الضحے وابو اسحاق والقمر

تین چیزین ہین جنکی تابش سے دنیا روشن ہو جاتی ہے | چاشت کا سورج اور ابو اسحاق (معتصم) اور چاند

تحکی افاعیلہ فی کل نائبۃ | والغیث والصمصامۃ الذکر

اسکی کارگزاریان ہر واقعہ مین بیان کیجاتی ہین | اور ابر بارندہ اور تلوار تیز

امام سیوطی لکھتے ہین کہ معتصم کا بروز پنجشنبہ ماہ ربیع الاول ۲۲۷ھ مین انتقال ہوا اسنے اپنے دشمنون کو اطراف وجوانب مین بہت ذلیل کیا تھا - اور کہا جاتا ہے کہ وہ مرض موت مین یہ آیت اپنی ورد زبان رکھتا تھا "حَتّٰی اِذَا فَرِحُوا بِمَا اُوتُوا اَخَذْنَاھُم بَغْتَۃً" "یعنے یہانتک کہ وہ خوش ہو گئے اوس چیز سے جو اونکو آئی تو ہمنے انہین اچانک پکڑ لیا" اور جب نزع کی حالت تھی تو نہایت متاسفانہ لہجہ مین یہہ کہتا تھا "ذَھَبَتِ الْحِیْلَۃُ فَلَیْسَتْ بِحِیْلَۃ" یعنے حیلہ جاتا رہا اب کوئی حیلہ نہین ہو سکتا" اور یہہ بھی منقول ہے کہ مرتے وقت اوسکی زبان پر یہہ دعا تھی "اللھم انک تعلم انی اخاف من قبلی ولا اخاف من قبلک" (ترجمہ) ای اللہ تو جانتا ہے کہ مجکو خوف ہے اپنی طرف سے اور بیخوف ہون تیری طرف سے اور امید ہے تجھسے اور یاس ہے اپنے آپ سے -

منجملہ معتصم کے بہت سے اشعار کے یہہ بھی ہین ؎

قرب النحام واعجل یا غلام | واطرح السرج علیہ واللجام

اے غلام جلدی کر اور گھوڑے کو قریب کر دے اور اوسپر زین کس اور لگام چڑھا

واعلم الا تراك انی خائف لجة الموت لمن شاء اقام

اے ترکو! تمہین جان لینا چاہئے کہ مین غرقابِ موت مین پھنسنے والا ہون پس جو چاہے اقامت کرے۔

اسنے ارادہ کیا تھا کہ اقصائے مغرب کی جانب سیر کرے تاکہ اون ممالک کو بھی اپنی ملکیت اور تصرف مین لائے جنپر بنی عباس ہنوز قابض نہین ہو سکے تھے۔ اس سبب سے کہ اونپر ایک اموی (عبدالرحمن اموی) والی ہو گیا تھا۔ اور بنی عباس کے قابو مین نہین آتا تھا۔ صولی بیان کرتے ہین کہ معتصم نے محمد بن خطیب سے برسبیل تذکرہ کہا کہ بنی امیہ مین بہت سے بادشاہ گذرے ہین اور ہم بنی عباس مین کوئی بادشاہ ابتک نہین ہوا تھا مگر مین بادشاہ بنی عباس ہون۔ اور جب میری بادشاہت مسلم ہے تو ناممکن ہے کہ کسی اموی کی حکومت باقی رہے۔ مگر بنی امیہ کا بادشاہ اندلس مین ہے۔ پھر اندازہ کیا کہ کسقدر فوج اوسکے محاربہ کو کافی ہوگی۔ حتیٰ کہ اوسکی جمعیت کا انتظام بھی شروع کر دیا۔ لیکن مرض موت بہت سخت ہو گیا تھا۔ اوسی مین انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"

جب معتصم کا انتقال ہوا ہے تو اوسکے وزیر محمد بن عبدالملک نے یہہ مرثیہ پڑھا جو اوسکے انتقال کی تعزیت اور اوسکے جانشین لڑکے ہارون کی تہنیت پر شامل تھا۔ ؎

قد قلت اذ غیبوك واصطفقت علیك اید بالتراب والطین

آہ! جب تو لوگون سے غائب ہو گیا ہمیشہ کے لیے، اور ہم سب نے خاک اور مٹی کے آلودہ ہاتھ تجھپر جھاڑے تو کہا مینے

اذھب فنعم الحفیظ کنت علی الدنیا ونعم الظھیر کنت علی الدین

جا تو! آہ! اچھا محافظ تھا دنیا پر ؎ اور اچھا نگہبان تھا تو دین کا ؎ ؎

ما یجبر اللہ امة فقدت مثلك الا بمثل ھارون[*]

نہین نعم البدل کرتا اللہ اوس امت کے لئے جسنے گم کر دیا ہو تجھ جیسے کو مگر ہارون جیسا

محمد حسین رنگین صدیقی لکھنوی

[*] ہارون اسکے جانشین لڑکے واثق باللہ کا نام ہے۔ شاعر کا یہی مطلب ہے کہ تجھ جیسے کا جبر ہارون جیسا ہی ہو سکتا ہے جو تیرے مسند پر صدرنشین ہو گا یعنی بہت اچھا ہو

وغیرہ مین بعض صورتین ایسی نکل آئی ہین جنکیوجہ سے وہانکی بیگمات کو آزادی کا مفہوم
سمجھنے مین آسانیان ہو گئی ہین۔ زنانہ مدرسے ہین شائستہ قومون سے خانگی و تجارتی
تعلقات ہین سمندر کے دلکش نظارے اور رواج دولت کے اعتبار سے فراغت ہے لیکن جن ممالک
ہنوز رسم ورواج کی طلائی زنجیرین مضبوط ہین وہان ابھی تک صنف نازک کو بجائے خود ایک مسئلہ
گتھی کے سلجھانے مین دقتین درپیش ہین۔

یہ کوئی نئی بات نہین ہے بلکہ زمانے مین جب کبھی اصلاح معاشرت کی ضرورت محسوس
ہوتی ہے تو اسوقت ایسی ہی خرابیان ظاہر ہونے لگتی ہین کیونکہ موسمونکے بدلنے کے وقت
اعتدال مزاج مشکل سے قائم رہسکتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ وحشی و بدوی لوگون کے جو اوصاف
گنائے جاتے ہین مثلاً قسمت کا اعتقاد شجاعت۔ اخوت اور عورتونکی عصمت وغیرہ انمین سے
آخری صفت ایسی ہے جو بزمانۂ موجودہ آزادی نسوان مین بڑی روک سمجھی جاتی ہے اور
اسیوجہ سے قدیم و جدید خیالات کے لوگون مین یہی ایک مسئلہ مابہ النزاع ہوتا ہے۔

اس موقع پر بطور جملہ معترضہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ وحشیون کے ان اوصاف کا کھوج
لگانے مین نہ فقط حکمائے یورپ ہی کی کوششین قابل داد نہین ہین بلکہ ان خیالات کا نقش
اول وہ فلسفیانہ تاریخ ہے جسکے مقدمہ مین علامہ ابن خلدون نے اپنا یہ دعوی ثابت کرنیکی
کوشش کی ہے کہ "حضرت کے بہ نسبت بدویت زیادہ قرین سعادت ہے"۔

جہان مثل زلیخا مشتری تھا جن مضامین کا تماشا ہے وہ یوسف بنکے خود بازار مین آئے
اگلے وقتون مین جو امور اچھے سمجھے جاتے تھے وہ آجکل کے زمانے مین پسندیدہ اور مفید
نہین ہین اور ان مفروضات کا مفہوم اب بالکل مختلف ہے۔ مثلاً قسمت یا تقدیر کا خیال پہلے
ذاتی و انفرادی حیثیت سے تھا مگر اب ان قوانین محکم کا نام تقدیر ہے جو تمام کارخانۂ عالم
مین جاری و ساری ہین۔ فقط ساتھ تعلق یہی اسا نیطرح شجاعت و بہادری اب یہ نہین
رہی ہے کہ نتیے یا تیر و کمان لیکر آتش بار اسلحہ کے مقابلہ پر تیار ہو جائین بلکہ آجکل ہمکو اپنے

حفاظت نہین ہو سکتی جو شرعاً و عرفاً بہت ہی ضروری چیز ہے کیونکہ بغیر اسکے عصمت و حیا جو بہکو گرونکا جوہر ہے اوسکی حفاظت غیر ممکن ہے اسیوجہ سے طبقہ اسلام کی معز بہلین ابھی تک اوس لیڈیز کانفرنس مین شریک نہین ہوئین جو کچھ عرصے سے قائم ہے اور دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء مین جس کا ایک سالانہ جلسہ لاہور مین ہوا تھا۔

ماسوا اس پردہ شکنی کے اور بھی نقصانات ایسے عائد ہون گے جو ترقی تعلیم کے مانع ہون گے اور جب ترقی تعلیم ہی نہوئی جو اس کانفرنس کا اصلی مقصد ہے تو کانفرنس قائم ہونے سے حاصل اور اسکے وجود سے فائدہ۔

ایک عرصے سے کچھ خیر خواہان قوم اس طرح سے پردہ کے پیچھے پڑے ہین کہ اوس بیچاریکا ان سے پیچھا چھوڑنا مشکل ہو گیا ہے۔ میرے خیال مین عجب نہین جو یہ کانفرنس بھی انکی پردہ شکنی کا ایک مقدمہ ہو۔ اسلئے مین اپنے مختصر خیالات کو ایک ناچیز مضمون کے پیرایہ مین اپنی دوراندیش اور انجام بین بہنون کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہون۔ اور امید رکھتی ہون کہ وہ اسکے انجام کو ہر پہلو سے خیال کر کے آگے قدم رکھنے کی کوشش کرینگی۔

راقمہ

زاہدہ بنت مولوی وسیم الدین اوناوی

بیجا اعتراض

ہماری بعض بہنون کی عادت ہوتی ہے کہ چاہے کوئی بات قابل اعتراض ہو یا نہو مگر وہ خواہمخواہ لوگون پر اعتراض کر بیٹھتی ہین مثلاً کسی کی ہنسی پر کسی کے بول چال پر کسیکی وضع پر۔ مگر لطف یہ ہے کہ کچھ دن بھی گذرنے نہین پاتے کہ وہ باتین خود اختیار کر لیتی ہین۔ پھر اگر کسی موقع پر کسیکی مروت بہن نے انکو ٹوکا تو وہ صاف مکر جاتی ہین یا کچھ حیلہ بہانہ کر کے ٹال دیتی ہین۔ مین اپنی ان بہنون سے یہ پوچھتی ہون کہ بھلا اس سے کیا فایدہ ہ ایک تو

اس طرح پر جھوٹ کی عادت ہوتی ہے دوسرے ذلیل ہونے کے سوا اور کوئی نتیجہ نہین ہوتا۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ جاہل نہین بلکہ بہت سی لکھی پڑھی تمیز دار تہذیب یافتہ بہنون مین یہ بات پائی ہے۔ ان مین اکثر بہنین تو ایسی ہین جو خود کسی وجہ سے وہ باتین نہین کرنے پاتی ہین اور رشک کے سبب اعتراض کرتی ہین اور بہتیری عادتاً ایسا کرتی ہین ۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم لوگون نے خود اپنی حالت کو بالکل برباد کر رکھا ہے اور ان فضول باتونکی طرف مطلق خیال نہین کرتے ۔ بھلا ایسی حالت مین ہم کیا ترقی کی امید کر سکتے ہین ۔ پیاری بہنو ذرا سنبھلو اپنی ان بیجا باتون کو چھوڑو اور اپنی حالت خود درست کرو ۔ ان بیجا اعتراضون سے سوا اسکے کہ لوگونکا دل دکھے اور کوئی خاص فایدہ نہین ہوتا ۔ ہماری بہنین اس بات کا ذرا خیال نہین کرتی ہین کہ خواہ مخواہ کسی کا دل دکھانا کیسے گناہ کی بات ہے ۔ اس کی ممانعت شرع شریف مین ہے ۔

کیا تعلیم حاصل کرنے کے یہی معنے ہین کہ دنیا مین اپنے کو سب سے افضل سمجھنے لگین یا یہ کہ کتابین پڑھین اخبارات پڑھین مگر اونکے فوائد پر بالکل غور نہ کرین ۔ اپنی طبیعت کی اصلاح نہ کرین ۔ میری بہنو تعلیم حاصل کرنے کے یہ معنے نہین ہین کہ تم لکھ پڑھ کر تعلیم کو یون برباد اور بدنام کرو ۔ تعلیم حاصل کرنے کے تو یہ معنے ہین کہ تم جہالت کے گڑھے سے نکل کر بری باتین چھوڑو اور اچھی باتین اختیار کرو ۔ والسلام فقط

علویہ

آزادی نسوان

ہندوستان مین آزادی نسوان کا مسئلہ ایسا پیچیدہ ہو گیا ہے جسکے حل کرنے مین بہی خواہان قوم کو طرح طرح کی دشواریان پیش آ رہی ہین اور اگرچہ احاطہ بمبئی و مدراس

مگر اسوقت تک جو علمی ترقی ہملوگون مین نہین ہوئی اوسکی اصل وجہ یہہ تھی کہ ہماری بہنین نہ اسکی ضرورت محسوس کرتی تھین نہ شوق تھا مگر اب وہ خود خواب غفلت سے بیدار ہوئی ہین اور ترقی کی کوشش کر رہی ہین جسکے ثبوت کیواسطے سیکڑون زندہ تمثیلین دنیا مین اسوقت موجود ہین اور روز بروز ہوتی جاتی ہین رسالہ عصمت و نیز دیگر پرچون مین جو مضامین ہماری بہنون کے شائع ہوتے ہین وہ بھی اس بات کی شہادت دیتے ہین کہ عورتین اسوقت تک جاہل نہین رہین اور اب بفضلہ ایک نمایان ترقی کر رہی ہین۔

اس موقع پر سر سید احمد صاحب کی کانفرنس جو تمثیلاً پیش کی گئی ہے بالکل لایعنی ہے کیونکہ اولاً اوس کانفرنس کا منشا یہہ تھا کہ مسلمان لڑکون کو علمی درجہ کی تعلیم دیکر ایم اے ۔ ایل ایل بی کے امتحان پاس کرائے جائین مگر ہملوگونکے لئے اس بات کی کوشش کرنا بیکار ہے بلفرض محال اگر ہماری بہنون نے بہ ہزار دقت و خرابی یہہ درجے پاس بھی کئے اور ڈگری حاصل بھی کی تو اس سے نتیجہ ؟ ہملوگ کسی پبلک خدمت کے لائق نہین نہ کسی عدالت کے حاکم ہو سکتے ہین ۔ دوسرے یہہ کہ وہ کانفرنس جنس ذکور کے لئے تھی کیا عورتین بھی ویسی آسانی سے اور اوسیطرح بلا کسی خدشہ کے کانفرنس وغیرہ مین شریک ہو سکتی ہین ۔ تیسرے یہہ کہ اوس کانفرنس کا منشا یہہ بھی تھا کہ جو لوگ اب تک پرانے خیالات کے تھے اور تعلیم انگریزی کو کفر خیال کرتے تھے وہ ضرورت تعلیم انگریزی محسوس کرکے اسطرف رجوع ہون۔

لیڈیز کانفرنس مین اولاً یہہ سب اسباب ایکدم سے معدوم ہین ۔ دوسرے جبکہ ہماری معزز بہنین خود ضرورت تعلیم محسوس کرتی ہین اور کوشش کر رہی ہین تو لیڈیز کانفرنس اونکو کیا فائدہ پہونچا سکتی ہے بلکہ ایسے وقت مین جنس ذکور کی تھوڑی تحریک اور لایق بہنون کے مضامین بھی سمجھانے کیلئے انکو کافی ہین جو باتیں خدا کو جوش [illegible] دلاکر ایک تازہ روح پہونک دینگے ۔ علاوہ اسکے کانفرنس مین شریک ہونے سے پردہ کی

سے تحریر فرمائینگے۔ مجھے افسوس ہے کہ اپریل کے الناظر مین یہ مضمون شایع نہو سکا۔

زہرا بیگم فیضی

آل انڈیا لیڈیز ایجوکیشنل و سوشل کانفرنس

ایک مہربان قوم نے مارچ کے پرچہ الناظر مین ضرورت آل انڈیا لیڈیز ایجوکیشنل و سوشل کانفرس کو بیان کیا ہے چنانچہ قبل اسکے کہ مین لیڈیز کانفرس کے فوائد و نقصانات پر کوئی راے ظاہر کرون یہ معلوم کرنا چاہتی ہون کہ ہملوگونکے لیئے تعلیم کی ضرورت ہے بھی یا نہین اور اگر ہے تو کس قسم کی تعلیم ہو۔

میرے خیال مین اگر فرقہ اناث کو تعلیم کی ضرورت ہے تو صرف علم اخلاق۔ ادب طرز معاشرت۔ امور خانہ داری وغیرہ کی اسلیئے کہ جہانتک غور کیا گیا تعلیم نسوان کا منشا یہ معلوم ہوا کہ اس سے علاوہ خود ہماری تربیت کے آیندہ نسلون پر مستحسن اثر پڑے اور چونکہ اعلی تعلیم کیلئے یہ ضروری ہے کہ تعلیم کی ابتدا ماں کی گود ہی سے ہو کیونکہ ماں کا اثر بچے کے اخلاق وغیرہ پر بہت زیادہ پڑتا ہے اور ہر شخص کی عمر کا ایک معتدبہ حصہ اور خاصکر وہ حصہ جس مین اصلاح بآسانی ہو سکتی ہے ماؤن کی زیر پرورش گزرتا ہے اسلیئے ضرورت ہے کہ عورتین بھی تعلیم یافتہ خلیق اور مہذب ہون۔ جبکہ تعلیم نسوان کا منشا یہی ہے تو ہمکو ایف اے۔ بی اے پاس کرنیکی کوئی ضرورت نہین ہو سکتی کیونکہ علم اخلاق وغیرہ اسطرح سے حاصل نہین ہو سکتے ان علوم کا ذخیرہ مذہبی کتابین ہین اور سواے اس ذریعہ کے کسی دوسرے طریقے سے حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔ یہی امر کی تاکید ہمارا مذہب اسلام بھی ہمکو کرتا ہے کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ اور دوسری جگہ علم کے اقسام بیان کردے کہ العلم علمان علم الابدان و علم الادیان لہذا ضروری ہوا کہ ہلوگونکو مذہبی تعلیم دیجاے۔ البتہ اگر علم شے بہ از جہل شے کا مصداق تسلیم کرکے تھوڑی سی انگریزی بھی پڑھا دیجاے تو چندان مضائقہ نہین۔ مذہبی تعلیم کیلئے کانفرس کی کوئی ضرورت نہین ہے کیونکہ ابھی تک دنیا کے کسی حصہ زمین پر لیڈیز کانفرنس نہ تھی اور اوسکے نہونے سے ایسا بھی نہوا کہ عورتین علی العموم جاہل رہی ہون

لیڈیز کانفرنس

جناب امین الحسن رضوی صاحب کا مضمون لیڈیز کانفرنس کے عنوان سے الناظر میں دیکھکر مینے شوق سے پڑھا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ پانچ ہی چھ سال مین مردونکو لیڈیز کانفرنس کا قایم ہونا ضروری معلوم ہوا۔ مسٹر شیخ عبد اللہ بی اے ایل ایل بی حامی تعلیم نسوان اور آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے شعبہ تعلیم نسوان کے سکریٹری کی کوشش بلیغ کا یہہ نتیجہ ہوا تھا کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس واقع علیگڈہ کے ضمن مین لیڈیز کانفرنس علیحدہ قائم ہوئی جسپر متعصب حضرات نے اعتراضات کی ایسی بوچھار کی کہ دوبارہ کہین لیڈیز کانفرنس نہوئی اور اوسکے قائم کرنیوالون نے بھی یہہ خیال کیا کہ ایسا کرنا شاید قبل از وقت ہے خیر اس سال پھر خیال پیدا ہوا ہے کہ لیڈیز کانفرنس ہو کیونکہ نامعلوم سیکڑون فائدے ضرور ہوتے ہین۔ کوئی چیز ہم کو اس طرح یکمل نہین ہوسکتی جیسے ایک جگہ شہر شہر کی ہو کر بیٹھنا۔ اور ایک دوسرے کو دیکھکر اور باہم ملکر جو باتین حاصل ہوسکتی ہین وہ بیان سے باہر ہین اسکا اچھا اثر قوم پر ہونا ضروری ہے علیگڈہ لیڈیز کانفرنس مین بمبئی سے پانچ بیگمات تشریف لیگئی تھین اور دہلی وغیرہ سے کوئی بیس بیگمات رونق افروز ہوئی تھین جلسہ کے وقت غیر قوم کی بی بیون سمیت جملہ ۸۰ عورتین تھین۔ دوسرے سال جب مین دہلی گئی اور اون بہنون سے ملی جو لیڈیز کانفرس مین شریک ہوئی تھین تو مجھے پوری طرح یقین ہو گیا کہ لیڈیز کانفرس نے کچھ نکچھ اپنا اچھا اثر ضرور چھوڑا ہے جب ایک بار ملنے جلنے سے یہہ اثر پیدا ہوا تو اگر ہر سال ملنے کا موقع ہو تو قوم کے دن پھر جائین۔

اسمین شک نہین جیسا کہ جناب امین الحسن صاحب نے فرمایا "کہ قابل اور لائق عورتین ہر سال نئے نئے شہرونمین کانفرنس قایم کرین اور اپنی ہم جنسون مین جائز رشک اور تعلیمی تحریک پیدا کرین" اسکے جواب کا لیں بہنین "بسر و چشم ہم حاضر ہین" کہینگی کیونکہ ان کو کامل یقین ہے کہ عورتین اسمین دل سے شریک ہونا چاہتی ہین بلکہ اون کا بس چلتا تو اس سے کئی سال پیشتر وہ بہت کچھ کر گذری ہوتین۔ لیکن مردونسے ابھی امید نہین ہے کہ وہ عورتون کو اتنی آزادی دین جو وہ بیبیان کم از کم لیڈیز کانفرنس مین شریک ہوسکنے کی مجاز ہون۔ ایک دو مردون کے مہذب اور روشن خیال ہو جانے سے تمام

ہندوستانکی عورتوںکا کام نہیں نکل سکتا ہے اسلئے جناب امین الحسن صاحب سے صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ وہ اپنے ہم جنسوں کو حوصلے آمادہ کریں رصرف منھ سے ہاں کہہ دیں اسکے بعد کانفرنس کا ہونا کوئی مشکل اونہیں ہے ایک ایک شہر میں چھوٹا چھوٹا گروہ جب ہم خیال ہوجائیگا تب قدم بڑھ سکتا ہے کیونکہ جب مرد اس بات کو ماں لینگے اور لیڈیز کانفرنس کو اچھا سمجھنے لگیں گے تب یہ بیچارہ بے بس اور کمزور فرقہ کچھ کر سکے گا اور ملامت سے بچیگا۔

اکثر روشن خیال اور مہذب مردوں کو دیکھا گیا ہے کہ صرف زبانی جمع خرچ کرنیکے لئے عام جلسوں میں عورتوں کے حقوق دینے اور اونکی زندگیوں کو کارآمد بنانیکی تحریک وتائید کرتے ہیں اور انھیں حضرات کے گھروں میں آج کوئی چلکر دیکھے تو قول وفعل میں زمین وآسمان کا فرق نظر آئیگا۔ سب سے زیادہ افسوس تو اس بات پر ہے کہ مسلمانوں کی باتوں پر اعتبار کرنا بھی بڑی ذمہ داری ہے۔

میں معافی کی خواستگار ہو کر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی ہوں کہ ادبار کے باعث مردوں کی عقل کا بڑا حصہ کافور ہوگیا ہے۔ ان میں صرف اتنی عقل باقی ہے کہ عورتوں کو تحت الثریٰ تک پہونچا کر محکوم بنائیں اور اس بدی حالت میں بطرح حکومت جتا کر بیماریوں کی زندگی وبال جان کردیں اور تہمتوں کی بارش اونکے سروں پہ برساتے رہیں۔ اسکے برخلاف خود کانفرنس میں جائیں۔ جلسوں میں شریک ہوں۔ دعوتیں کھائیں۔ مزے اوڑائیں اور جو چاہے کریں لیکن عورت کی مجال نہیں کہ ایک حرف زبان سے نکال سکے۔ وہ زندگی گھر کے کونے میں گذارتی ہے اور مرکر قبر کا کونا دیکھتی ہے یہ اوسکی قسمت ہے۔ افسوس! یہ ایسا دل جلانے والا مسئلہ ہے کہ صفحے کے صفحے بھرے جا سکتے ہیں لیکن اسوقت خاموش رہتی ہوں۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ ہی لیڈیز کانفرنس کا ہونا بہتر ہے تاکہ بیگمات اپنے اپنے گھر کے مردوں کے ہمراہ سفر کر سکیں اور دونوں کا کام ایک ہی وقت میں نکل جائے۔ بیگمات کے ٹھہرنے کا انتظام محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ذمہ رہے اور جسقدر مزید روپیہ کی ضرورت ہو تو موجودہ رمقامی) بیگمات سے تھوڑا سا چندہ وصول کیا جائے یقین ہے کہ اسمیں کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ لیڈیز کانفرنس کے جلسہ میں وہی بیگمات تقریر کرنیکی مجاز ہوں جنکو کمیٹی مقرر کرے کیونکہ ہر بیگم کی تقریر قوم کیلئے سودمند نہیں ہو سکتی۔

جناب امین الحسن صاحب۔ امید ہے کہ آیندہ کسی مضمون میں حسب وعدہ لیڈیز کانفرنس کے متعلق زیادہ شرح بسط

دورِ جدید

میرے پیارے عنایت فرما - یہ ایک ظریفانہ نظم ہے میں نے آپ ہی کیلئے لکھی تھی لیکن ایک صاحب زبردستی نقل لیگئے کیا عجب ہے کہ زمانہ یا کسی اور تک پہونچے - بہرکیف ناظرین الناظر کے سامنے بھی پیش ہونے کے لائق ہے یا نامناسب ہو تو خود آپ خط خاص کر سکتے ہیں پرائیوٹ طور پر - نیازمند اکبر حسین

چل بسے وہ جنھیں مقدور تھا خودداری کا — اب وہ تقویٰ نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی امید

ولولے لیکے نکلنے لگے کالج کے جوان + — شانِ مشرق کے عدو شیوۂ مغرب کے شہید

نئے انداز ریاضت میں نئی صورت عیش — رمضاں ساعت کرکٹ ہے تھیٹر میں ہے عید

نئی تہذیب نئی راہ نیا رنگ جہان + — دور گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید

بحث میں آہی گیا فلسفۂ شرم و حجاب — زہرہ ممبر ہوئیں ووٹر تھے جناب خورشید

دبی آواز کہا بھی جو کسی نے کہ جناب — کچھ مناسب نہیں اسوقت میں ایسی تمہید

شیخ صاحب ہی کا ہے بزم میں کیا رعب و وقار — کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی امید

نعرۂ تحقیر کے اسیر ہوئے یاروں میں بلند — لڑکیاں بول اٹھیں خود بہ طریق تائید

جب حکومت نہیں باقی تو یہ غمزے کیسے — کون کونے میں کرے بیٹھکے مٹی کو پلید

تمنے شلوار کو پتلون سے بدلا اے شیخ — پھر مرے واسطے محرم رہے کیوں حبلِ ورید

خود تو گٹ اپ کیلئے جان دیئے دیتے ہو — ہمسے کہتے ہو کہ پڑھو بیٹھکے قرآن مجید

لال جب خود ہی کنیری کا ہوا ہے بندہ — تو یہ مینا ہے کیوں گوشۂ عزلت میں شہید

دولھا بھائی کی ہے یہ رائے نہایت عمدہ — ساتھ تعلیم کے تفریح کی حاجت ہے شدید

درِ نظارہ مقفل رہے کب تک ہمپر + — کیوں نہ غنچوں کے لئے بادِ صبا کی ہو کلید

اکبر افسردہ شد از گرمی این طرزِ سخن + — شیخ بگریخت و در صومعہ خویش خزید

کھل گئے در... نہ رہا شاہدِ مشرق میں حجاب — غل مچا ہر سے کہ بول اٹھے یہ مغرب کے مرید

لقد الحمد ہر آن چیز کہ خاطر میخواست — آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

بچاؤ کیلئے وہی اصول اختیار کرنا پڑتے ہین جو مسلمانون نے جنگ خندق کیوقت اختیار کئے تھے اور اخوت جو پہلے قبیلے اور خاندان کے تنگ دایرہ مین محدود تھی اب اسکا مفہوم قومی وملکی برادری مین وسیع ہوگیا ہے اور کیا عجب ہے کہ آیندہ پان ہلا میزم کے اصولون پر عام ہوجاے - بالکل اسیطرح سے عورتونکی عصمت کا بھی معیار اب بہت کچھ بدل گیا ہے - پرانے زمانہ کی معتبر روایتون سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت پر ایک بیزبان نے گواہی دی تو اسیوقت عام طور سے یہ شور غوغا مچگیا تھا کہ ان کیدکن عظیم - لیکن اب تہذیب وشایستگی کا دور دورہ ہے اور جاہلانہ خیالات معدوم ہوتے جاتے ہین - سکندر نے ایران مین اور ایلرک نے جرمنی وغیرہ مین عورتون کی عصمت کے بارہ مین سخت سے سخت آئین وقوانین نافذ کئے تھے مگر اب وہ سب تقویم پارینہ ہوگئے ہین - اور دور کیون جائیے خود ہندوستان مین جبکہ مرہٹون کی شورشون سے طوفان بے تمیزی برپا تھا اسوقت سیواجی کے کیرکٹر مین یہ بات بڑی آب وتاب سے دکھائی جاتی ہے کہ اسکو عورتونکی عصمت کا ایسا پاس تھا کہ اسنے کسی عورت کی ناک کٹوا کے پونہ سے شہر بدر کردیا تھا (ملاحظہ طلب رسالہ ہندوستان ماضی وحال) اسیطرح لٹیرون اور ٹھگو نکے بہت سے قصے مشہور ہین جن سے عورتون کیطرف سے بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے - غرضکہ وحشیانہ زندگی کا یہ لازمہ تھا کہ عورتونکی عصمت کے ذمہ دار بھی مرد ہی ہوا کرتے تھے یہانتک کہ رفتہ رفتہ عورتون کے تمام حقوق پر مردون کا دست تصرف دراز ہوتا گیا -

بدویت کیحالت مین اس زمانے کی سوسائٹی کے لحاظ سے مردون کیلئے یہ ضروری تھا کہ وہ حیادار بیبیون کے حفظ آبرو کا بندوبست کرین لیکن اب زمانہ حریت وآزادی مین اسکی مطلق ضرورت نہین ہے کہ یہ بارگران بھی مردون ہی کے سر آئے مسلماتون وواں رہتا وہ ۱۱ اخری - اب جبکہ مرد وعورت ایکساہی پیمانہ پر آگئے ہین

وقت اسکا ہے کہ یغضضن من ابصارھنّ کے ساتھ ہی یغضوا من ابصارھم کی تعمیل ہونا چاہیے چنانچہ امریکہ مین عورتونکو معتدبہ آزادی حاصل ہے اور انگلستان مین مطالبہ حقوق کے ہنگامے عورتونکی کامل آزادی کا پیش خیمہ ہین اسیطرح ترکی مین کچھ دنون مشتبہ نقاب کی بندشون اور آزادی نسوان کے بارے مین جو سختیان ہو رہی تھین وہ اب ملتین مین اور نہین رہین گی۔

ہندوستان مین بھی آجکل آزادی کی ہوائین ہر گوشے مین چل رہی مین اور اسیوجہ سے یہان عورتونکو تعلیم دلانیکی شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے تاکہ وہ خود اپنے نیک و بد کی تمیز کرسکین اور اُن مین رفتہ رفتہ یعنی ارادہ انسانی کے صحیح استعمال کی عادت ہو سکے۔ لیکن اکثر افراد ذکور قدامت پرستی پر خود ایسے مٹے ہوئے ہین کہ ہنوز ہندوستان مین عورتونکی تعلیم کا ہی مسئلہ زیر بحث ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تعلیم نسوان ہوئی تو ایسی جو پرانے زمانے کے موافق ہو تاکہ زنان ہند کی اولادون مین مہاتما بدھ کے ایسے لوگ پیدا ہو سکین۔ لیکن کوئی تاریخی ثبوت اسبات کا نہین ملتا ہے کہ رانی کونسلیا نے چار دیواری کے اندر بیٹھے بیٹھے ایسا اُجیالا پیدا کیا ہو بلکہ زیادہ چھان بین کیجائے تو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ قدیم ہندو کی عورتین خدا کی گونا گون مخلوقات کے مطالعہ سے محروم نہین تھین اور زمانہ موجودہ مین بھی ہندو اور پارسی لیڈیز بی اے کی ڈگریان حاصل کرنے اور مفید مشاغل اختیار کرنے مین مردون کے پہلو بہ پہلو چل رہی ہین ع تاکس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری۔

ایسی حالت مین ہمکو نہایت تعجب ہوتا ہے جب کسی آپ ٹو ڈیٹ اہل قلم کے یہ الفاظ نظر آتے ہین کہ عورتون اور مردونکی ترقی کے راستے مختلف ہونا چاہیئے ہین جبکہ دونونکی منزل مقصود ایک ہی ہے۔ کسی قوم مین جبتک کہ وہ ترقی یافتہ نہو جائے اپنی موجودہ اور آیندہ ضروریات کا احساس مشکل ہوتا ہے لیکن زمانے کی

روش کے خلاف جو صدائیں بلند ہو رہی ہیں انمیں ایک ایسی نیرنگی ہے جسپر الٹی گنگا بہانے کی مثل صادق آتی ہے اسلئے ہم آخر مین زمانے کی رفتار کے متعلق مثنوی مولانا رومی کی چند ابیات نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں وہو ہذا

دم مزن تا بشنوی زان آفتاب ۔ ہرچہ نامد در کتاب و در خطاب
دم مزن تا بشنوی زان سہ لقا ۔ الصلا اے پاکباز ان الصلا
خود چہ جاے جد و بیداری و خواب ۔ دم مزن واللہ اعلم بالصواب

شہزاد۔ از حیدرآباد دکن

ریویو

عورت کی صلاح کار

یعنی

مان کی مددگار اور بیوی کی نگہدار

یہہ کتاب ڈاکٹر ایم اے سٹیلی صاحبہ انچارج لیڈی ایچیسن زنانہ ہسپتال لاہور نے انگریزی مین تصنیف کی اور مسٹر ایف آر سراج الدین صاحب (فورمین کرسچن کالج لاہور) نے اردو مین اسکا ترجمہ کیا۔ اسکے چار حصہ ہین حصہ اول مین حفظان صحت کے عام اصول پر بحث کیگئی ہے اور مکان ۔ آب نوشیدنی غذا اور ورزش وغیرہ کے علاوہ بعض ایسی بیماریون کا ذکر کرکے جو نہایت عام بیماریان خیال کی جاتی ہین تیمار داری اور بیمار کے متعلق مفید مشورے دیئے گئے ہین۔ حصہ دوئم مین عورتونکی بعض عام بیماریون کی حقیقت اور اونکے علاج اور اعضاء تولید کی مفصل تشریح کرکے یہہ بتایا گیا ہی کہ اولاد نہ پیدا ہونیکے کیا اسباب ہوتے ہین اور اونکا علاج کیونکر ہو سکتا ہے حصہ سوئم مین حمل اور وضع حمل کی مفصل کیفیت زمانہ حمل مین یا اوسکے بعد جو بیماریان لاحق ہوتی رہتی ہین اونکی تشریح اور علاج ۔ وضع حمل کے نشانات اور اوسوقت جو جو احتیاطی تدابیر کرنا چاہئے ہین ۔ جچگی

کے ایام مین زچہ کی حالت۔ اوسکی بیماریان اور علاج۔ اور بچہ کے تلف ہوجانے کی صورت مین بتایا گیا ہے کہ کیا کیا کرنا چاہئے۔ حصہ چہارم مین بچہ کی پیدائش۔ دودہ کا انتظام۔ اوسکی بدل غذا بچون اوسکا رکھ رکھاو۔ بچپن کی بیماریان۔ اونکے علاج۔ غذا اور پرورش و پرداخت کے متعلق ہدایات مین اور خاص امراض۔ اونکے علاج اور گھر کے دواخانہ کے متعلق بحث کیگئی ہے۔ ان امور کے متعلق جسقدر شرح و بسط کے ساتھہ اس کتاب مین تمام باتین لکھی گئی ہین اونکا فائدہ بیان سے باہر ہے۔ فاضل مصنفہ نے کوشش کی ہے کہ یہ کتاب ہندوستان کی مستورات کی ضروریات کو پورا کرے اور ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہین کہ اس کوشش مین اون کو بہت کامیابی ہوئی ہے ایکبات البتہ ہمکو کھٹکتی ہے وہ یہ کہ جسقدر لوازمات حفظان صحت۔ علاج اور بود و ماند کے متعلق اسمین بتائے گئے ہین اون پر عمل درآمد کرنا غریب کیا معنے متوسط الحال طبقہ کے لوگون کیلئے بہی دشوار ہے۔ خصوصاً جبکہ ہندوستان کی موجودہ معاشرتی اقتصادی حالت پر نظر کی جائے۔ ہان خوش حال طبقہ ملک کے لوگ اگر ان تمام قیمتی ہدایتون پر عمل کرین جو اس کتاب مین درج ہین تو کوئی وجہ نہین ہے کہ اوس طبقہ کی مستورات کی صحت پر نہایت عمدہ اثر نہ پڑے۔ اس کتاب کی مترجمہ سب سے زیادہ قابل تعریف ہین کہ اونہون نے عورت ہوکر ایسا سلیس آسان اور بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ زبان اور محاورات کی بعض لغزشون سے قطع نظر کر کے یہ کہنا بیجا نہوگا کہ یہ کتاب ہندوستانی نسوانی قابلیت کا نہایت قابل قدر نمونہ ہے۔ اور جب ہم اس بات پر لحاظ کرین کہ اس ۲۵۵ صفحون کی مجلد کتاب کی قیمت صرف [illegible] ہے تو اس کتاب کی وقعت ہماری نظرون مین دوبالا ہوجاتی ہے اور ہم ناظرین و ناظرات الناظر سے اس کتاب کی خریداری کی سفارش کرنے پر مجبور ہوجاتے ہین یہ کتاب رائے صاحب منشی گلاب سنگھہ اینڈ سنز کے مطبع مفید عام واقع لاہور سے مل سکتی ہے

بی جی کی خوشی

یہ ایک چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحون کا مولود شریف ہے جو مولوی نظام الدین حسن صاحب

نظامی مالک نظامی پریس واخبار ذوالقرنین بدایون کی بیگم صاحبہ نے خاص مستورات کیلیے ترتیب دیا ہے اور دفتر مین نظامی پریس بدایون سے مل سکتا ہے مسلمانون کے لیے محفل میلاد نہایت ضروری چیز ہے اور جسقدر کتابین ذکر حضرت خیر الانام مین اس غرض سے لکھی گئی ہین کہ ان مبارک محفلون مین پڑھی جائین وہ اس زمانہ کے حق شناس اور تحقیق پسند لوگون کی نظرون مین زیادہ وقیع نہین سمجھی جاتین اور مستورات کی عقیدمندی اگرچہ آجتک اُن بوسیدہ کتابون کی وقعت مین کوئی کمی نہین ہونے دیتی لیکن تعلیم نسوان کی اشاعت نے اون کے دلون مین بھی ایک گونہ تحریک تلاش حق کی پیدا کردی ہے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ ان محفلون مین پڑھنے کے لئے بہتر کتابین طیار رہین۔

ہم یہہ نہین کہہ سکتے کہ اس کتاب نے محسوس شدہ ضروریات کو پورا کردیا لیکن اسمین شک نہین کہ اسکی اشاعت نے ایک پایہ قایم کردی ہے اور اسکی کامیابی زیادہ مفید تالیفات کی مقبولیت کا پیش خیمہ ہوگی۔

بیشتر حصہ اس کتاب کا نظم مین ہے جسمین بعض نہایت اچھی نعتیہ غزلین ہین اور حصہ نثر مین ولادت جناب سرورکائنات صلعم کے مختصر حالات اور عورتون سے متعلق بعض احادیث کی مختصر تفسیر ہے اسکا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ عبارت آسان اور کم علم عورتون کی سمجھ مین آسکنے کے قابل ہو۔

نظرے خوش گذرے

لسان العصر

ملک کا علم دوست طبقہ یکم جنوری سے "لسان العصر" کا انتظار کر رہا تھا۔ قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔اے۔ایم۔آر۔اے۔اس۔ کا نام۔ بجائے خود پرچہ کی خوبی و وقعت۔ کے لیئے کافی ضمانت تھا۔ اور اسی امر نے ہماری نگاہ شوق مین ایک بیتابی پیدا کر رکھی تھی۔ لیکن بعض اتفاقی و ناگزیر اسباب کے باعث رسالہ کی اشاعت مین تعویق ہو گئی اور پہلا نمبر بجائے جنوری کے مارچ مین نکلا۔ اس نمبر کی ضخامت علاوہ سرورق اور اشتہارات کے ۱۲۱ صفحات کی ہے۔ ٹائٹل پیج (سرورق) نہایت خوشنما۔ لکھائی چھپائی۔ اوسط درجہ کی ہے۔

مضامین کے لحاظ سے رسالہ کے دو حصے ہین۔ حصہ اول مین تاریخی۔ ادبی اور سیاسی مضامین ہوا کرینگے۔ اور حصہ دوم مین دو باب ہین۔ پہلے باب مین ادب سادہ یعنی نظم فسانہ۔ مذاق۔ وغیرہ ہوگا۔ دوسرے باب کی فہرست مضامین مین ماہ گذشتہ کی خبرین واقعات پر رائین۔ تنقید کتب۔ اور خلاصۃ الرسایل شامل ہین۔ مضامین کی یہ ترتیب ہماری راے مین نہایت مناسب و مفید ہے۔ اور اگر کسی رسالہ مین قابل ایڈیٹر کے زیر اہتمام پابندی کیجاے۔ تو اسکی کامیابی و جامعیت مین کسکو کلام ہو سکتا ہے؟

مارچ نمبر مین ہماری نظر پہلے "گذارش اڈیٹر" پر پڑتی ہے جسمین نہایت تفصیل کے ساتھ رسالہ کے اغراض و مقاصد اور اسکی پالسی بتائی گئی ہے۔ پالیٹکس کے متعلق اس پرچہ کی جو روش ہوگی۔ وہ ایڈیٹر کے الفاظ مین یہ ہے۔

> اس پرچہ مین پولیٹکل مباحث ہون گے۔ مگر گورنمنٹ کی مخالفت اور مختلف قومون مین عناد پیدا کرنا اس پرچہ کا مقصد نہ ہوگا۔ اسکا پالیٹکس مختلف اقوام مین اتحاد کا پیدا کرنا۔ گورنمنٹ اور رعایا کے

درمیان سے نا اتفاقیون کا رفع کرنا اور معاملات ملکی پر اس طرز سے بحث کرنا جو پڑھنے والون کے جوش کو بھڑکانے کے بجائے دماغ کو متوجہ کرے۔

برخلاف اور اردو رسالون کے، اس پرچہ کی پالسی مین یہ امر بھی مدنظر رکھا گیا ہے کہ قلمی معاونین کی خدمت نقدی معاوضہ سے کیجائے تاکہ وہ اپنے علمی مشاغل کے سبب فکر معاش سے فارغ البال ہوجائین۔

حصہ اول مین ایک مضمون زیر عنوان "تحقیقات عالم ارواح" انگلستان کے مشہور اہل قلم مسٹر اسٹڈ کے ایک آرٹکل کا ترجمہ ہے مضمون کا ماحصل ایک دفتر قایم کرنے کی تجویز ہے جسکے ذریعہ سے مردون اور زندون مین نامہ و پیام کا سلسلہ قایم کیا جائے مسٹر اسٹڈ کا یہ مضمون یورپ کے اسپرچولسٹ اور روح پرست حلقہ مین بہت مقبولیت کی نظرون سے دیکھا گیا ممکن ہے کہ ہمکو مضمون کے خیالات سے اتفاق نہ ہو۔ تاہم مضمون جس طرز سے لکھا گیا ہے وہ درحقیقت نہایت دلچسپ ہے۔ اور موافقین و مخالفین دونون کے پڑھنے اور غور کرنے کے لایق ہے۔ اسی حصہ مین ایک عالمانہ مضمون ہمارے شہر کے قابل فخر پروفیسر مرزا محمد ہادی کے قلم سے "اہرام مصر" کے متعلق شایع ہوا ہے جس مین انکی ساخت تاریخ بنا آثار علمیہ وغیرہ کا نہایت محققانہ بیان ہے لیکن سب سے زیادہ باعث مسرت یہ امر ہے کہ اس مضمون کے ضمن مین جسقدر ریاضی مسایل درج ہین وہ سب پروفیسر موصوف کے استخراج کئے ہوے ہین۔

ہمارے خیال مین سب سے زیادہ قابل اعتراض امر اس پرچہ مین نظم کا انتخاب ہے حصہ دوم کے گیارہ صفحات ریاض کے کلام کی نذر ہین اس مین شبہہ نہین کہ ریاض موجودہ اردو شاعرون مین ایک اعلیٰ رتبہ رکھتے ہین۔ وہ مستند زبان دان ہین اور اُنکے کلام مین شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ باانیہمہ انکے کلام کا جو نمونہ لسان العصر مین درج ہے اُسکا بڑا حصہ اس قابل نہین کہ ایک متین و مہذب پرچہ مین جگہ پاسکے ہم چاہتے تھے کہ یہان چند شعر بطور تمثیل کے درج کرتے۔ لیکن اگرچہ نقل کفر کفر نباشد تاہم مذاق سلیم اسکی بھی اجازت نہین دیتا۔

عطر سخن کے کالم میں اردو کے مشہور گلدستون بیام یار۔ فصیح الملک۔ نیرنگ وغیرہ سے چیدہ چیدہ اشعار درج ہین اور خلاصۃ الرسایل کے عنوان کے ذیل مین اردو کے تقریباً تمام سربرآوردہ رسالون مثلاً مخزن۔ زمانہ۔ الندوہ۔ البیان۔ الناظر۔ تنویر الشرق۔ ترقی اردو۔ معلی وغیرہ کے خاص خاص مضامین کا انتخاب شامل ہے۔ اور انگریزی رسالون مین سے ایسٹ اینڈ ویسٹ۔ ہندوستان ریویو۔ ماڈرن ریویو۔ انڈین ورلڈ کے بعض مضامین کا ترجمہ درج ہے۔

ایک خاص لایق تحسین امر جسکی ایجاد کے فخر کا سہرا لسان العصر کے سر ہے۔ یہ ہے کہ ملک کے مشہور ارباب قلم کے بعض مضامین انھین کے خط مین شایع ہوا کرینگے۔ بقول قاضی صاحب کے "مشاہیر کی تحریرین جو خود اُنکے ہاتھ کی لکھی ہوتی ہین ہر زبان کے خزانۂ ادب کے بیش بہا جواہر ہوتے ہین۔ اس بنا پر ان کو بجنسہ محفوظ رکھنا زبان کی بہت بڑی خدمت کرنا ہے" اور ہمکو نہایت خوشی ہے کہ یہ خدمت لسان العصر نے اپنے ذمہ لی۔

الغرض بحیثیت مجموعی لسان العصر ہماری پوری عزت کا مستحق ہے اور ملک کے ہر تعلیم یافتہ شخص کے ہاتھ مین جانے کے لایق ہے اور ہمکو اس امر کے ظاہر کرنے مین کوئی تامل نہین کہ موجودہ اردو رسایل مین باستثناء الندوہ کے اور کوئی اس کی ہمسری نہین کرسکتا۔ قیمت ۵ سالانہ فی پرچہ ۸ ر ملنے کا پتہ دفتر لسان العصر لکھنؤ

مشورہ

اس رسالہ کے نمبر ۵ مطبوعہ ۱۵ مارچ مین تعلیم نسوان کے متعلق گورنمنٹ کو یہ عجیب وغریب مشورہ دیا گیا ہے کہ

جب انگریزی گورنمنٹ کی شائستگی بڑھانے والی تعلیم عورتون مین بھی بڑھ جائیگی تو جو مصیبت گورنمنٹ کو پیش آئیگی وہ بڑی سخت ہوگی۔ اسلئے گورنمنٹ کا فرض ہے کہ تعلیم کو وہ خود لوگون کے شوق پر رکھے

اور گورنمنٹ اس مین نہ کوئی مدد دے اور نہ ترغیب "رچاکار سے کنارہ قل کر بازآر دلپشیا ئی۔

پہر آگے چلکر تحریر فرمایا ہے کہ

آجکل کے زمانہ مین جبکہ لڑکون کی تعلیم زیر بحث ہے لڑکیون کی تعلیم کیجانب سے کچھ دنون تو بے پروائی کرنا ہی چاہئے۔ لڑکون نے کیا کم گل کھلائے ہین کہ لڑکیون کو بھی اس مین شریک کیا جائے اگر خدانخواستہ لڑکیان بھی ایسی ہی ہوگئین تو آفت ہے۔

دیکھا چاہئے کہ گورنمنٹ اس مشورہ کی کیا قدر کرتی ہے۔ اسی پرچہ مین ایک مضمون ایک مسلمان گریجویٹ کے قلم سے "عرفان حق" ہے جس مین "لامذہب" کے اصول وعقاید بتلائے گئے ہین مگر معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار کی معلومات زیادہ صحیح نہین اور انکی واقفیت کا ماخذ مذہبی فرقہ کی تصانیف ہین۔

زمانہ

شکر ہے کہ اب تعلیم یافتہ ہندؤن کو روز بروز نیچ قومون کی اصلاح کا خیال زیادہ ہوتا جاتا ہے چنانچہ کانپور کے مشہور اردو رسالہ زمانہ کے مارچ نمبر مین جو اپنی معمولی آب وتاب کیساتھ شایع ہوا ہے۔ رائے بہادر لالہ بیج ناتھ کا ایک مضمون نیچ قومون کی اصلاح کے عنوان سے نکلا ہے جسمین رائے صاحب موصوف نے تعلیم یافتہ ہندؤن کو شودرون کی اصلاح پر خاص توجہ دلائی ہے "انارکزم" کے عنوان سے مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کا ایک مضمون بھی اسی پرچہ مین شایع ہوا ہے جسمین اختصار مگر نہایت قابلیت کے ساتھ ہندوستان کی موجودہ پولیٹکل بےچینی پر نظر ڈالی گئی ہے اور پہر انارکزم کے انسداد کی تدابیر بتائی گئی ہین۔ مولوی صاحب موصوف کی رائے مین حکمران قوم کی افراد کو محکومون کے ساتھ زیادہ میل جول بڑھانے کی ضرورت ہے وہ گورنمنٹ کو یہ صلاح بھی دیتے ہین کہ چونکہ اس قسم کے خیالات کا اثر طالبعلمی کے زمانہ مین نہایت قوی ہوتا ہے۔ اسلئے مدرسین کے تقرر مین نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ لیکن گورنمنٹ سے زیادہ رعایا کو بھی بغاوت کی روک تہام کرنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے مولوی صاحب تجویز کرتے ہین کہ ہر آبادی مقام مین

انارکزم کے انسداد کے لیئے معزز باشندے کمیٹیان قایم کرین۔ اور جسوقت کسی مفسدانہ تحریک کی اطلاع ملے اسکی خبر گورنمنٹ کو کردین۔ ان کمیٹیون مین ہر قوم و ہر مذہب کے لوگون کو بلاتفریق شامل ہونا چاہیئے جس سے ایک فایدہ یہہ بھی نکلیگا کہ ہندوستانکی مختلف قومون مین اتحاد باہمی اور مشترکہ کام کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ ارز صاحب کا مضمون جلال مرحوم کے متعلق پڑھنے کے قابل ہے۔ اور سید فضل الرحمن کے مضمون زیر عنوان ودار شارہ سے اردودان پبلک کی معلومات پر روشنی کا اضافہ ہوگا۔ نظم کے حصہ مین پنڈت برج نرائن چکبست اور خان بہادر میر اکبر حسین کا کلام قابل دید ہے۔ حسرت موہانی اور سرور جہان آبادی کی نظمین بھی درج ہین۔ سرجان ہیوٹ۔ آنریبل مرزا عباس علی بیگ رہا شدہ جلاوطنان بنگال کی اور کئی تصاویر بھی شامل ہین۔ بہ حیثیت مجموعی یہہ نمبر زمانہ کی ممتاز حیثیت قائم کیے ہوے ہے۔

نیرنگ

اردو ادب کا ماہواری رسالہ جسمین علاوہ غزلیات مشاعرہ رامپور کے باہر کے معزز شعرا کی غزلین اور عمدہ مضامین مفید عام اردو شاعری کے متعلق نیز تاریخی واقعات اور علمی اور تنقیدی مباحث درج ہوتے ہین زیر ظل عاطفت اعلیٰ حضرت بندگان حضور پر نور خلد اللہ ملکہ و بسرپرستی عالیجناب معلیٰ القاب صاحبزادہ محمد مصطفےٰ علیخان صاحب بہادر سکریٹری حضور پر نور دام اقبالہم وملکہم نہایت آب و تاب کے ساتھ ۱۸ ۲۲ تقطیع کے اعلیٰ پیمانہ پر دارالسرور رامپور سے جو زمانہ سابق سے ابتک دارالعلوم اور شعرا اور اساتذہ ماضی وحال کا مرکز رہا ہے شایع ہوکر ملک کے ہر قوم کا مقبول ہو رہا ہے باوجود ان سب خوبیوں کے قیمت صرف مبلغ ۲ روپیہ ہے نمونہ کا پرچہ ۲ آنہ کے ٹکٹ آنے پر ذیل کے پتہ سے ملسکتا ہے۔

پتہ سعید اللہ خان عیش منیجر و پروپرائٹر مطبع سعیدی و نیرنگ ریاست رامپور

کارروائی آل انڈیا اردو کانفرنس بدایون

آل انڈیا اردو کانفرنس کا افتتاحی اجلاس نہایت اعلیٰ پیمانہ پر بمقام بدایون (۲۶-۲۷ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء) زیر صدارت عالی جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے - دہلوی منعقد ہوا - دہلی - لکھنو - آگرہ - الہ آباد - بریلی - شاہجہان پور - رامپور - علیگڈھ - مراد آباد - وغیرہ سے ڈیلیگیٹس کثیر تعداد مین شریک تھے -

حسب ذیل کارروائی نہایت کامیابی سے ہوئی - ذیل کے رزولیوشن پاس ہوے :-

(۱) شیخ سید محمد صاحب ہوش پریسیڈنٹ ریسپشنگ کمیٹی نے مہمانونکا خیر مقدم کیا -

(۲) مسٹر ایم عربی صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لا کی تحریک پر مولوی صاحب کرسی صدارت پر رونق افروز ہوے - اور نہایت پرزور پریسیڈنشل اسپیچ فرمائی -

(۳) مولوی امیر احمد صاحب جنرل سکریٹری نے اپنی رپورٹ پڑھی -

(۴) منشی حسن افضل صاحب بدرؔ کا پیش کردہ نہایت ضروری واہم رزولیوشن تالیف صرف نحو اردو کے متعلق باتفاق منظور ہوا -

(۵) منشی ضیا محمد صاحب مختار کی تحریک پر ہز ہائنس آغا خان کی حمایت اردو پر شکریہ کیا گیا

(۶) منشی نظام الدین صاحب ایڈیٹر ذو القرنین کی تحریک سے تجویز ہوا کہ الہ آباد یونیورسٹی سے درخواست کیجاے کہ اردو امتحانات آرٹس مین شامل کیجائے -

(۷) منشی اقبال احمد صاحب کی تحریک پر تجویز ہوا کہ جن دیسی مکاتب مین صرف قرآن خوانی رہ گئی ہے اونمین اردو کی ترویج بھی کیجاے -

(۸) منشی ضیا محمد صاحب کی تحریک پر حاضرین جلسہ نے ممبری منظور کی -

(۹) قاضی غلام امیر صاحب مختار کی تحریک پر باتفاق ایک لائبریری کا کھولا جانا منظور کیا گیا -

(۱۰) منشی حسن افضل صاحب بدرؔ کی تحریک پر تجویز ہوا کہ اردو کی حامی انجمنون سے خواہش کیجاے کہ وہ اپنی اپنی کارروائیون سے کانفرنس والونکو مطلع کرتی رہین -

(۱۱) منشی بسنت راے صاحب ملک کی تحریک پر اردو شارٹ ہینڈ کی ترویج مین سعی کیا

جانا تجویز ہوا۔

(۲۲) انضباط قواعد وضوابط کیواسطے چند حضرات کی ایک سلیکٹ کمیٹی منتخب ہوئی۔

(۲۳) منشی حسن افضل صاحب بدر کی تحریک پر حضرت جلال لکھنوی و شمس العلما آزاد دہلوی کے انتقال پر اظہار تاسف تجویز ہوا۔

۲۵-۳۰ نظمین اسپیچین اردو پر مختلف حضرات نے پڑھین جنکا ذکر مفصل رپورٹ مین ہوگا۔ باہر سے آئی ہوئی تحریکات و مضامین بھی جلسہ مین پیش کئے اور پڑھے گئے۔

امیر احمد جنرل سکریٹری

ایک پین اسلامی کام

مین اسی آیندہ کو یورپ کی سیاحت پر روانہ ہوتا ہون۔ اور چاہتا ہون کہ یورپ مین اسلامک کام کرون مین نہایت ممنون ہونگا اگر تمام اسلامی انجمنین کلب لیگ اور اخبارات و رسالجات خواہ سنت وجماعت کے ہون یا شیعہ یا کسی اور فرقہ کے خواہ مذہبی مقصد سے ہون یا پولیٹیکل سوشیل پالسی اور مقصد سے جسٹری ہون یا غیر جسٹری شدہ اپنا پتہ اور اپنے مقاصد مجھے تحریک کرینگے۔ میری غرض یہ ہے کہ مین تھیا سوفیکل سوسائٹی کی طرح ایک صدر اسلامی انجمن قایم کرکے اسکی شاخین تمام دنیا مین پھیلاؤن۔ اس صدر انجمن کا مرکز لندن ہوگا یا کوئی اور مقام (جو تمام اسلامی انجمنین و اخبارات پسند کرین) دنیا کے تمام اسلامی اخبارات و انجمنین مشورہ مین شریک کیجاوینگی اور صدر انجمن کے قواعد وضوابط انھین کی صلاح سے بنینگے۔

میرا ارادہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر سلاطین و امرا اور روسا اور متمول حضرات نے مدد دی تو ایک پین اسلامک اخبار پانچ زبانون مین یعنی عربی فارسی ترکی اور اردو و انگریزی یا فرنچ مین جاری کرون اور تمام اسلامی انجمنون و اخبارات وغیرہ کی ایک ڈائرکٹری تیار کرون مجھے اُمید ہے اور اخبارات و رسالجات بھی ان سطور کو جگہ دینگے۔ مین اور ممالک مین بھی انکو شایع کرونگا۔

میرا پتہ :- مئی تک بتوسط جناب وزیر صاحب ریاست کشمیر سری نگر رہیگا بعد کو معرفت

طامس کک اینڈ سن لڈگیٹ سرکس لندن　Ths Cook & Son

Ludgate Circus, London.

خادم اسلام مشیر حسین قدوائی بیرسٹر ایٹ لا لکھنو

[illegible]

اسرار رنگون

مصنفہ "داؤد"

برہما کے دار الخلافہ مین مختلف اقوام کے باہمی میل جول کی اصلی تصویر۔ وہان کے باشندون کی اخلاقی حالت کا صحیح مرقعہ اور عشق و محبت کے واقعی حالات اس ناول مین بیان ہوئے ہین سچے واقعات کی اصلی کیفیت اور ناول کے تمام شیخ اس متعلقہ کی جیتی جاگتی تصویرین پیش نظر آجاتی ہین چونکہ سلسلۂ واقعات ختم نہین ہوا اس لئے صرف ابتک کے واقعات اس حصہ مین تحریر ہوئے ہین مگر کوشش یہہ کیگئی ہی کہ ایک مکمل داستان کی حیثیت قائم رہے تاکہ اس حصہ کے پڑھنے والے پورا لطف اوٹھا سکین حجم ۱۷۶ صفحہ کاغذ اور چھپائی دیدہ زیب او سپر قیمت صرف عہ ر (محصولڈاک وخرچہ ویلیو ذمہ خریدار)

شائقین درخواست خریداری بھیجنے مین جلدی کرین ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا ہوگا۔

دفتر الناظر۔ لکھنؤ سے طلب فرمائیے

رسالہ زمانہ کانپور

مضامین کی عمدگی۔ حجم کی تعداد۔ تصاویر کی کثرت۔ چھپائی کاغذ وغیرہ کی نفاست غرض سب طرح سے اردو کا بہترین رسالہ ہے۔ تمام اہل الرائے اصحاب کی یہہ متفقہ رائے ہے۔ ٹھیک ہر ماہ کے آخر مین زمانہ پریس کانپور سے شایع ہوتا ہے۔

فہرست مارچ سنہ ۱۹۱۰ع

۱۷ تصاویر { ۹۲ صفحات

تصاویر۔ شواجی اور [illegible] راماداس [illegible] حضور لاٹ صاحب ممالک متحدہ آنریبل مرزا عباس علی بیگ۔ آنریبل مہاراجہ بہلی۔ لالہ ہرکشن لال بابو سونی کمار۔ کرشن کمار۔ اینڈ سنڈ ہیلی سپارہ ہیلی وغیرہ وغیرہ

اپنج قومیں۔ [illegible] صاحب بی۔ اے [illegible]

۲۔ آثار کرم [illegible] سکریٹری [illegible]

۳۔ جلال مرحوم۔ از [illegible] لکھنوی۔

۴۔ گمراہ ستارہ۔ [illegible] فضل رحمن صاحب بی۔ اے ایل ایل بی

۵۔ روس کے قیدی۔ از [illegible]

۶۔ لالہ ہرکشن لال۔ [illegible] روپ نرائن صاحب [illegible]

۷۔ گناہ کا اثر۔ [illegible]

۸۔ نمائش پنجاب۔ از قائمقام زمانہ۔

۹۔ شواجی اور راماداس۔ از منشی کندن لال صاحب [illegible]

۱۰۔ کلام اکبر۔ [illegible] سید اکبر حسین صاحب [illegible]

۱۱۔ کلام چکبست۔ پنڈت برج نرائن صاحب چکبست۔

۱۲۔ دل بیقرار۔ از حضرت سرور جہان آبادی۔

۱۳۔ کلام حسرت۔ مولینا حسرت موہانی۔ ایڈیٹر اردوی معلی۔

۱۴۔ مرقع واقعات۔

گذشتہ نمبر کوئی نہیں بچے۔ یہہ لاجواب نمبر بھی جلد ختم ہونے والا ہے۔ پھر یہہ سلسلہ موتیون کے مول بھی نہ ملیگا۔ شائقین درخواست خریداری بنام منیجر زمانہ کانپور۔ جلد بھیجیں۔

قیمت ہے سالانہ ۔ نمونہ ۶ر ۔ قلم دوم ۳ تصویر ۱۲

فرمایش کیوقت الناظر کا حوالہ ضرور دیا جاوے

در مطبع گلشن فیض واقع مولوی گنج لکھنؤ باہتمام واجد حسین عرف علن طبع یافت

جامیست جہان نما ہر صفحہ درین

۱۳۲۷

الناظر

نمبر ۱۲ | یکم جون سنہ ۱۹۱۰ عیسوی | قیمت سالانہ للعہ

فہرست مضامین

العالم تغیر	اڈیٹر	صفحہ
ماثر الکرام	مولوی عبد الحق بی اے	۱
رباعیات	سید محمد نوح شہیر	۱۳
الکلام مولفہ مولانا شبلی پر تنقیدی نظر نمبر (۳)	ایک طالب علم	۱۵
خون تمنا (نظم)	ملک محی الدین احمد قمر	۳۳
سوالات علمیہ کے جوابات	شیخ عبد الحکیم اجمل	۳۵
جزیہ اور خراج	ع - ر - اثر علوی	۴۰
ہندوستان مغلوں کی آمد کے وقت	عبد الرحمن ادہمی بی اے	۴۳
غزلیات	میر ولایت علی فردوس وحیدری سید علی حیدر طباطبائی نظم	۴۶
لیڈیز کانفرنس	سید امین الحسن رضوی شکل	۴۷
نمبر (۲)	سید نظام الدین شاہ دلگیر	۴۹
اُم عمارہ	حافظ محمد اسلم جیراجپوری	۵۳
ریویو		۶۲
"احوال واقعی"		۶۴

اڈیٹران

وصی الحسن علوی بی اے ایل ایل بی　　ظفر الملک علوی

بہ ہدایت مالک جناب منشی سخاوت علی صاحب علوی سکریٹری فلاورملز لکھنؤ

دفتر رسالہ الناظر - فلاورملز لکھنؤ سے شایع ہوا

فی پرچہ ۵

کوہر کمپنی کا ولایتی پانی

غیر خالص ہوا سے اتنا ہی بچنا چاہئے جتنا سانپ بچھو یا زہر سے کیونکہ ایسی ہوا تندرستی کو بالکل بگاڑ دیتی ہی۔ ہوا پانی مین شامل ہوتی رہتی ہی۔ اسلئے غیر خالص پانی سے بھی اتنا ہی بچنا فرض ہی جتنا غیر خالص ہوا سے تندرستی اور زندگی کے لئے ہوا کے بعد پانی کا مرتبہ ہے۔

ہمارے کارخانہ مین اسٹیم انجن سے پانی تیار ہوتا ہے اور ہر قسم کا پانی جس تعداد مین درکار ہو ہر وقت مل سکتا ہے۔

حضرت گنج متصل حق سود کمپنی

شہاب الدین اینڈ سنز
حضرت گنج لکھنؤ

الناس باللباس

مثل مشہور ہی "ایک نو آدمی ہزار نو کپڑا" اور کپڑے کی ساری رونق عمدہ تراش اور سلائی پر ہی۔ ہمارا کارخانہ پبلک کی خدمت ۱۸۷۶ء سے کر رہا ہی۔ ہر قسم کا کپڑا موجود رہتا ہی صرف فرمایش کی دیر ہے جس قسم کی پوشاک درکار ہو مردانہ ، زنانہ ، ولایتی و ہندوستانی کسی طرز فیشن یا وضع کی ہم نہایت کفایت اور خوبی کے ساتھ تیار کر دینگے آزمایش کر لیجئے خدا سے امید ہے آپ خوش ہونگے۔ پیمایش کا فارم اور کپڑونکے نمونے طلب فرمائیے۔

قطب الدین منیجنگ پروپرائیٹر

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہی عشق
سامان صد ہزار نمکدان کئے ہوے

دی فونو اکسچینج ۔ لکھنؤ ۔ متصل کوتوالی چوک

ہاتھی فون گراموفون راماگران اوڈین نگا جیمس آپرا

کچھ درد ہے مطربون کی لے مین کچھ سوز بھرا ہوا ہے نے مین

نواب اور رئیس و نوابات نے خریدار و نکی آسانی کیلئے خوش گلو یونکے تین ہزار دو سو مختلف گانونین سے بہتر سے بہتر ریکارڈونکا انتخاب لکھنؤ مین صرف ایک ہی مرکز ہی جہان مشہور کمپنی کے ہندوستانی ریکارڈ ایک ہی جگہ مل سکتے ہین ہر ساخت کی مشینون اور ریکارڈونکا موازنہ اور جانچ اسی پر آزادی سے ہو سکتی ہی یورپ کے ذہین کاریگر اس خاص لائن کی ترقی مین نہایت تیزی سے مصروف ہین اور ہر سال کچھ نہ کچھ نئی ایجاد ہوتی رہتی ہی خریداری سے پہلے ہماری دوکان کی نمائش گاہ مین تشریف لاکر ہمارے مختلف ساخت کے ریکارڈ جدید اسٹائل کی مشین اور رنگ برنگ کے خوشنما ہارن ملاحظہ فرمائے ضروری سامان متعلقہ ٹاکنگ مشین ہارمونیم پیانو ۔ ٹیبل ٹائمگ پیس لائٹ لیمپ کیش بکس جاپانی منی بیگ صابن اور توتھ پاوڈر وغیرہ بھی فروخت ہوتے ہین۔

منیجر دی فونو اکسچینج

فرمایش کیوقت اناظر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔

العالم متغیر

علم منطق کا یہہ ابتدائی کلیہ اپنی ہمہ گیری کی نوعیت کی لحاظ سے جس قدر جامع اور مہتم بالشان ہے اوسی قدر اپنی گوناگون نیرنگیون کے خیال سے دلچسپ اور ہنگامہ خیز ہے۔ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی موجودات سے لیکر بڑے بڑے اجرام سماوی تک اس کلیہ کی پابندی سے آزاد نہین اور ہنگامہ طلبی کی یہہ کیفیت ہے کہ ہر تغیر ایک دوسرے تغیر کا پیش خیمہ اور گذشتہ زمانہ کی یادگار ہے تغیرات کی یہی سلک مسلسل نسخۂ قوانین فطرت کی شیرازہ بند اور نظام عالم کی پائدار بنیادون کے ثبات و قیام کا ذریعہ ہے اور تسلسل کا یہہ عالم ہے کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹون مین سے ایک لمحہ بھی ایسا نہین گذرتا جو کائنات کی تمام ہستیون پر کسی نہ کسی طرح کا عمل تغیر نہ واقع ہوتا ہو سطح زمین کے وسیع میدانون پہاڑ۔ سبزہ زار اور دریا سے لیکر شجر حجر اور حیوان تک اور فضاے آسمان کی بسیط حد نظر پر آفتاب ماہتاب اور دوازدہ کواکب سے لیکر ثوابت گلدستۂ عقد ثریا اور شہاب ثاقب تک تغیرات کے وہ وہ پہلو ظاہر کرتے ہین کہ اونکے خیال سے انسان دریاے حیرت مین غرق ہو جاتا ہے۔

موجودات عالم کے ان تغیرات مین کمی و بیشی کے لحاظ سے ایک گونہ نسبت بھی پائی جاتی ہے اور ساتھہ ہی اوسکے ہر تغیر سے ایک ہی وقت مین مفید و مضر نتایج کا وابستہ ہونا ایک ایسی غیر معمولی باقاعدہ ترتیب ہے کہ ہر واقف راز استعجاب اور تحیر کے عالم مین محو ہو کر قوانین فطرت کی استواری اور خوش نظمی کا دل و جان سے والہ و شیدا بنجاتا ہے روز مرہ کے مشاہدات اس بات کے شاہد ہو سکتے ہین کہ ہر تغیر مین کوئی نہ کوئی فائدہ اور ساتھہ ہی کوئی نہ کوئی نقصان ضرور مضمر ہوتا ہے اور تغیرات مین نسبتاً کمی یا بیشی ایک ایسا بدیہی امر ہے کہ قلیل

کے علوم متعارفہ کی طرح ثبوت کا محتاج نہین۔ دنیا مین جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو اوسکے متعلق طرح طرح کی موشگافیان ہونے لگتی ہین۔ ایک کے لیے اگر موجب حسنات و برکات ہے تو دوسرے کے لیے وہی باعث ہلاکت و بربادی ہوجاتا ہے ایک کی امید ون کا لہلہاتا باغ تروتازہ ہوجاتا ہے تو دوسرے کے حسرت زار مین برق خرمن شعلہ فشان ہوجاتی ہے۔ انبساط و شادمانی کی عطر بیز لپٹون سے ایک کا مشام جان معطر ہے تو دوسرا رسوائی اور ذلت کے قہر آگین دوزخ کا کندہ بن جاتا ہے۔ غرض ذرا سا تغیر مختصر سی تبدیلی ایک کو بہشت کی بی بایا اور دائمی مسرت کا جرعہ نوش بناتی اور دوسرے کو دوزخ کی لا متناہی مصیبت کا جام زہر پلاتی ہے۔ پھر آئے دن ایسے واقعات بھی پیش آتے رہتے ہین جو نفع و نقصان کے برابر برابر پہلو ظاہر کرکے ایسی مساوات اور ہمواری کی بنا ڈالتے ہین کہ نفع کی تریاق کے سامنے ضرر کا خنطل کارگر نہین ہوتا یا مضرت کے خارستان مین منافع کی کلی کھل جاتی ہے۔

غمزہ و عربدہ و ناز چو یکجا شستند۔
شوق عاشق کش و بیدادگری پیدا شد۔

منجمین اور جوتشی خصوصاً اور دنیا کی دوسری خلقت عموماً اس عقیدے کی ماننے والی معلوم ہوتی ہے کہ سطح زمین اور فضائے آسمان کے درمیان میں ترتیب اور تعلق قائم ہے کہ جب کبھی آسمان کی وسیع مملکت مین کوئی تبدیلی ظاہر ہوتی ہے تو اوس سے صفحہ زمین کی موجودات بھی اثر پذیر ہوا کرتی ہین۔ چنانچہ نظارہ فلکی کے ہر تغیر کے ساتھ زمین کے بسنے والونکی اچھائی برائی کو یہ لوگ وابستہ کرنے مین دریغ نہین کرتے۔ آفتاب کے نمود مین جو تغیرات ہین اون سے ہماری کھیتی پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ ماہتاب کے

افق پر نمودار ہوتے ہی سمندر میں تموج شروع ہو جاتا ہے۔ زہرہ اور عطارد کی سیاحت بہت سے لوگوں کی خوش نصیبی اور نیک بختی کی ذمہ دار سمجھی جاتی ہے اور مریخ و زحل کی گردش تو ایک عالم میں مشہور ہے۔

اسی قسم کی تغیرات میں سے ایک عظیم الشان (بلحاظ نتائج) تغیر ہیلی[۵] کے دمدار ستارے سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ تغیر کیا ہے؟ مز مجسٹی ایڈورڈ ہفتم

---

[۵] ایڈمنڈ ہیلی انگلستان کا مشہور ماہر علم ہیئت اور فن ریاضی کا متبحر عالم ۱۶۵۶ء میں لندن کے قریب بمقام ہیگرسٹن پیدا ہوا اور ۱۷۴۲ء میں بمقام گرینوچ فوت ہوا۔ پہلے سینٹ پال سکول میں تعلیم پائی بعد ازاں کوئنس کالج آکسفورڈ میں داخل ہوا جہاں علوم ریاضی کے کتب میں اوسکو بدرجہ انہماک ۱۶۷۶ء میں یعنی طالب علمی ہی کے زمانہ میں اوسنے آفتاب کے داغ کے متعلق ایسے مشاہدات شایع کئے جس سے محور آفتاب کی حرکت کا حساب معلوم ہو گیا۔

اسی سال وہ سینٹ ہیلینا گیا جہاں اوسنے ۳۵۰ ستاروں کا محل وقوع دریافت کر کے جنوبی ٹائیکو کا لقب حاصل کیا۔ انگلستان واپس آکر اوسکو ایم اے کی ڈگری ملی اور وہ رائل سوسائٹی کا فیلو (رکن اعزازی) مقرر ہوا اور علما کی اس جماعت کی طرف سے بدین غرض ڈانزک بھیجا گیا کہ رابرٹ ہوک اور جان ہیویلیس کے درمیان اس مسئلہ کا فیصلہ کرے کہ ہیئتی تحقیقاتوں کے لئے کس دوربین کا استعمال مناسب ہوگا۔

۱۶۸۰ء میں اوسنے یورپ کا سفر کیا اور کیلے کے راستہ میں سب سے پہلے اوس دمدار ستارہ کا مشاہدہ کیا جو اوسی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وہی منور جسم ہے جو ۱۶۸۲ء میں دوبارہ اس کرہ میں نمودار ہوا اور وسط اکتوبر میں اسقدر روشن ہو گیا تھا کہ بغیر دوربین کی مدد کے دکھائی دیتا تھا۔ اس سفر سے واپس آکر وہ سیاروں کی حرکت کی طرف متوجہ ہوا اور اسی تحقیقات کے سلسلہ میں انگلستان کے نامور ریاضی داں نیوٹن سے شناسائی ہو گئی جسنے بعد میں اپنی کتاب پرنسپیا کی اشاعت اوسکے سپرد کی۔

۱۶۹۸ء میں قطب نما کے تغیرات کا اصلی سبب دریافت کرنے کے لئے ایک جہاز کا افسر مقرر ہو کر بحر مغربی کے سفر پر بھیجا گیا لیکن جہازیوں کی بغاوت کی وجہ سے اوسکو جلد واپس آنا پڑا دوسرے سال وہ پھر نکلا اور جنوب میں جہاں تک برف نے اجازت دی چلا گیا اور اپنے مشاہدات کے نتائج ایک عام نقشہ کے ساتھ شایع کئے اسی سال اسکے بعد وہ انگلش چینل میں مد و جزر کا رُخ

شہنشاہ ہندوستان کی اچانک۔ افسوسناک اور الم انگیز وفات جسنے حلقہ بگوشان مملکت برطانیہ کی کثیر تعداد کے علاوہ تقریباً تمام روے زمین کے باشندون کے خانہ ہاے دلکو حزن و ملال سے پر کرکے صورت ماتم بنا دیا اور مشرق اقصیٰ کی عظیم الشان سلطنت کے مہذب باشندون سے لیکر افریقہ اور سرحد ہندوستان کے وحشی لوگون تک کو غم و الم سے چور کرکے سراپا رنج و افسوس کر دیا ہے۔

مگر اس رنج و غم کے تاریک بادل سے مسرت و شادمانی کی بجلی نے چمک کر یہہ اعلان کیا کہ بادشاہ جمجاہ جارج پنجم نے سلطنت برطانیہ عظمیٰ کی عنان حکومت اپنے مبارک ہاتھون مین لیکر اپنی سوگوار رعایا کی کشت امید کو سبز کرکے خوشی و انبساط کے دروازے اونکے لئے کھولدیے اور دنیا کے ماتم کدہ کو اس بہجت و سرور پیدا کرنیوالی خبر سے خرم و شاد بناکر گہوارۂ عشرت بنا دیا۔

پس رنج و غم۔ مسرت و شادمانی میزان قدرت کے دو برابر پلے اگر کہے جائین تو بیجا نہوگا۔

زرنج و راحت گیتی مرنجان دل مشو خرم
کہ آئین جہان گاہے چنین گاہے چنان

پیمایش کرنے اور اوسکا نقشہ بنانے کیلئے تعینات ہوا۔ اس کام سے فراغت پاکر شاہی حکم سے وہ ساحل دلمیشیا کی پیمایش کرنے گیا۔ سنہ ۱۸۷۰ء مین آکسفورڈ مین ریاضی کا پروفیسر معزز ہوا ۱۹۱۰ سنہ ء مین مدارہاے سیار کے متعلق اپنی بیش بہا تحقیقات شایع کی اور سنہ ۱۹۱۳ء مین رائل سوسائٹی کا سکریٹری معزز ہوا ۱۹۱۱ سنہ ء مین فلیم اسٹیڈ کی جگہ شاہی منجم معزز ہوا اور بقیہ عمر اسی کام مین نہایت سرگرمی اور جفاکشی کے ساتھ مصروف رہا خصوصاً ماہتاب کی حرکت کی تحقیقات کو تا بہ اختتام پہونچانے مین اوسنے خاص سعی کی۔

نمبر ۱۲ یکم جون سنہ ۱۹۱۱ء

مقدمہ ماثر الکرام

حسان الہند مولانا غلام علی آزاد بلگرامی[1] اُن علماے ہند مین ہین جنکا نام اس ملک مین ہمیشہ یاد رہیگا۔ وہ صرف مُلا ہی نہ تھے بلکہ ادیب و شاعر۔ مورخ و محقق بھی تھے اور اُن کی تالیفات و تصنیفات خود اس امر کی شاہد ہین۔ اس مین کچھ شک نہین کہ ہندوستان کے عہد اسلامی مین ایسی ایسی تاریخین لکھی گئی ہین جنکی نظیر فارسی زبان مین نہین ملتی۔ لیکن مغلیہ سلطنت کے انحطاط کے ساتھ۔ صحیح فن تاریخ نویسی مین انحطاط شروع ہوگیا تھا۔ البتہ مولانا غلام علی آزاد نے اس فن کی لاج رکھ لی اور آخر وقت مین بھی ذوق صحیح کی داد دی۔ ان کی تصانیف زیادہ تر فن تاریخ کی اُس شاخ کے متعلق ہین جسے فن اسماے الرجال کہتے ہین خود آزاد نے اس بات پر فخر ظاہر کیا ہے کہ ہندوستان مین پہلے وہی ہین جنھون نے اس فن پر قلم اٹھایا ہے اگرچہ ان سے پہلے صاحب تاریخ الخانی۔ ملا عبدالقادر بدایونی اور علامہ ابوالفضل اپنی اپنی تاریخون مین اپنے اپنے عہد کے امرا و علما و کملا کے حالات لکھ چکے ہین۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مولانا آزاد نے اس مین خاص اہتمام کیا ہے۔ اور اس فن کیطرف

[1] تاریخ ولادت ۲۵ صفر سنہ [illegible] ہجری تاریخ وفات سنہ [illegible] ہجری سنہ ۸۵ و پیشین از من احدے آستین تما این راہ شکستہ و کمر خدمت بزرگان سلف و خلف باین جا و جہد نہ بستہ۔ دیکھو دیباچہ کتاب۔

خاص توجہ کی ہے اُن لوگوں نے اپنے عہد کے مشاہیر کے حالات اپنی تاریخوں کے ضمیمہ کے طور پر لکھے تھے۔ آزاد نے اسے الگ فن قرار دیکر مختلف رسالے لکھے ہین۔[۵۱]

ماثر الکرام جواب پہلی بار مولوی عبداللہ خان کی سعی سے طبع ہوئی ہے اسی فن کے متعلق ہے۔ یہ کتاب عموماً ہندوستان اور خصوصاً فقرا و علماے بلگرام کے حالات مین ہے۔ آزاد نے اس کتاب کی تالیف سے نہ صرف اپنے وطن کا حق ادا کیا بلکہ فن رجال مین ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ بلگرام ایک مردم خیز بستی ہے اور اس معدن علم وفضل سے ایسے ایسے بے بہا لعل نکلے ہین جنکے نام اس سرزمین مین ہمیشہ روشن رہینگے اور خوشی کی بات ہے کہ یہ فضیلت اسے اسوقت تک حاصل ہے۔ یون بھی قصبات اور شہرون کی حالت مین بہت تفاوت ہے۔ آب ہوا کی خوبی اور صفائی اخلاق کی سادگی و بے ریائی تکلفات اور تصنع سے بری اور مسابقت اور منافست کی کشمکش سے محفوظ ہونا مسلک کی پختگی یہ اور بعض اور وجوہ ایسے ہین جنکے سبب اہل قصبات کے جسم و دماغ اہل شہر کی نسبت زیادہ صحیح ہوتے ہین۔ اگرچہ شہر کی ترغیبات ان مین سے اکثر کو اُسی منڈی مین کھینچ لے جاتی ہین جہان چند نسلون کے بعد انکا اختلاط شروع ہوجاتا ہے۔ اگر علما و فضلا و دیگر مشاہیر کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اہل قصبات کا ملک پر بہت بڑا احسان ہے۔ کاش مولانا آزاد کی طرح دوسرے اہل قصبات بھی اس بات کا خیال رکھتے اور اپنے اپنے قصبہ کے علما و فضلا و صوفیہ و دیگر مشاہیر کے حالات قلمبند کر ڈالتے تو ہندوستان کی تاریخ کو اس سے بہت بڑی مدد ملتی۔ ہندوستان مین بکثرت ایسے

---

[۵۱] سرو آزاد۔ شعرا کا تذکرہ۔ ید بیضا۔ شعرا کا تذکرہ۔ خزانہ عامرہ۔ اُن شعرا کے حالات مین جنکو دربار شاہی سے صلے ملے ہین۔ روضۃ الاولیا۔ صوفیہ کے حالات مین۔ سبحۃ المرجان علما کے تذکرے۔ ماثر الکرام۔ علما و صوفیہ کے حالات۔ نیز نواب صمصام الدولہ شاہنواز خان کی بے نظیر تالیف ماثر الامرا کی تکمیل و تہذیب مین جو سعی آزاد نے کی وہ بہت قابل قدر ہے۔ دیباچہ ماثر الامرا اور نیز آزاد کے اُن خطوط سے جو مولوی سید احمد حسن صاحب فدید بلگرامی مرحوم کے پاس تھے یہ امر ظاہر ہے۔

قصبات[۱] ہین کہ اگر وہان کے حالات، یا تاریخ لکھی جاے تو ایسی مفید معلومات اس سے
حاصل ہوسکتی ہین جنکا بڑی بڑی مبسوط تاریخون مین پتہ نہین۔

اس کتاب کے لکھنے مین مولانا نے خاص محنت کی ہے اور صرف کتب تاریخ متداولہ ہی تک تلاش
و جستجو محدود نہین رکھی بلکہ ''اہالی و موالی شہر'' سے بھی حالات دریافت کئے اور نیز ''سجلات شرعیہ''
سے جو بزرگون کی یادگار سے باقی تھے استفادہ کیا۔ یہ کتاب پہلے بلگرام مین لکھنا شروع کی تھی
لیکن درمیان مین یعنی ۱۱۵۱ھ مین حج کے قصد سے کہ چلے گئے بزیارت حرمین شریفین سے
واپس ہوکر دکن مین قیام کیا اور وہین نامکمل مسودہ منگواکر اختتام کو پہونچایا۔ تاریخ اختتام
کتاب ختامہ مسک (۱۱۶۶) سے نکلتی ہے۔

افسوس ہے کہ مولانا آزاد نے اس کتاب مین کسی قدر اختصار مدنظر رکھا ہے۔ اگر وہ
اس زمانہ کی صحبتون اور معاشرت اور طریقۂ تعلیم و تعلم پر ذرا اور وسیع نظر ڈالتے تو یہ کتاب
بہت زیادہ دلچسپ اور مفید ہو جاتی لیکن تاہم جو کچھ اُنھون نے کیا ہے وہ بہت قابل قدر
اور قابل تقلید ہے۔ زمانۂ حال و گزشتہ کے حالات اور خصوصاً اُن لوگون کے تذکرے
جو اس کارزار حیات مین جہان قدم قدم پر ٹھوکر لگنے کا اندیشہ ہے اپنی ہمت اور ریاضت
سعی اور مشقت سے پایہ کمال کو پہونچے ہین انسان کے اخلاق پر عجیب و غریب اثر ڈالتے
ہین۔ جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ طلبہ تحصیل علم کے شوق مین بے زادراہ شہر بشہر پھرتے ہین
کھانے کی پروا ہے نہ کپڑے کی فکر مگر تحصیل علم کی دھن مین ہفتخوان طے کرکے عین چشمہ
پر پہونچتے اور سیراب ہوکر واپس آتے ہین۔ اور اسکے بعد جو کچھ حاصل کیا ہے اس سے
دوسرون کو فیض پہونچاتے ہین اور اسے ثواب کا کام خیال کرتے ہین۔ اور اس سے
بھی بڑھ کر یہ کہ اگر وہ کسی شاہی خدمت وغیرہ پر مامور ہوگئے ہین تب بھی فرصت کے وقت
سلسلۂ درس و تدریس جاری ہے اور اسکے ساتھ ہی تالیف و تصنیف بھی ہوتی رہتی ہے

[۱] مثلاً پانی پت۔ بدایون۔ خیرآباد۔ امیٹھی۔ سوہان۔ سرہند۔ سہالی وغیرہ وغیرہ

جب ہم یہ دیکھتے ہین اور آجکل کی حالت پر نظر ڈالتے ہین جبکہ علم کا چرچا گہر گہر ہے تو ہمین ایک
ایک عجیب فرق نظر آتا ہے محنت اور ریاضت اب بھی غالبًا اتنی ہی کرنی پڑتی ہے لیکن تحصیل علم کی
وہ چونپ اور دُھن جو پہلے لوگون مین تھی آجکل پیشتر کے مقابلہ مین کم ہے۔ اسکی زیادہ تر وجہ یہ
معلوم ہوتی ہی کہ پہلے حصول علم مین آزادی تھی اور آجکل یونیورسٹی کی پابندی نے ایسا جکڑ دیا ہی کہ اگر کچھ شوق
ہوتا بھی ہی تو دب جاتا ہی دوسری ایک بڑی وجہ یہ ہی کہ آجکل علم زیادہ تر حصول ملازمت سرکاری کیلئے حاصل
کیاجاتا ہی علم کو علم کی خاطر شاذ و نادر ہی کوی پڑھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ آجکل طلبہ کی
کثرت ہے مگر باایں‌ہمہ حقیقی علم یا علم کا حقیقی شوق کم ہے اور اگر ہے بھی تو اسکی چندان قدر
نہین۔ کون ہے جسکے دل مین قاضی عضد ایجی کے ذکر کے پڑھنے سے جو اسی کتاب مین
ہے جوش اور ولولہ پیدا نہوگا۔ لکھا ہے کہ سلطان محمد بن تغلق شاہ نے مولانا معین الدین
عمرانی دہلوی کو ولایت فارس مین قاضی عضد ایجی کے پاس بہیجا اور عرض کرائی کہ آپ
ہندوستان تشریف لے چلیں اور متن مواقف کو سلطان محمد کے نام سے معنون فرمائیے
سلطان ابو اسحق والی شیراز کو جو یہ معلوم ہوا تو دوڑا ہوا آیا اور کہا کہ یہ سلطنت
حاضر ہے اسے لے لیجئے اور جو خدمت آپ فرمائین اسکے بجالانے کو مین حاضر ہون
مگر للہ آپ یہان سے نہ جائیے ایسی قدردانی کی نظیر مشکل سے ملے گی اور شاید یہ شخصی
سلطنت ہی مین ممکن بھی ہے۔ شاید شخصی سلطنت کے نام سے ناظرین کے کان کہڑے
ہونگے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ حکومت کی کوئی صورت بری نہین بشرطیکہ صحیح اصول پامال
نہ کیا جائے۔ لیکن اگر صحیح اصول پر نظر نہین تو حکومت کی ہر صورت خواہ قیاسی طور سے
کیسی ہی اعلی کیون نہو مذموم ہے۔

حصول علم کے شوق مین ایک اور بات بھی مضمر ہے جو سب سے زیادہ قابل قدر
ہے۔ انسان کو انسان بنانے والی یعنے اسکے کیرکٹر کو سنوارنے والی جو شے ہے
وہ شوق وسعی اور ریاضت و محنت ہے۔ خصوصًا جب کہ مدعا حصول اغراض نفسانی

ہنو۔ ان لوگون کے کیرکٹر مین ایک خاص بات پیدا ہو جاتی ہے اور یہ صفت اونہین لوگون مین پائی جاتی ہے جنکے دلون مین کسی اعلیٰ مقصد کے حاصل کرنے کی لو لگی ہوتی ہے اور جو اُس ذہن مین دن کو دن سمجھتے ہین نہ رات کو رات مصیبت کو مصیبت خیال کرتے ہین نہ راحت کو راحت مگر راہ طلب مین برابر قدم بڑہاتے ہوئے چلے جاتے ہین اور گو آخر مین کوئی مقصد ہاتہ آئے یا نہ آئے مگر ایک ایسی چیز ہاتہ لگ جاتی ہے جو اس سے زیادہ نایاب اور اس سے کہین بیش بہا ہے یعنے انسانیت یا دوسرے الفاظ مین یون کہئے کہ صفائی باطن۔ کون ہے کہ جسکے دل پر شاہ رحمت اللہ بلگرامی قدس سرہٗ کے تذکرے کے پڑھنے سے جو اسی کتاب مین درج ہے ایک خاص اثر یا ایک خاص کیفیت طاری ہوئی۔ اُن کے دوسرے حالات کے ضمن مین مولانا آزاد یہ بھی لکھتے ہین کہ اُن کے ایک عزیز کی زبانی منقول ہے کہ مین اور شاہ رحمت اللہ صاحب قدس سرہٗ قصبہ سانڈی سے بلگرام جا رہے تھے۔ دیکھتے کیا ہین کہ سانڈی کے باغستان مین کسی نے چور کو مار کر درخت سے لٹکا دیا ہے یہ دیکھتے ہی شاہ صاحب نے فرمایا ذرا ٹھہرو اور آگے بڑھ کر چور کے پاؤن چوم لئے مینے پوچھا حضرت یہ کیا؟ فرمایا کہ اس چور نے اپنے شیوہ کو پایۂ کمال تک پہونچا دیا خدا ہمکو سکے ہر شخص کو اپنی راہ مین اسی طرح ثابت قدم رکھے۔

ایسے بزرگون کے تذکرے جنہون نے اپنے تن من دھن کو تحصیل علم۔ تزکیۂ نفس یا رضا جوئی باریتعالےٰ مین وقف کر دیا تھا۔ اس زمانہ کے لئے جبکہ ہر طرف سے مادیت کا شور۔ دنیا دنیا کی پکار اور پیٹ کی دہائی سنائی دیتی ہے بہت کارآمد اور مفید ثابت ہونگے۔ پند و نصائح اور اخلاقی کتب اس قدر مفید نہین ہوتین جس قدر اُن لوگون کے تذکرے جو خود پاکیزہ اخلاق کے نمونے تھے وہ صرف باتین ہین اور یہ کام وہ صرف مردہ الفاظ ہین اور یہ زندہ اعمال۔ لہذا اِسکے

اُسکے اثر مین بہت بڑا فرق ہے۔

مولانا آزاد نے اپنے وطن کے علاوہ اپنے صوبہ کی بھی بہت کچھ تعریف کی ہے اور اُنکی تعریف بجا ہے۔ درحقیقت جیسا کہ اُنہون نے لکھا ہے پورب قدیم الایام سے معدن علم و علما رہا ہے۔ علم و فضل کے چرچے اب تک وہان جاری ہین۔ ترویج علم کے لئے سلاطین و حکام کی طرف سے وظائف و زمین و مدد معاش مقرر تھی اور اس غرض کے لئے مساجد و مدارس اور خانقاہین بنوائی جاتی تہین۔ طلبہ دور دور سے آتے تھے اور صاحب توفیق ان کی خاطر تواضع اور خدمت کو سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے آزاد نے لکھا ہے کہ شاہجہان کا یہ قول تھا کہ "پورب شیراز مملکت ماست" لیکن سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی مدارس اور خانقاہون پر اوس پڑگئی۔ درس و تدریس کا بازار سرد پڑ گیا۔ اور وہ جوش دھیمے ہوگئے۔ ہندوستان مین پہلے عام طور پہ تعلیم کا یہی طریقہ تھا۔ جسکے نشانات اب بھی کہین کہین نظر آتے ہین۔ اب نیا دور شروع ہوا ہے اور زمانہ نے دوسرا رنگ بدلا ہے اور مشرق کی ہر چیز مین مغرب کا جلوہ نظر آرہا ہے۔

لیکن جہان ہمین اُس زمانہ کے علمی ذوق و شوق دیکھکر مسرت ہوتی ہے وہان ایک بات کا افسوس بھی ہوتا ہے۔ اُس زمانہ کے نصاب تعلیم پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو حلقہ کچھ عرصہ پہلے علما نے کھینچ دیا تھا اس سے باہر قدم رکھنا اُنھین قسم تھا۔ فقہ و حدیث و تفسیر منطق فلسفہ و علم کلام پر سارا زور تھا۔ ساری طباعی اور ذہانت اسی پر ختم تہی۔ یہانتک کہ کتابین بھی زمانہ دراز سے ایک ہی چلی آتی تھین اور انھین پر حاشیہ پر حاشیہ اور شرح پر شرح اضافہ ہوتی جاتی تھی علوم طبیعیات وغیرہ کا تو کیا ذکر تاریخ و جغرافیہ بھی جسمین مسلمانون نے خاص امتیاز حاصل کیا تھا خارج از بحث تھا غرض صدہا سال سے ہمارے ہان کی تعلیم حالت جمود مین تہی۔ سالہا سال کی بربادی اور تباہی کے بعد اب کہین جا کے ہمارے علما کی آنکھین کھلی ہین اور آنکھین کیا کھلی ہین۔

دعا دینی چاہئے اُس باہمت اور عالی دماغ شخص کو جس نے اس زمانے مین مسلمانون کے سر سے بہت سی بلاؤن کو ٹالا اور مسلمانون کو انکی نازک اور پرخطر حالت سے آگاہ و خبر دار کیا۔ یہ اس کا طفیل نہین تو اور کیا ہے کہ اسیکے صحبت یافتہ اور اسی کے دار العلوم کے تربیت یافتہ ایک بزرگ عالم نے قدیم سلسلۂ تعلیم مین انقلاب پیدا کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ چنانچہ اس کے لیئے سامان مہیا ہوتے جاتے ہین۔ خدا اسکی ہمت مین برکت اور اسکے مقصد مین کامیابی عطا فرمائے۔ اس کام مین کامیابی یقینی ہے کیونکہ یورپین السنہ و علوم سے جو نفرت مسلمانون کے دل مین تھی وہ مرحوم ریفارمر بڑی جانکاہی سے رفع کر گیا ہے اور وہ طوفان بے تمیزی جو اسوقت برپا ہو گیا تھا اب فرد ہو گیا ہے اور راستہ خس و خاشاک اور جھاڑ جھنکار سے صاف ہے۔ اور لوگ اس تغیر کے لیے آمادہ ہین۔ عام لوگ تو اسے دینی کام خیال کر کے اسکی امداد باعث ثواب سمجھتے ہین اور انگریزی تعلیم یافتہ یا دوسرے لوگ جو زمانہ کی ضروریات سے واقف ہو چلے ہین اسکی اہمیت کو مانکر اس کے ساتھ ہین۔ کیا تعجب ہے کہ اس تحریک کا یہ نتیجہ ہو کہ علوم مشرقیہ و مغربیہ کو سمو کر ایک نیا کورس تیار کیا جائے جو ہماری ضروریات اور حالت کے زیادہ مناسب اور زیادہ کار آمد ہو البتہ اس قدر افسوس ہے کہ ہمارے علما نے واجب التعظیم محرک کے ہاتھ بٹانے مین بہت کم مدد دی ہے۔ بلکہ جنہین اندرونی حالات سے واقفیت ہے وہ جانتے ہین کہ بہ نسبت علما کے غریب دنیادارون سے زیادہ امداد ملی ہے اور انھین کے سہارے پر اب تک سارا کام چل رہا ہے۔

ایک بات تاریخی حیثیت سے اس تذکرہ مین خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ وہ یہ کہ اُن علما و فضلائے بلگرام مین سے جنکا اس مین ذکر ہے ایک بھی اہل تشیع مین سے نہین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ نے وہان بعد کے زمانہ مین رواج پایا۔ اور اگر اُن علما مین سے بعض کی اولاد اب بھی وہان باقی ہے اور وہ مذہب شیعہ پر ہے یا

ان کے نسب ناموں میں اُن علما کے نام نکلیں تو ہمارا یہ خیال اور بھی قوی ہو جائے گا
یہ امر واقعی ہے کہ اودھ کی سلطنت نے خاصکر پاس کے اضلاع و قصبات پر اور بعض اوقات
دور دراز کے مقامات پر بھی مذہبی لحاظ سے خاص اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ جونپور و دیگر مضافات لکھنو
وغیرہ کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ امر پایۂ یقین کو پہنچ جاتا ہے جب مذہب کی پشتی پر
حکومت ہوتی ہے تو حالت اندیشہ ناک ہوجاتی ہے۔ میرا اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں
کہ سلطنت اودھ نے مذہب کے معاملے میں کبھی جبر و تعدی سے کام لیا۔ بلکہ بات یہ ہی
کہ جاہ طلبی اکثر لوگوں کی نیت کو جو اعتقاد کے کچے ہوتے ہیں ڈانواں ڈول کر دیتی ہی
ایسا ہر جگہ ہوا ہے اور یہی اودھ کے اکثر مقامات میں ہوا۔ اور قصبہ بلگرام بھی
اس اثر سے نہ بچا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کے زمانہ میں اہل تشیع وہاں نہ تھے اور اگر
تھے تو خال خال۔ لیکن بعد کے زمانہ میں حکومت کے اثر سے اس گروہ کا قدم
وہاں پہونچا ہے۔ آزاد نے حسب عادت میر سید محمد الترمذی کے تذکرہ میں شیخ
محب اللہ الہ آبادی کی کتاب تسویہ کا چلتا ہوا سا ذکر کر دیا ہے۔ لیکن اس کتاب کا
واقعہ بڑا دلچسپ ہے اور اسلئے ہم اسے یہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا
چاہتے ہیں اس سے ایک تو یہ معلوم ہوگا کہ بادشاہ اورنگ زیب انار اللہ برہانہ کی
جزئیات پر بھی ایسی ہی نظر تھی جیسی کلیات پر۔ دوسرے یہ معلوم ہوگا کہ بعض باخدا
لوگ ایسے بھی موجود تھے کہ وہ اورنگ زیب جیسے سخت گیر اور پر جلال شہنشاہ
کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ تیسرے اس سے دینیات کے ایک معرکۃ الآرا مسئلہ
پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

رسالۂ تسویہ شیخ محب اللہ الہ آبادی کی تصنیف سے ہے جو ایک درویش اور
صوفی تھے۔ اس میں علاوہ اور امور کے جبر میں وحدت کی حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں
کیا گیا ہے۔

"جبریل محمد در ذات محمد بود صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہمچنین جبریل با ہر پیغمبرے در ذات وے بود۔ وآن قوت باطنی ایشان بود کہ در غلبۂ آن قوت وحی پر ایشان نازل می گردید۔ ولہذا جبریل با ہر پیغمبرے بزبان وے سخن گفتہ"

جب یہ رسالہ (جو زبان عربی مین ہے) شاہ اورنگ زیب کی نظر پڑا تو انکار عظیم کیا۔ شیخ اس زمانہ مین رحلت کر گئے تھے۔ لیکن ان کے مریدون مین سے دو شخص پایہ تخت مین موجود تھے ایک میر سید محمد جو ملازم شاہی اور امراے دربار مین سے تھے۔ دوسرے شیخ محمدی جو لباس درویشی وزہد مین تھے۔ اول بادشاہ نے میر سید محمد سے تسویہ کی اس عبارت کی شرح دریافت کی۔ سید نے شیخ کی مریدی سے انکار کر دیا۔ بعد ازان شیخ محمدی کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ اگر تھین شیخ کی مریدی کا اقرار ہے تو احکام شرع شریف سے اس رسالہ کے مقدمات کو مطابق کر کے بتاؤ اور اگر مطابق نہین کر سکتے تو انکی مریدی سے استغفار کرو اور کتاب کو آگ مین ڈال۔ و شیخ محمدی نے جواب دیا کہ نہ مجھے اُن کی مریدی سے انکار ہے اور نہ استغفار کی ضرورت لیکن جس مقام سے کہ شیخ نے گفتگو کی ہے مجھے وہان تک رسائی حاصل نہین ہے جو وقت مین اس رتبہ کو پہونچ جاؤنگا تو آپ کی درخواست کے بموجب اس کی شرح لکھ بھیجونگا اور اگر بادشاہ نے اس رسالہ کا جلانا ٹھان لیا ہے تو اس فقیر متوکل کے گھر سے کہین زیادہ شاہی مطبخ مین آگ موجود ہے۔ حکم دیا جاے کہ یہ رسالہ اور اسکی جسقدر نقلین دستیاب ہون آگ مین جھونک دی جائین۔ بادشاہ اس جواب کو سنکر ساکت رہ گئے[1]"

اس کے پڑھنے کے بعد ہمین خیال ہوتا ہے کہ اگر سرسید احمد خان مرحوم نے ملائکہ وغیرہ کی نسبت اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا تو کونسی ایسی خطا کی۔ ایک ابلہ فریب عالم نما مولوی اپنی تفسیر قرآن مین جسمین اس نے عوام اور جہال کے خوش کرنے کا بہت کچھ سامان جمع کر دیا ہے

[1] مراۃ الخیال (تذکرہ محمد بیگ) نسخہ قلمی کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن، صفحہ ۱۹۱ نیز ملاحظہ ماثر الامرا جلد سوم صفحہ ۲۰۰۔ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ کلکتہ۔

لکھتا ہے کہ سر سید نے یہ خیالات برہمو سماج سے لئے اور اپنی نیک نیتی سے ضمناً ایسے عامیانہ خیال بھی تحریر میں لایا ہے۔ کہ سر سید نے انگریزوں کو اطمینان دلایا کہ میں مسلمانوں کو نہ صرف مطیع سرکار بناتا ہوں بلکہ اُن کے مذہب کی بیخ و بنیاد بھی کھوکھلی کئے دیتا ہوں۔ افسوس اس نام کے مولوی کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ سلف صالحین میں سے بعض نامور بزرگ اور شیوخ ان مسائل پر اسی قسم کے خیالات صاف و صریح الفاظ میں بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں۔

"جبرئیل کہ مشہور در رسل علیہم السلام است و وحی از جانب حق می رساند آن حقیقت جبرئیلیہ است کہ قوتے از قواے رسل بود منصور شدہ در عالم مثال بہ صورتے کہ مکنون بود در رسل مشہود میشود۔ و مرسل می گردد و پیغام حق می رساند۔ پس رسل مستفیض از خود اند نہ از دیگرےؔ[1]"

اسی طرح مولانا روم اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے۔

اس کتاب کی فصل ثانی کے دیباچہ میں جس میں علم پر بحث ہے آزاد نے ایک مہمل اور غلط قصہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ایران کے کتب خانوں کے جلانے کا بھی لکھا ہے۔ لکھتے ہیں کہ جب سعد ابن وقاص نے ملک فارس کو فتح کیا اور وہاں فلسفہ کی بیشمار کتابیں ہاتھ لگیں تو انھوں نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انھیں کیا کیا جائے انھوں نے جواب دیا کہ اگر انمیں ہدایت ہے تو خدا نے ہمیں اس سے بڑھ کر ہدایت دی ہے۔ اور اگر ضلالت ہے تو خدا ہمارے لئے کافی ہے۔ انھیں پانی یا آگ میں ڈالدو۔

اول تو اسمیں ایک صریح تاریخی غلطی یہ ہے کہ سعد ابن وقاص نے ملک ایران کو فتح نہیں کیا اور یہی غلطی مشہور مورخ ابن خلدون نے کی ہےؔ[2]۔ غالباً مولانا آزاد کا ماخذ بھی ابن خلدون ہے۔ کیونکہ بعینہ یہی الفاظ اس میں ہیں۔ دوسرے مسلمانوں نے جب ایران کو

[1] سوانح مولانا روم مولفہ شمس العلما مولوی شبلی صفحہ ۱۲۶ [2] دیکھو مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر صفحہ ۴۰۰

فتح کیا تو وہان اس قدر کتب خانے کہان تھے ۔ علم کا چرچا ایران سے بہت زمانہ پہلے سے اُٹھ چکا تھا ۔ یہان تک کہ جب سکندر نے ایران فتح کیا تو اُسوقت بھی کتب خانون کا نام و نشان نہ تھا ۔

البتہ یہ قصہ اسکندریہ کے متعلق متعدد تاریخون مین بیان کیا گیا ہے اور ابن خلدون نے اور بعد مین آزاد نے غلطی سے اسی قصہ کو ایران سے منسوب کر دیا ہی لیکن شمس العلما مولانا شبلی اس کی تردید نہایت تحقیق و تنقید کے ساتھ کر چکے ہین ۔ اور اب اس کے متعلق کچھ لکھنا بے سود ہے ۔ تاہم ایک دو باتین اسکے متعلق لکھنا ضروری معلوم ہوتی ہین ۔ مولانا نے بڑی شدو مد اور تحقیق سے یہ امر ثابت کیا ہے کہ اس قصہ کا ناقل ابو الفرج ہے ۔ سب سے اول اسی نے اپنی تاریخ مین لکھا اور اس سے دوسرون نے نقل کیا ۔[1] لیکن ایک بات کھٹکتی ہے وہ یہ کہ ابو الفرج[2] سے قبل عبد اللطیف بغدادی اپنے رسالہ الافادۃ والاعتبار مین ضمناً اس موقعہ کی طرف اشارہ کر چکا ہے مولانا نے نہایت سختی سے سمجھا کر اس کی تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ عبد اللطیف بغدادی نے اسکا ذکر مورخانہ حیثیت سے نہین کیا بلکہ ضمناً اور تذکرتاً کیا ہے[3] اور جن یورپین مورخون کا یہ بیان ہے کہ سب سے اول عبد اللطیف نے اسکو اپنی کتاب مین لکھا ہے ان کا بڑی حقارت سے ذکر کیا ہے اور اُن پر فریب دہی اور تدلیس کا الزام لگایا ہے ۔ مین یہ مانتا ہون کہ عبد اللطیف نے مورخانہ حیثیت سے اس کا ذکر نہین کیا ۔ اور یہ بھی تسلیم کرتا ہون کہ ”یذکر“ کی تحت مین اسکو لکھا ہے ۔ اس کا بھی اعتراف ہے کہ اس کے ساتھ جسقدر واقعات بیان ہوے ہین وہ سب بازاری گپین[3] ہین لیکن اس کا کیا علاج کہ یہ واقعہ عبد اللطیف کی کتاب مین ابو الفرج سے قبل مذکور ہے اور کم سے کم ”یذکر“ کے لفظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عبد اللطیف کے زمانہ مین لوگون کی زبان زد ضرور تھا ۔

[1] رسائل شبلی ۔ کتب خانہ اسکندریہ صفحہ ۱۴۱ ۔ ۱۴۲ ۔ [2] یوحنا ابو الفرج سنہ پیدائش ۶۲۳ھ وفات ۶۸۵ھ موافق الزمان عبد اللطیف ابن یوسف بغدادی سنہ پیدائش ۵۵۷ھ سنہ وفات ۱۲ محرم ۶۲۹ھ ۔ [3] رسائل شبلی کتب خانہ اسکندریہ صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹

اور بلا شبہ ابو الفرج سے قبل مشہور تھا۔ البتہ اسمین شک نہین کہ جس شان سے اور نمک مرچ لگا کر اُسنے بیان کیا ہے اس سے پہلے کسی نے بیان نہین کیا۔ اور اسی سے بعد کے مورخین نے بے سوچے سمجھے نقل کرکے سب جگہ پھیلا دیا۔ لیکن اس کا پتہ لگانا ابھی باقی ہے کہ یہ واقعہ مشہور کیسے ہوا اور ابو الفرج سے پہلے اس کا چرچا کیسے تھا۔ غالباً باہمی عناد اور تعصب اس قصے کی ایجاد کا باعث ہوا ہے۔ مفتوح قوم فاتح قوم پر اکثر ایسے الزام بعد مین قایم کر دیا کرتی ہے۔ انہین سے ایک یہ بھی ہے جسکی کوئی تاریخی شہادت نہین ہے۔ علاوہ اس کے مولانا شبلی نے اسی رسالہ مین یہ دعویٰ کیا ہے کہ سوا عبد اللطیف۔ ابو الفرج۔ مقریزی۔ اور حاجی خلفہ۔ کے کسی اور کتاب مین اس قصہ کا ذکر نہین۔ اور اسی کے ساتھ متعدد کتابین جو مصر و اسکندریہ کے حالات مین لکھی گئی ہین نام بنام گنوائی ہین کہ انہین سے کسی مین اس کا حوالہ نہین۔ حالانکہ یہ صحیح نہین ہے۔ انہین کتابون مین سے ایک تاریخ الحکما[1] للقفطی ہے جسمین یہ قصہ منقول ہے۔ غالباً یہ کتاب حال ہی مین چھپی ہے اور اسلئے مولانا کی نظر سے نہین گزری تھی۔ اسکے علاوہ دوسری کتاب مفتاح السعادۃ[2] ہے جو ایک ترکی عالم فاضل طاش کبری زادہ (پیدائش ۹۰۱ھ وفات ۹۶۸ھ) کی تصنیف سے ہے۔ افسوس ہے کہ یہ بیش بہا کتاب اب تک طبع نہین ہوئی۔ لیکن ان کتابون مین اس قصہ کا ہونا نہونا برابر ہے کیونکہ ان دونون صاحبون نے بغیر کسی تحقیق کے ابو الفرج سے لفظ بلفظ نقل کر لیا ہے یا ممکن ہے کہ طاش کبری زادہ نے قفطی سے نقل کیا ہو۔ عبارت سب کی ایک ہے۔

خاک بلگرام مین ایک اور ایسا جید فاضل ہو گزرا ہے۔ جسے فخر علماے ہند کہنا بجا ہوگا علماے ہند کے حالات مین کوئی کتاب اسوقت تک کامل نہین ہو سکتی جب تک کہ اس مین علامہ سید مرتضیٰ صاحب تاج العروس کا تذکرہ نہو آزاد بلگرامی کے ہمعصر تھے۔ ہمارے دل نے ہرگز یہ گوارا نکیا کہ یہ کتاب جو علماے ہند اور خصوصاً علماے بلگرام کا تذکرہ ہے اس فاضل

[1] تاریخ الحکما جمال الدین علی بن یوسف القفطی مطبوعہ لیپسک ۱۳۲۰ ہجری صفحہ ۳۵۵-۳۵۶

[2] قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ صفحہ ۳۰۰

بیدل کے حالات سے خالی رہے۔ لہذا یہ تذکرہ آخر کتاب مین اضافہ کردیا گیا ہے۔ جس سے اس شخص کے تبحر اور کمالات علمی کا حال معلوم ہوگا۔

عبدالحق (حیدرآباد دکن)

رباعیات

(از افکار تازہ سید محمد نوح صاحب شہیر مچھلی شہری)

اس غمکدے سے شاد بدل جاؤن گا
تربت مین برنگ گل مین کھل جاؤن گا
ہر شے کی رجوع ہوتی ہے جانب اصل
مٹی سے بنا ہون خاک مین مل جاؤن گا

اک روز سبھی برے بھلے جائین گے
اعمال ہی صرف ساتھ لیجائین گے
اطفال وجوان وپیر وبیمار وصحیح
آئی جب آئیگی چلے جائین گے

مرنے کے نہ دل سے حوصلے جائینگے
ہم قبر مین انکو ساتھ لیجائینگے
زنجیر پا جو ہوگا ضعف پیری
تو چار کے کاندون پہ چلے جائینگے

رہنے کو خلد مین بھلے جائین گے
جلنے کو سقر مین دبھلے جائین گے
رہجائیگا اس سرائے دنیا مین کون
آئے ہین جو یہان چلے جائین گے

پیری کیا آکے مائل جور ہوئی
ہونے والی جو تھی بہر طور ہوئی
دیکھا جو چرائے آنکھین بینائی کو
ٹیڑھی سیدھی کمر بھی فی الفور ہوئی

مہلت پائی نہ فرصت غور ہوئی
پیری موجود آکے فی الفور ہوئی
چشم ودندان ودست وپا مو وکمر
حالت اعضا کی اور سے اور ہوئی

تا عمر بنا ہنسی کھیل نہین
پیری مین کسیکو ہمسے اب میل نہین
اعضا سے شہیر کیا ہو چشم امید
آنکھون کے تلون مین آجب تیل نہین

ترکان جہان کی کجکلاہی نہ رہی
قائم شاہون کی بادشاہی نہ رہی
منھ کی کالک نہ چھوٹی افسوس شہیر
گو پیری سے بالون مین سیاہی نہ رہی

گو کچھ بھی نہیں ہوں ہیچکارا ہوں میں — پھر بھی اہل وطن کو پیارا ہوں میں
مٹنے کو ہے یہ نمود بے بود شہیر — پیری میں صبح کا ستارا ہوں میں

ہر حال میں دوستوں کو پیارا ہوں میں — گو چھپنے کو ہوں پر آشکارا ہوں میں
ہے صبح شب شباب جلوہ میرا — پیری میں چمکتا ہوا تارا ہوں میں

بوڑھا - کمزور - ہیچکارا ہوں میں — جز خاک گور کسکو پیارا ہوں میں
ہے وقت مدد کا اے عصائے پیری — آ تھام لے ہاتھ بے سہارا ہوں میں

پیری میں شباب والی طلعت نہ رہی — کافور صباحت ہوئی رنگت نہ رہی
پڑتی تھیں حسینوں کی بھی جسپر آنکھیں — افسوس شہیر اب وہ صورت نہ رہی

اعضا میں شکست ہے اب نہ دم میں دم ہے — جنبش دانتوں میں ہے بصارت کم ہے
ظاہر ہوا زور ناتوانی سے شہیر — ضعف پیری بھی اک چھپا رستم ہے

ناحق مرتے ہیں عمر فانی کے لئے — دیتے ہیں جان زندگانی کے لئے
نادان ہیں وہ شہیر بچوں کیطرح — پیری میں جو روتے ہیں جوانی کے لئے

ہے عہد شباب کامرانی کے لئے — یہ عمر ہے لطف زندگانی کے لئے
پیری کو کہاں نصیب دنیا کے مزے — یہ سب ساماں ہیں جوانی کے لئے

زائل پیری میں چہرے کا نور ہوا — اس سن میں جو ہوتا ہے بدستور ہوا
حالت ہی بدل گئی ضعیفی سے شہیر — زلف مشکیں کا رنگ کافور ہوا

پیری میں معصیت سے مشغولی ہے — مستی میں خدا کی یاد تک بھولی ہے
ہے گلشن عمر میں خزاں کا عالم — سرسوں میری آنکھوں میں مگر پھولی ہے

دنیا کی طمع ہر اک کو بیش و کم ہے — خالی کب حرص سے بنی آدم ہے
بیفکر نہیں ہے اس ہوس سے کوئی — مفلوک جہاں ہے یا شہ عالم ہے

الکلام

مولفہ مولانا شبلی پر

تنقیدی نظر

نمبر ۳

وجود باری

مذہب کے دایرۂ عمل کا ایک ایک نقطہ اگرچہ لامذہبی کے مرکز سے بعد المشرقین رکھتا ہے اور دونون کے درمیان اختلاف کے لئے بیشمار مسایل موجود ہین لیکن جو مسئلہ اس عظیم الشان عمارت اختلاف کا سنگ بنیاد ہے وہ یہی وجود باری ہے۔حشر ونشر معجزات وخرق عادات نبوت ورسالت وحی والہام بجاسے خود نہایت معرکۃ الآرا اور اہم مباحث ہین لیکن یہ سب اسی دریا کے حباب اسی آفتاب کی شعاعین اسی تخم کے ثمر ہین جسکو ہم خدا کے وجود سے تعبیر کرتے ہین اور حقیقت یہ ہے کہ اگر منکرین مذہب کو وجود باری کا پورا یقین ہو جاسے تو یہ سرگرم مناقشات بھی نسبتاً سرد پڑ جائین۔اسی لیے ہم آج کے نمبر مین اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہین۔

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ یہ مسئلہ جسقدر اہم ہے اوسی قدر بحث طلب بھی ہے اور تعجب یہ ہے کہ جو فریق اس مسئلہ کے اثبات کا مدعی ہے خود اس کی اندرونی جماعتون مین نہایت شدت سے اختلاف ہے اور جس دلیل کی بنا پر ایک خدا پرست گروہ اپنا اعتقاد قایم کرتا ہے اسکی تردید دوسرا خدا پرست گروہ اسی شد و مد سے کرتا ہے جیسے کہ ایک دہریہ یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر بانی مذہب اور بیشمار فلسفیون کو خدا کی ہستی پر جدا جدا دلایل قائم کرنا پڑے اور جن کی مجموعی تعداد حد شمار سے باہر ہے۔مگر ان مین سے چند اسقدر معروف اور بادی النظر مین معقول

معلوم ہوتے ہین کہ آبادی عالم کا ایک بڑا حصہ انہی کی بنا پر خدا کا قایل ہے۔ علامہ شبلی نے ان کو الکلام مین نقل کیا ہے لیکن چونکہ وہ متاخرین کی تنقید سے باخبر تھے۔ اسلیئے ان مین سے بعض کی خود ہی تردید کر دی ہے بسلسلہ سخن کے لحاظ سے ہم یہان ان کا خلاصہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین۔

(۱) قدیم حکماء یونان کا استدلال۔ عالم تغیر پذیر ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہے وہ کسی علت کی محتاج ہے۔ لہذا عالم بھی کسی علت کا محتاج ہے اور وہ علت خدا ہے۔

(۲) ارسطو اور ابن رشد کا استدلال۔ عالم کے تمام اجزا متحرک ہین اور جو چیز متحرک ہے اُسکے لیے محرک کی ضرورت ہے اگر یہ سلسلہ کہین ختم نہ ہوگا تو وجود غیر متناہی تسلیم کرنا ہوگا جو محال ہے اور اگر یہ سلسلہ اُس حد تک ٹھہریگا جو تمام اشیا کی محرک مگر خود غیر متحرک ہے تو وہی خدا ہے۔

(۳) متکلمین اسلام کا استدلال۔ عالم دو چیزون سے مرکب ہے ایک جوہر (یعنی وہ چیزین جو بذات خود قایم ہین) سے دوسرے عرض (یعنی جو چیزین اپنے وجود کے لیے کسی دوسری چیز کی محتاج ہین مثلاً رنگ مزہ۔ وزن وغیرہ) سے عرض کا حادث ہونا تو بدیہی ہے اور جوہر اسلیئے حادث ہے کہ کبھی عرض سے خالی نہین ہو سکتا لہذا عالم حادث ہے اور ہر حادث چیز علت کی محتاج ہے پس عالم کے لئے بھی علت درکار ہے۔ اب اس سلسلۂ علل کی کہین انتہا ہوگی یا غیر متناہی ماننا پڑیگا۔ شق دوم محال ہے لہذا اول الذکر صورت صحیح ہے اور یہی علت العلل خدا ہے۔

مذکورہ بالا دلایل کی تردید خود مولانا نے کافی طور سے کر دی ہے[۱]۔ اسلیئے ہم کو دوبارہ اس فرض کے ادا کرنے کی حاجت نہین۔ ان مغالطہ آمیز دلایل کی تردید کے بعد مولانا نے اپنی جانب سے وجود خدا پر دو دلایل پیش کیے ہین اور یہی وہ دلایل ہین جو زمانہ حال مین نہایت موثر اور معقول خیال کیے جاتے ہین[۲]۔ ان مین سے ایک استدلال تو برہان قیاسی رڈیزائن (تھیوڈ)

[۱] الکلام صفحہ ۳۰ و ۳۴۔

[۲] ان دلایل کے علاوہ حسب ذیل دو اور استدلالات دیگر ہیں جو برکلی اور ڈیکارٹ کی جانب منسوب ہین۔ یہی یورپ

کی صنعت مین شامل ہے اور دوسرا برہان استقرائی (انڈکٹو میتھڈ) کے تحت مین داخل ہے ذیل مین
ہم ان دونون دلایل کو نقل کرکے ان کی صحت کو اصول منطق کے معیار پر جانچتے ہین :-

مین خصوصیت کے ساتھ شہرت پذیر ہین۔ برکلی کے استدلال کا خلاصہ ان الفاظ مین ہو سکتا ہے :" فرض کرو میرے دماغ مین کل
کسی چیز کا خیال پیدا ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد جاتا رہا۔ آج پھر میرے دماغ مین وہی خیال پیدا ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ اتنے عرصہ تک
وہ تصور کہان جاگزین رہا ؟ اگر یہ کہا جاے کہ وہ تصور کل فنا ہو گیا تھا تو یہ بالبداہت غلط ہے کیونکہ اعادۂ معدوم محال ہے
اسلیئے یہ لامحالہ ماننا پڑیگا کہ وہ تصور کسی نہ کسی مقام پر ضرور جاگزین رہا لیکن یہ بھی مسلم ہے کہ تصورات و تخیلات کا ظرف صرف
دماغ ہی ہو سکتا ہے لہذا ایک دماغ کل کا وجود ضرور تسلیم کرنا ہوگا جہان تمام عالم کے تصورات مجتمع رہتے ہین اور جو تمام تصورات
کا مستقل مسکن ہے اور یہی دماغ کل خدا ہے"۔ برکلی کو اپنے استدلال کے استحکام کا اسدرجہ یقین ہے کہ وہ بہت فخریہ لہجہ مین لکھتا ہے
کہ اُس نے الحاد و دہریت کی زبان ہمیشہ کے لئے خاموش کر دی۔ لیکن درحقیقت اس سے بڑھکر سفسطیانہ استدلال کی نظیر مشکل سے
مل سکتی ہے۔ اول تو اگر ایک دماغ کل کا وجود ثابت بھی ہو جاے تو اس سے قدرت کاملہ علم غیب وغیرہ اوصاف الوہیت کیونکر لازمی
طور سے ثابت ہو جائینگے ؟ لیکن سب سے زیادہ مغالطہ خیز اس مین برکلی کا یہ مقدمہ ہے کہ آج پھر میرے دماغ مین وہی خیال پیدا ہوا۔
حالانکہ حقیقتہً یہ وہی خیال نہین ہے بلکہ مثل اسکے ایک خیال ہے۔ یہ پہلا خیال دماغ سے نکلنے کے ساتھ ہی فنا ہو گیا آج پھر
ویسے ہی اسباب جمع ہوے جیسے کل ہوئے تھے اس بنا پر ہمارے دماغ مین ایک تصور بھی مثل تصور سابق کے پیدا ہوا۔
لیکن یہ وہی تصور نہین۔ اسکو ایک واضح مثال سے یون سمجھو۔ فرض کرو کل ایک شخص نے کسی خاص غذا کا استعمال کیا۔
جسکے اثر سے اُسکو بخار آگیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد کسی دوا کے اثر سے زایل ہو گیا آج پھر اُس شخص نے اسی قسم کی غذا کھائی
اور پھر اُسکو ویسا ہی بخار آگیا اب کیا برکلی کا کوئی مقلد اس امر کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ وہی مرض ہے جو پہلے ہوا تھا۔ اور
اس بنا پر ایک جسم کل کا وجود تسلیم کرنا ضروری ہے جو کل امراض کا مستقل مسکن ہو اور جہان تمام امراض عالم مجتمع رہتے ہون۔
ڈیکارٹ کا استدلال اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہے۔ اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ "میرے دماغ مین ایک غیر محدود ہستی کا تصور آنا ہی
اُسکے وجود کے ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کیونکہ اگر ایسی ہستی کا وجود نہین ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ تصور خود میرا پیدا کیا ہوا ہے
لیکن اگر مین اُس تصور کو از خود پیدا کر سکتا ہون تو خود ہی مٹا بھی سکتا ہون حالانکہ یہ بداہتہً خلاف واقعہ ہے اسلیئے میرے
ذہن سے خارج کوئی ہستی ایسی ضرور ہے جہان سے مین نے یہ تصور اخذ کیا"۔ اگر استدلال کا یہ طریقہ صحیح ہے تو آج سے ہمکو کسی چیز کے

(۱) پہلا استدلال - خدا کا اعتراف انسان کی فطرت مین داخل ہے ...... یہی فطرت ہے جسکو قرآن مجید نے ان لفظون مین بیان کیا ہے - واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم واشهدهم علی انفسهم الست بربکم قالوا بلی شهدنا -

اگرچہ گذشتہ نمبر مین اس استدلال کو تمام نقل کر چکے ہین لیکن اُس موقع پر اس سے مذہب کے فطری ہونے پر استشہاد کیا گیا تھا - خود مولانا شبلی نے اسکو وجود باری کے زیر عنوان رکھا ہے اسلیئے آج کے نمبر مین ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ وجود خدا کے دعوی کو اس دلیل سے کہان تک تقویت ہوتی ہے - منطقی پیرایہ مین اس استدلال کی شکل حسب ذیل ہوگی -

(۱) جو خیالات یا اعتقادات انسان کی فطرت مین داخل ہین وہ صحیح و واقعی ہین -

(۲) خدا کا اعتقاد انسان کی فطرت مین داخل ہے -

(۳) لہذا خدا کا اعتقاد صحیح و واقعی ہے -

بلا شبہ اگر اس دلیل کے دونون مقدمات صحیح ہون تو نتیجہ کی صحت سے کسکو انکار ہو سکتا ہے لیکن اسکا صغریٰ جسقدر غلط اور خلاف واقعیت ہے اسکا ثبوت گذشتہ نمبر مین بخوبی ہو چکا ہے اور یہ طے ہو چکا ہے کہ اعتقاد خدا کا فطری ہونا نہ صرف خلاف واقعہ ہے بلکہ قانون ارتقا کی مخالفت کے لحاظ سے محال ہے - اور اگرچہ استدلال کی غلطی کے لیئے ایک ہی مقدمہ کا غلط ہونا کافی ہے لیکن آؤ کبریٰ کا بھی امتحان لے لین ! ہم دریافت کرتے ہین کہ آخر اسکا ثبوت کیا ہے

وجود سے انکار نہ کرنا چاہیے کیونکہ بقول ڈیکارٹ کے کسی ہستی کا تصور کر لینا ہی اسکے حقیقی وجود کے ثابت کرنے کیلئے کافی ہے - لیکن اس سے قطع نظر کرکے یہ امر بھی بحث طلب ہے کہ آیا ہمارا ذہن واقعی ایک غیر محدود ہستی کا تصور کر سکتا ہے ؟ علاوہ ازین اس مین سب سے زیادہ مغالطہ خیز ضمیر واحد متکلم کا استعمال ہے جس سے ایک موقع پر "میری قوت ارادی" مراد ہے اور دوسرے مقام پر "میری فطرت" منشا ہے اگر فی الواقع تصور خدا کسی خارجی ہستی سے ماخوذ ہے تو اسکا مفہوم یہ ہے کہ میری فطرت و طبیعت ایسی ہے جسمین یہ تصور خود بخود پیدا ہوتا ہے لیکن دوسرے مقام پر جب ڈیکارٹ کہتا ہے کہ "مین مٹا سکتا ہون" تو اسکا منشا یہ ہے کہ مین اپنی قوت ارادی سے مٹا سکتا ہون - درحقیقت محض ارادہ سے کوئی تصور نہ پیدا کیا جا سکتا ہے اور نہ فنا کیا جا سکتا ہے بلکہ جو تصورات انسانی طبیعت کے بعض قوانین کے اقتضا سے پیدا ہوتے ہین وہ دوسرے قوانین طبعی کے باعث فنا ہو جاتے ہین - اس صورت مین ڈیکارٹ کے استدلال کا کیا وزن رہ جاتا ہے ؟

یہ کہان سے معلوم ہوا کہ جو خیالات یا اعتقادات فطری ہین ان کا صحیح ہونا بھی ضروری ہے؟ مذہبی جماعت اسکے جواب مین صرف یہ کہہ سکتی ہے کہ فطری حاسات ہمارے دل مین خود خالق کائنات نے براہ راست ودیعت کردئے ہین اسلیئے انکے غیر واقعی ہونے کا کسکو احتمال ہو سکتا ہے؟ غور کرو کہ خدا کی ہستی کے ثبوت مین ایسا استدلال جسکے ایک مقدمہ کی صحت خود اُسی کے وجود پر مشروط ہو اصول منطق کی روسے کہانتک جایز ہو سکتا ہے۔ یہ وہ مغالطہ ہے جسکو اصطلاح منطق مین مصادرہ علی المطلوب کہتے ہین۔
(Petitio Principii)

(۲) **دوسرا استدلال** جسکی بنیاد استقرا پر ہے نسبتہً زیادہ قوی ہے اور بظاہر بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے آجکل جبکہ وجود خدا پر تمام دیگر استدلالات کا ضعف صریحاً ظاہر ہو چکا ہے صرف یہی ایک ایسی دلیل ہے جو حامیان مذہب کی جانب سے ہر موقع پر پیش کی جاتی ہے ہمارے مولانا اسکی ایجاد کو قرآن کی جانب غلط نسبت دیکر (اسلیے کہ یہ خیال قدیم یونانیون مین بھی پایا جاتا تھا) اسکو ان الفاظ مین بیان کرتے ہین:۔

> "انسان کو آغاز تمیز مین جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے اُن مین ایک یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب باقاعدہ اور منتظم دیکھتا ہے تو اُس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانشمند نے ان چیزون کو وہان ترتیب دیا ہے اگر کسی جگہ ہم چند چیزین بے ترتیب رکھی دیکھین تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزین یہان اکٹھی ہو گئی ہونگی لیکن جب وہ اس ترتیب اور سلیقہ سے چنی گئی ہون کہ ایک ہوشیار صناع بھی بمشکل اس طرح چن سکتا ہے تو یہ خیال کبھی نہین ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی ہوگی۔ اسکو ایک اور واضح مثال مین سمجھو خواجہ حافظ یا نظامی کا کوئی شعر لو۔ اُسکے الفاظ الٹ پلٹ کر کسی معمولی آدمی کو دو اور اُس سے کہو کہ الفاظ کو آگے پیچھے رکھکر ترتیب دے۔ وہ سو سو طرح الٹ پلٹ کریگا لیکن اتفاقیہ طور سے بھی کبھی یہ نہ ہوگا کہ حافظ اور نظامی کا شعر نکل آئے حالانکہ وہی الفاظ ہین وہی حروف ہین صرف جملے مین صرف ذراسی ترتیب کا پھیر ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اسقدر مرتب باقاعدہ

اور موزون ہے وہ خود بخود قایم ہو گیا ہو۔ قرآن مجید مین خدا کے وجود پر اسی استدلال کیا ہے ...... ان آیتون مین عالم کی نسبت تین اوصاف بیان کئے ہین۔ کامل اور بے نقص ہے۔ موزون اور مرتب ہے ایسے اصول و ضوابط کا پابند ہے جو کبھی ٹوٹ نہین سکتے۔ یہ دلیل کا صغریٰ ہے کبریٰ خود ظاہر ہے۔ یعنی جو چیز کامل مرتب اور مستمر النظام ہے وہ خود بخود نہین پیدا ہو گئی ہو گی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے اُسکو پیدا کیا ہو گا" [الکلام صفحہ ۳۶ و ۳۸]

قبل اسکے کہ ہم اس استدلال کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ کرین یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ استدلال منطقی براہین کی کس صنف مین داخل ہے اور اس قسم کے دلایل کا کیا وزن ہوتا ہے مولانا کی رائے مین یہ برہان ہی قیاسی ہے اور اُنکے نزدیک منطقی خراد پر چڑھکر یہ حسب ذیل قالب اختیار کریگی۔

(۱) جو چیز کامل مرتب مستمر النظام ہے وہ کسی صاحب قدرت و اختیار کی پیدا کی ہوئی ہے۔

(۲) عالم کامل مرتب مستمر النظام ہے۔

(۳) لہذا عالم کسی صاحب قدرت و صاحب اختیار کا پیدا کیا ہوا ہے۔

لیکن یہ صریحی مغالطہ ہے اگر فریق ثانی اس استدلال کے مقدمۂ اول کو تسلیم کرلے تو اختلاف کے لیے باقی ہی کیا رہ جاتا ہے؟ بادی النظر مین یہ کبریٰ جسقدر بدیہی الثبوت معلوم ہوتا ہے اُسیقدر یہ مخالفین کے نزدیک بحث طلب ہے۔ مولانا کی پہلی اور سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ صنعت سے صانع ترتیب سے مرتب اور نظام سے ناظم دریافت کرنے کے حاسہ کو ابتدائی بدیہی اور حسی معلومات علم مین شامل کرتے ہین حالانکہ دراصل یہ احساس تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر پیدا ہوا ہے کسی بچہ کے آگے دو چیزین پیش کرو جن مین سے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی صناعی کا نمونہ ہو اور دوسری نہایت غیر منتظم اور بے ترتیب ہو۔ پھر اُس سے سوال کرو کہ وہ کس چیز کے نظارہ کی بنا پر کسی صانع یا کاریگر کے وجود کا یقین کرتا ہے؟ اگر کسی طریقہ سے

وہ شیر خوار بول سکے تو اُسکا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ "کسی کی بنا پر نہیں اپنے وجود کے لحاظ سے میرے نزدیک دونون یکسان ہین"، اس جواب کا باعث صرف یہ ہے کہ اُسکو اپنے گذشتہ تجربات مین صانع اور مصنوع کی یکجائی کی کوئی نظیر نہین ملتی۔

بلا شبہ یہ سچ ہے کہ ہم حافظ یا نظامی کے اشعار پر کسی معمولی شخص کے کلام کا دہوکا نہین کہاتے لیکن اسکی وجہ یہ نہین کہ ہمارے دل مین کوئی فطری حس موجود ہے جسکی بنا پر ہم صنعت سے صانع کو تشخیص کرلیتے ہین اور نہ یہ وجہ صحیح ہے کہ ان اشعار مین فی نفسہ کوئی ایسی خصوصیت موجود ہے جسکی بنا پر ہمکو چارو نا چار اُنکے مصنف کے لیئے ایک اعلیٰ دماغ تسلیم کرنا پڑے! بلکہ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ اس قسم کے بہ کثرت اشعار ہماری نظر سے گزر چکے ہین اور ان کی نسبت ہمکو معلوم ہوچکا ہے کہ وہ حافظ یا نظامی کے ہین یہ تجربہ حاصل کرنے کے بعد پہر جب کبہی ایسے اشعار ہم سنتے ہین جو اپنے مضامین طرز ادا ترتیب الفاظ وغیرہ کے لحاظ سے اُن اشعار کے مشابہ و مماثل ہوتے ہین جنکی نسبت ہمکو اپنے تجربہ سے تحقیق ہوچکی ہے کہ وہ نظامی یا حافظ کا کلام ہے تو ہم ان اشعار کو بہی اونہین شاعرون یا اُنکے مثل دوسرون کی جانب منسوب کرتے ہین۔ ایک جاہل یا ایسے تعلیم یافتہ شخص کے سامنے جسکو شعر و شاعری سے بالکل لگاؤ نہ ہو اونہین موسومہ بالا شاعرون کا کلام پڑہو مگر وہ کبہی اُسکو اُن کی جانب منسوب نہین کر سکتا اور نہ ایک ادنیٰ درجہ کے شاعر کے کلام مین اور اس مین کوئی امتیاز کر سکتا ہے۔ صرف اس لئے کہ اُسکو کبہی اس قسم کا تجربہ نہین ہوا۔

اس مسئلہ کے طے ہو جانے کے بعد اب وجود باری پر نظام عالم سے جو استدلال قائم ہو سکتا ہے اُسکے مقدمات ہمارے خیال مین حسب ذیل ہون گے:۔

(۱) جن چیزون کو ہم اعلیٰ درجہ کی صناعی و کاریگری کا نمونہ مانتے ہین مثلاً انجن۔ گہڑی دوربین وغیرہ اور جن مین خصوصیات یعنی موزونیت و خوش سلیقگی وغیرہ ضرور پائی جاتی ہین اُن مین ہم یہ خصوصیت بہی پاتے ہین کہ اُن کا وجود از خود نہین ہوتا بلکہ کسی ہوشیار صناع کے باعث ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا جن اشعار مین کوئی خاص خوبی ہوتی ہے مثلاً بندش و ترتیب الفاظ وغیرہ وہ بہی

جہان تک ہمارا تجربہ بتلاتا ہے کسی اعلیٰ دماغ کی کوشش کا نتیجہ ہوتے ہین۔

(۲) عالم پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعض خصوصیات کے لحاظ سے اُن چیزون سے نہایت مشابہ ہے جنکا وجود کسی ہوشیار صناع یا اعلیٰ دماغ کے باعث ہوتا ہے۔ یعنی اس مین بھی ترتیب موزونیت خوش سلیقگی وغیرہ کی خصوصیات ویسی ہی پائی جاتی ہین جیسی کہ بہترین مصنوعات مین۔

(۳) پس اس تشبیہ من حیث البعض سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ یہ دونون چیزین من حیث الکل ایک دوسرے کے مشابہ و مماثل ہونگی۔ اور جس طرح ہر اعلیٰ درجہ کے شعر کے لیے ایک بلند پایہ شاعر کی ضرورت ہے اسی طرح عالم کے لیے بھی (جو نظام و ترتیب کے لحاظ سے ایک نفیس شعر کے مشابہ ہے) یہ لازمی ہے کہ دو کسی صاحب قدرت و صاحب اختیار نے اسکو پیدا کیا ہو۔

ہمارے خیال مین نظام عالم سے وجود باری پر جو استدلال ہو سکتا ہے اُسکا صرف یہی طریقہ ممکن ہے لیکن جو شخص اصول منطق سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ اسصورت مین استدلال نہ تو برہان استقرائی کی صنف مین شامل ہو سکتا ہے اور نہ برہان قیاسی کے تحت مین داخل ہو سکتا ہے بلکہ اسکو صرف برہان تمثیلی کے دربار مین باریابی کا موقع مل سکتا ہے، جسکو انگریزی مین Argument from analogy کہتے ہین۔ برہان تمثیلی کا مفہوم یہ ہے کہ جب دو چیزین بعض حیثیات سے ایک دوسرے کے مشابہ ہون تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ انمین چند اور حیثیات سے بھی مشابہت ہوگی مثلاً ایک شے "الف" چند حیثیات سے دوسری شے "ب" کے مشابہ ہے مگر "الف" کے ساتھ "ج" کا وجود لازمی طور سے پایا جاتا ہے لہذا "ب" کے ساتھ بھی "ج" کا وجود ضروری ہے ایک اور واضح مثال مین اسکو یون سمجھو کہ کرۂ ارض اور کرۂ ماہتاب بعض (یعنی گول اور متحرک اجسام ہونے کی) حیثیات سے باہمدگر مشابہ ہین لیکن کرۂ ارض ایک آباد سیارہ ہے جس مین مختلف ممالک واقوام شامل ہین لہذا کرۂ ماہتاب اس حیثیت سے بھی زمین کے مشابہ ہوگا اور وہان بھی مثل ہماری دنیا کے نظام سلطنت وغیرہ قایم ہوگا۔

یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے دلایل سے کسی مسئلہ کا قطعی فیصلہ نہین ہو سکتا چنانچہ اصول منطق کی رو سے ان دلایل کا وزن نہایت خفیف ہوتا ہے اور کسی مسئلہ کی واقعیت پر یقین کرنے کے لیے ان سے استدلال فضول سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ بہت ممکن ہے کہ شبہ اور شبہ بہ چند معین حیثیات کے سوا اور کسی لحاظ سے باہم مشابہ نہ ہون اور اسکی تصدیق روزمرہ کے تجربات سے ہوا کرتی ہے۔

ہماری اسقدر تحریر اگرچہ علامہ کے پیش کردہ استدلال کا ضعف ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے اور ہمکو اس مسئلہ پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہین لیکن تعجب ہے کہ بعض مصنفین نے اسکو برہان استقرائی کی شکل مین پیش کیا ہے اور سخت تر تعجب یہ ہے کہ یورپ کے علماء منطق کا مسلم الثبوت پیشوا جان اسٹوارٹ مل بھی اُن کا ہمزبان ہے۔ بے شبہ یہ دعوی نہایت اہم ہے اور ہمکو پورے انصاف و بے تعصبی کے ساتھہ اس پر غور کرنا چاہئے۔

مل کہتا ہے کہ یہ استدلال محض اس مماثلت پر مبنی نہین جو نظام عالم اور انسانی صنائع کے درمیان ہے بلکہ اسکی بنیاد اس مشابہت کے خاص طرز و انداز پر ہے۔ وہ اوصاف و خصایص جنکے لحاظ سے نظام عالم صنعت انسانی کے مشابہ ہے بجاے خود متفرق طور سے نہین پائے جاتے ہین بلکہ سب ایک ایسی صفت کے ماتحت ہین جسکا تعلق ایک صانع یا حکیم کے ساتھہ لازمی و حقیقی ہے اور وہ صفت کیا ہے؟ کسی ایک متعین مقصد کی انجام دہی۔ مزید توضیح کیلئے ہمکو جسم انسانی کے کسی خاص حصہ کی ساخت پر غور کرنا چاہئے۔ مثال کے لیے ہم آنکھ کو لیتے ہین۔ آنکھ مین جسقدر رطوبات و حجاب ہین اُن کی ترتیب و ترکیب ایک مقصد معین یعنی بصارت کی تعین ہے۔ اگر آنکھ کی ترتیب موجودہ نہ ہوتی تو یا انسان مین مطلقاً بصارت کا مادہ نہ موجود ہوتا یا اگر ہوتا تو حالت موجودہ سے یقیناً کمتر ہوتا۔ یہی وہ خاص مشابہت ہے جو تمام اعضاے انسانی مین پائی جاتی ہے لیکن ہماری آنکھ کی کسی زمانہ مین ابتدا بھی ہوی ہوگی یعنی ایسے اسباب مجتمع ہوے ہونگے جنکے باعث آنکھ کی موجودہ حالت کا وجود پیدا ہوگا۔ یہ فرض کیا جاسکتا

کہ انکے وجود کا باعث محض بخت و اتفاق ہوا ہوگا لیکن اسوقت بیشمار آنکھون کی مثالین موجود ہین کہ بخت و اتفاق کا احتمال صحیح نہین ہو سکتا۔ لہذا ہمکو دوسری صورت یہ تسلیم کرنا پڑیگی کہ کوئی خاص علت ہے جو تمام آنکھون کی ساخت مین مشترک ہے اور جس نے قوت بصارت کے سامان بہم پہونچائے ہین اور جس علت سے بالارادہ ایسے افعال سرزد ہون اُسکو صانع و حکیم تسلیم کرنے سے کسکو انکار ہو سکتا ہے[۱]۔

بہ فرض محال اگر یہ استدلال بہ لحاظ اپنے مقدمات کے صحیح ہی ہو تو (جیسا کہ خود مل کو تسلیم ہے) ہم اسکو براہان استقرائی کی اُس صنف مین جگہ دے سکتے ہین جو براہین استقرار مین سب سے زیادہ ضعیف اور اپنی صحت کے لحاظ سے سب سے زیادہ مشکوک ہے یعنی قانون اتصال کے ماتحت[۲] لیکن اس سے قطع نظر کرکے دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی ہمارے جسم کے کسی حصہ کی ساخت ایسی رکھی گئی ہے جس سے بہتر ممکن نہ تھی۔ اور جسکی حکمت و صنعت کی بنا پر ہمکو ایک حکیم و صانع کا قایل ہونا پڑتا ہے؟ ممکن ہے کہ ڈارون کے زمانہ کے قبل پبلک کو اسکا یقین ہو مگر اب جبکہ قانون ارتقا

---

[۱] ناظرین کو یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ یہ مل کی ذاتی رائے تھی۔ اُس نے درحقیقت یہ استدلال حامیان مذہب کی جانب سے پیش کیا ہے اور خود آگے چلکر تردید کی ہے جس سے ایک حد تک ہم نے بھی اس مضمون مین فایدہ اٹھایا ہے۔

[۲] منطق استقرا مین ایک نہایت اہم مسئلہ دریافت علت کا ہے۔ ارسطو اور اُسکے مقلدین مثل دیگر استقرائی مباحث کے اس مسئلہ کے متعلق بھی تقریباً ساکت ہین۔ اور اگرچہ بیکن و سرجان ہرشل کی تحریرون مین ضمناً و تبعاً اسکے متعلق مباحث موجود ہین لیکن اسکو ایک علمی مسئلہ کی صورت مین پیش کرنے اور اسکے لئے باضابطہ قوانین و اصول مدون کرنے کا فخر مل کو حاصل ہے۔ مل نے استقرار کامل کے لئے چند قوانین مختلف نامون سے وضع کئے ہین مثلاً قانون اتصال قانون انفصال قانون تغیر عوارض وغیرہ جنکے ذریعہ سے ہم معلول سے علت دریافت کر سکتے ہین۔ متاخرین علماء منطق مثلاً پروفیسر بین فاولر وغیرہ نے ان قوانین کو بحث شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتابون مین درج کیا ہے۔ استدلال زیر بحث قانون اول کے تحت مین داخل ہے جو قانون اتصال کے نام سے موسوم ہے۔ مل نے اس قانون کو حسب ذیل الفاظ مین بیان کیا ہے

"اگر واقعہ مبحوث فیہ کی متعدد مثالون مین صرف ایک ہی چیز مشترک ہو تو یہی چیز جو تمام مثالون مین قدر مشترک ہے اس

مسلم ہوچکا ہے جبکہ موجودات عالم کے تدریجی نشو ونما کی شہادت ایوان علم کے درودیوار دے رہے ہین جبکہ ڈارون اسپنسر ہیکل والس ہکسلی اور سیکڑون مشاہیر علماے سائنس نے دنیا پر ثابت کردیا ہے کہ جن چیزون کو ہم ترقی یافتہ شکلون مین دیکھہ رہے ہین وہ تنزل ولپستی کے نہایت ابتدائی مدارج طے کرکے لاکھون سال کے بعد اس حالت پر پہنچی ہین کون ذی عقل یہ دعوی کرسکتا ہے کہ ہمارے جسم کا کوئی عضو بہ لحاظ اپنی ساخت کے اس حکیمانہ ترتیب کا اظہار کرتا ہے جسکی بنا پر ہمکو چارنا چار ایک حکیم و صانع کے وجود کو تسلیم کرنا پڑتا ہے ؟

رابرٹ انگرسال[1] - اگرچہ مخالفین مذہب کی جماعت مین ایک زبان دراز اور عامیانہ طرز کا مصنف ہوا ہے لیکن اس موقع پر اُس نے جوکچھ لکھا ہے درحقیقت نہایت نکتہ سنجی کے ساتھہ لکھا ہے جسکو ہم ذیل مین درج کرتے ہین خود مولانا نے ہی اسکو اپنی کتاب مین نقل کیا ہے۔ (الکلام صفحہ ۵۲):-

"فرض کرو ایک جزیرہ پر ایک آدمی دس لاکھ برس کی عمر کا ملے جسکے پاس ایک عمدہ خوبصورت گاڑی ہو اور اُسکا یہ دعوی ہو کہ یہ گاڑی اُسکی لاکھون برس کی محنت کا نتیجہ ہے جسکے ایک ایک پرزہ کے ایجاد کرنے مین پچاس پچاس ہزار برس صرف ہوے تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکالینگے کہ وہ شخص ابتدا ہی سے فن جرثقیل مین ماہر تھا؟ مخلوق کی ترقی سے کیا یہ بات ظاہر نہین ہوتی ہے کہ خالق مین بھی ترقی ہوئی ہے"

آج علماء سائنس کی بہت بڑی جماعت جو مذہب سے منکر اور وجود خدا مین متشکک و متردد ہے اسکے اکثر افراد کے اعتراض کی بنیاد یہی مسئلہ ہے لیکن ہمارے مولانا اسکو جسقدر حقیر خیال کرتے ہین

اس واقعہ کی علت ہوگی"

(دیکھو مل کی "سسٹم آف لاجک" حصہ سوم باب ۸)

[1] کرنل رابرٹ گرین انگرسال سنہ ۱۸۳۳ء ولادت سنہ ۱۸۹۹ء وفات امریکہ کا نہایت کامیاب و مشہور ریفارمر مذہب کی مخالفت پر اسکے متعدد لکچر اور چند رسالے موجود ہین۔

اسکا اندازہ اُنکے مندرجہ ذیل جواب سے ہو سکتا ہے۔ اس لاجواب اعتراض کے جواب مین وہ ایک لاپروائی کے ساتھہ فرماتے ہین که[1]

"یہ اعتراض کہ اگر خدا قادر مطلق ہوتا۔ تو دنیا کو بہ تدریج کیون پیدا کرتا۔ اس قدر لغو ہے کہ توجہ کے بھی قابل نہین۔ ایک قطرہ کا رحم مین پڑنا۔ پرورش پانا۔ گوشت پوست چڑھنا۔ مختلف اعضا کا پیدا ہونا۔ جان کا پڑنا۔ خون سے غذا پانا۔ اور پھر لوتھڑ کا پتلا بنکر منظر ہستی پر آنا۔ زیادہ اعجوبہ زا اور کمال قدرت کی دلیل ہے۔ یا دفعتہً بنا بنایا ایک انسان مجسم کا پیدا ہو جانا؟"

یہی وہ طفلانہ جوابات ہین۔ جو بجائے معترض کی تشفی کے اُسکے اعتراض کو اور زیادہ قوی کرتے ہین۔ اعجوبہ زا ہونے کے متعلق بیشک ہم کوئی فیصلہ نہین کر سکتے۔ لیکن اتنا ہر معقول پسند شخص تسلیم کریگا کہ کسی کام کو بہت سے تغیرات کے بعد مدت دراز مین انجام دینا۔ کمال قدرت کی دلیل نہین کہی جا سکتی۔

سائنس کے اُن تمام صیغون مین۔ جنکا تعلق بیجان مادہ سے ہے۔ آج کوئی شخص اُس نظام و ترتیب کا وجود نہین پاتا۔ جسکی قوت پر اعتماد کرکے مذہب علم سے صف آرائی کرنا چاہتا ہے۔ اور علم ہیئت۔ طبقات الارض۔ طبعیات۔ کمسٹری کے مسایل مین آج باوجود تلاش کے بھی اُس معین غرض و مقصد کی انجام دہی کا پتہ نہین چلتا۔ جسکا ذکر مل کے الفاظ مین اوپر گذر چکا ہے۔ بہ قول زمانۂ حال کے سب سے بڑے ماہر سائنس ارنسٹ ہیکل[2] کے آج تمام علماء سائنس مین سے ایک شخص بھی کسی واقعہ کی "غرض و غایت" کے متعلق جستجو کرنا نہین پسند کریگا۔ یہی مصنف لکھتا ہے۔

"کیا آج کوئی ہیئت دان سنجیدگی کے ساتھہ سیارون کی حرکت کے مقصد کے متعلق تحقیق کریگا؟

---

[1] الکلام صفحہ ۵۔ [2] ارنسٹ ہیکل ۱۸۳۴ء ولادت۔ زمانۂ حال کا نہایت نامی و سربرآوردہ سائنٹسٹ جینا (جرمنی) کی یونیورسٹی کا پروفیسر۔ مسئلۂ ارتقا کے دریافت مین ڈارون کا بہت بڑا معین۔ سائنس فلسفہ قانون علم العلاج۔ مین متعدد یونیورسٹیون کا ڈگری یافتہ۔

یاکوئی ماہر معدنیات بلور کی ساخت مین کسی مخصوص ہیئی کو تلاش کریگا ؟ یاکوئی عالم کسٹری آٹمز (دقایق) کے وزن کا مقصد دریافت کرتا ہے ؟"

پھران سوالات کا جواب نفی مین زوردار الفاظ کے ساتھہ دیکر کہتا ہے کہ

"ایک صاحب اختیار کاریگر اور دنیا کے عالم کا انسانی تصور اس میدان سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوگیا ہے۔ اور اب اسکی جگہ دایمی اور سخت قوانین فطرت نے لے لی ہے"[۵۱]

علماء سائنس کا یہ فیصلہ تو صرف سائنس کی اُن اصناف کے متعلق تھا۔ جنکا تعلق غیر ذی روح مادہ کے ساتھہ تھا۔ لیکن جن علوم کا تعلق ذی حیات اجسام سے ہے۔ مثلاً علم الحیوانات۔ علم الاشجار۔ علم افعال الاعضاء وغیرہ انکے مسایل کے متعلق کسی خاص غرض و مقصد کو قرار دینے مین اور بہی زیادہ دقتون کا سامنا ہوتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ تقریباً تمام اونچے قسم کے حیوانات و نباتات مین بعض اعضا ایسے پائے جاتے ہین۔ جو محض بیکار ہین۔ بلکہ بعض صورتون مین اپنے رکہنے والے کیلئے مضر ثابت ہوتے ہین۔ اس قسم کے فضول اعضا کو اصطلاح مین (Rudimentary Organs) کہتے ہین۔ پرندون کے اقسام بعض ایسے ہین۔ جنکے پر و بازو موجود ہوتے ہین۔ مگر اُن مین اُڑنے کی قوت نہین ہوتی۔ بعض حیوانات ایسے بہی پائے گئے ہین۔ جنکی آنکہین ہوتی ہین۔ مگر مادۂ بصارت مفقود ہوتا ہے۔ مردون کے جسم پر چہاتی کے نشان بہی انہین زاید از ضرورت اعضا کی فہرست مین داخل ہین۔ جسم انسانی مین پیشانی۔ کان اور بعض اور اعضا کے عضلات بہی بیکار ثابت ہوے ہین[۵۲]۔ ایک سائنس دان اس عقدہ کو یون حل کریگا۔ کہ جس طرح قویٰ کی مضبوطی و نشو نما کا دارمدار اس امر پر ہے کہ اُن سے کام لیا جاے۔ اسی طرح ان سے کام نہ لیا جا

۵۱ پروفیسر موصوف کی کتاب "راز عالم" صفحہ ۹۲ و ۹۳ (Riddle of the Universe)

۵۲ ڈاروِن کی "دیسنٹ آف مین" صفحہ ۱۷ و ۳۰ (Darwin's Descent of Man)

اور ہیکل کی "جنرل مارفولوجی" جلد دوم (Haeckel's General Morphology)

اُنکے انحطاط و تنزل کا باعث ہے۔ پس اگر گرد و پیش کے اسباب و اثرات سے متاثر ہو کر کسی حیوان نے ایک خاص عضو سے کام لینا چھوڑ دیا۔ تو کچھ عرصہ کے بعد اس عضو مین ضعف کے آثار محسوس ہونگے۔ یہانتک کہ بعد چند نسلون کے وہ اپنا فعل بالکل ترک کر دیگا۔ لیکن مذہبی جماعت اس اعتراض کا کیا جواب دے سکتی ہے۔ کہ آخر اس قادر مطلق و صناع اعظم نے حیوانی مشین مین ایسے پرزے کیون رکھے۔ جو کچھ عرصہ کے بعد محض بے سود ہو جاتے ہین؟ درحقیقت کوئی حیوان اپنی ساخت کے لحاظ سے کامل نہین کہا جا سکتا ہے۔ ہر ایک کے قوی و اعضا مین گرد و پیش کے خارجی اسباب کے اثر سے تغیر و انقلاب پیدا ہوتا ہے لیکن چونکہ ان خارجی موثرات مین بھی تبدیلی ہوا کرتی ہے۔ اسلئے خود اس حیوان کی ساخت مین ایک غیر منقطع سلسلۂ تغیرات قایم رہتا ہے۔ اور غیر مستعمل اعضا بیکار ہوتے جاتے ہین۔ اسی بنا پر ارنسٹ ہیکل نے کہا ہے کہ تدریجی نشو و نما لازمی نتیجہ ہے انتخاب طبعی کا جس نے نظام دپیش بینی و صنعت کے تصور کو باطل کر دیا ہے۔

غور کرو۔ کہ ایک صناع کو کسی شے کے دفعتہً اور براہ راست تیار کرنے سے کون امر مانع ہو سکتا ہے؟ صرف عدم قوت یا قابلیت۔ وہ کسی چیز کو بہ تدریج و بالواسطہ محض اس حالت مین تیار کرتا ہے۔ جبکہ اسکے دفعتہً بنانے پر وہ قادر نہین ہوتا۔ اب خدا نے عالم کی موجودہ صورت استقرار تدریجی تغیرات اور بیشمار درمیانی وسایل و ذرایع کی مدد کے ساتھ جو پیدا کی۔ اسکے متعلق صرف دو صورتین فرض کی جا سکتی ہین :-

(۱) یا یہ کہ وہ بغیر ان درمیانی وسایل کے عالم کی پیدایش پر قادر نہین تھا۔

(۲) یا یہ کہ وہ بغیر انکی امداد کے قادر تھا۔

اگر پہلی صورت صحیح ہے۔ تو پھر "قدرت کاملہ" کے متعلق کیا تاویل کی جائیگی؟ اور اگر شق دوم تسلیم کی جاے۔ تو اس پر فضول و غیر ضروری افعال کے انجام دینے کا الزام آتا ہے۔ جو ایک حکیم کی شان سے بہت بعید ہے۔

الغرض۔ یہ ہے اُس استدلال کی وقعت جسکو ہمارے مولانا وجود باری کے ثبوت مین نہایت شد و مد سے پیش کرتے ہین۔ اور جسکے استحکام کے متعلق وہ ایک شاعرانہ انداز بیان کے ساتھ یون تحریر فرماتے ہین[۱]:۔

"آج جبکہ تحقیقات و تدقیقات کی انتہا ہوگئی ہے، جبکہ کائنات کے سیکڑون اسرار فاش ہوگئے ہین جبکہ حقایق اشیا نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دیا ہے۔ بڑے بڑے حکما و فلاسفر انتہائے غور و فکر کے بعد خدا کے ثبوت مین یہی استدلال پیش کرسکے جو قرآن مجید نے آج سے تیرہ سو برس پہلے نہایت قریب الفہم اور صاف طریقہ مین بیان کیا تھا"

ہماری تحریر بالا کا ماحصل یہ ہے۔ کہ وجود باری کے ثبوت مین مذہبی جماعت کی جانب سے جو دلایل پیش کیے جاتے ہین۔ وہ منطقی حیثیت سے ہرگز اسقدر وزن نہین رکھتے کہ اُنکی بنا پر اس مسئلہ کو قطعی و یقینی کہا جا سکے۔ لیکن اسکا یہ مفہوم نہین کہ خدا کے معدوم ہونے پر ہمارے پاس کوئی دلایل موجود ہین۔ کسی چیز کے ثبوت مین کافی شہادت کا نہ ملنا ایک چیز ہے۔ اور اسکے نہ ہونے پر دلایل کا پایا جانا دوسری چیز ہے۔ اور آخر الذکر دعوی کے ہم ہرگز مدعی نہین۔ فلسفۂ جدید کے بانی۔ لارڈ بیکن نے دہریت کی نسبت جو دُرشت الفاظ لکھے ہین۔ اسکے مورد صرف وہ لوگ ہو سکتے ہین۔ جنکا یہ دعوی ہے کہ یہ سلسلۂ موجودات خود بخود قایم ہے۔

بے شبہ۔ ہم اسی مضمون کے نمبر اول مین لکھ چکے ہین۔ کہ جب کسی واقعہ کے انکار و اقرار دونون پہلوؤن مین سے کسی جانب شہادت نہین ملتی۔ تو ہمارے یقین کا رجحان اسکی عدم صحت کی جانب ہوتا ہے[۲]۔ اور اس بنا پر ہمکو انکار خدا کے لیئے کسی منفی شہادت کی حاجت نہین۔ بلکہ صرف شہادت اثبات کا نا کافی ہونا کافی ہے۔ لیکن اس خاص مسئلہ کے متعلق یہ فیصلہ صحیح نہین۔ یہ سچ ہے کہ وجود باری کے اثبات و انکار دونون مین سے کسی پہلو کے یقینی ہونے پر کافی دلایل نہین ملتے۔ لیکن کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ کسی جانب اسقدر خفیف شہادت بھی نہین ملتی

[۱] الکلام۔ صفحہ ۳۰۔ [۲] الناظر۔ ۱۰ مارچ۔ صفحہ ۲۷۔

جوایک پہلو کو دوسرے پہلو پر کسی قدر راجح کر سکے؟

یہ ایک جداگانہ سوال ہے۔ اور ہمکو اسکے جواب کے لیے پھر عالم کی ابتدائی حالت پر غور کرنا چاہیئے۔ سائنس کی موجودہ تحقیقات کے بموجب۔ یہ عالم مرکب ہے نہایت باریک ذرات سے۔ جونا قابل تجزی ہین۔ اور جنکو اصطلاح مین اجزاے دیمقراطیسی (Atoms) کہتے ہین۔ مادہ عالم کی اگر ہم تحلیل کرتے جائین تو آخر کار ہمکو اُسی مقام پر رکنا ہوگا۔ یہ ذرات قدیم ہین۔ حرکت چونکہ مادہ کی لازمی خاصیت ہے لہذا قدیم ہے۔ یعنی مادہ و حرکت دونون ازلی ہین۔ جب یہ مسلم ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اجزاے دیمقراطیسی باہم ملین اور ان مین امتزاج و اختلاط پیدا ہو چنانچہ یہی ہوا۔ اور عالم اسی ترتیب ذرات کا نتیجہ ہے۔

یہان پہنچکر ایک منکر خدا یون اظہار خیال کرتا ہے[1]:-

"مادہ حادث نہین اور چونکہ حرکت و قوت خود مادہ کے لوازم طبعی ہین۔ اسلیئے وہ بھی حادث نہین اور جب مادہ۔ قوت۔ حرکت قدیم ہین۔ اور کائنات کے تمام انواع انہین چیزون کا نتیجہ ہین۔ تو خدا کا وجود کن محسوسات سے ماخوذ کہا جا سکتا ہے؟ ...... قوانین فطرت اور خدا ان دونون مین سے ہمکو صرف ایک کی ضرورت ہے"۔

مذہبی جماعت کی جانب سے اسکا جو جواب دیا جاتا ہے۔ اور جس پر اعتماد کر کے وہ وجود خدا کو یقینی سمجھتی ہے۔ اسکو ہم علامہ شبلی کی زبان سے نقل کرتے ہین:-

اس مین شبہ نہین کہ عالم کا تمام نظام قوانین قدرت یا لاآف نیچر پر قایم ہے۔ لیکن یہ قوانین۔ الگ الگ مستقل بالذات اور ایک دوسرے سے بے تعلق نہین ہین۔ بلکہ سب ایک دوسرے کے موافق متناسب اور معین ہین۔ ان مین باہم اسقدر تناسب اور ربط ہے کہ ایک چھوٹی سی چیز کے پیدا کرنے مین کل قوانین قدرت باہم ملکر کام کرتے ہین .... اسکی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح انسان کے جسم مین سیکڑون اعضا۔ جوارح اور اعصاب ہین۔ یہ اعضا و جوارح الگ الگ ہین۔ اور ہر ایک کا کام جدا جدا ہے لیکن کوئی عضو اسوقت تک کام نہین دے سکتا

[1] الکلام صفحہ ۱۵

جبتک تمام اعضا بالذات یا بواسطہ اسکے عمل مین شریک نہون، ..... اسی سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ان اعضا کے قوی مستقل حیثیت نہین رکھتے۔ بلکہ انسان مین کوئی اور عام قوت ہے جو ان تمام اعضا کی جداگانہ قوتون سے بالاتر ہے۔ اور جس کی ماتحتی مین یہ سب باتفاق کام کرتے ہین۔ اس عام قوت کو نفس روح یا مزاج سے تعبیر کیا ہے۔

قوانین قدرت کا بھی یہی حال ہے۔ عالم مین سیکڑون ہزارون قوانین قدرت ہین۔ لیکن اگر ان مین سے ایک بھی باہمی توافق کے مرکز سے ذرا ہٹ جاے تو تمام نظام عالم برہم ہو جاے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت ہے جو ان تمام قوانین قدرت کو محکوم رکھتی ہے۔ اور جس نے ان تمام قوانین مین باہم توافق۔ تناسب۔ ربط اور اتحاد پیدا کیا ہے۔ .... توافق اور اتحاد پیدا ہونا خود ان قوانین کی ذاتی خاصیت نہین ہے۔ اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے۔ تو محض ایک فرضی احتمال ہوگا۔ جسکی کوئی نظیر نہین پیش کی جا سکتی ہے یہی بالاتر قوت .... خدا ہے۔ (صفحہ ۵۵ و ۵۶۔ الکلام)

لیکن یہ استدلال بھی مثل مولانا کے گذشتہ استدلال کے۔ استقرا پر مبنی نہین اور یقینی کسی حالت مین نہین کہا جا سکتا۔ اسکی قوت اسیقدر ہے جتنی کہ برہان تمثیلی کی ہو سکتی ہے۔ اسلیے بناے یقین تو یہ بہرحال نہین ہو سکتا۔ لیکن معترض کہہ سکتا ہے کہ "اگر تمثیل مفید یقین نہین۔ کم ازکم مفید ظن تو ہے۔ اور اگر اسکی بنا پر کسی مسئلہ کا قطعی ثبوت نہین ہو سکتا۔ تاہم اسکی تائید مین ایک احتمال قوی تو ہو جاتا ہے"

یہ بالکل صحیح ہے۔ اور ہم بھی اس دعوی سے اپنا اتفاق ظاہر کر دیتے۔ لیکن تمثیل کی بنا پر ہمارا احتمال راجح صرف اس حالت مین ہو سکتا ہے۔ جبکہ مشبہ اور مشبہ بہ مین واقعی کوئی خاص خصوصیت مشترک ہو۔ اور افسوس ہے کہ مسئلہ زیر بحث مین یہ لازمی شرط نہین پائی جاتی۔ مولانا کے استدلال کا لب لباب یہ ہے کہ

قوانین قدرت۔ اعضاے انسانی کے مماثل و مشابہ ہین۔ اور اعضاے انسانی ایک جداگانہ

بالاتر قوت کے ماتحت و محکوم ہین ۔ لہذا قوانین قدرت بھی کسی بالاتر قوت کے محکوم و ماتحت ہونگے۔

مگر سوال یہ ہے ۔ کہ خود روح کا وجود جسم سے علیحدہ کس کو مسلم ہے؟ اور کیا تمام اعضاے انسانی سے بالاتر کسی قوت کی ہستی کا ثبوت ۔ وجود باری کے ثبوت سے کچھ کم غیر متیقن ہے؟

یہان تک ہم نے اس مسئلہ پر جس طرز سے بحث کی ۔ صرف اسی طرز سے کسی مسئلہ کی صحت فلسفیانہ حیثیت سے جانچی جاسکتی ہے ۔ اور اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ وجود باری کے اثبات و نفی دونون پہلوؤن مین کسی جانب خفیف سی خفیف شہادت بھی نہین ملتی ۔ لیکن عقلی دلایل و منطقی شہادت سے قطع نظر کرکے ہم اس مسئلہ پر محض قلبی وجدان و اندرونی جذبات سے متاثر ہوکر نظر کرتے ہین ۔ تو ایک جداگانہ جواب ملتا ہے ۔ اس حالت مین بلا شبہ ۔ ایجاب کا پہلو سلب کے پہلو سے زیادہ قوی ۔ اور اثبات کا پلہ انکار کے پلہ سے زیادہ بھاری ہو جاتا ہے ۔ جب یہ مسلم ہے کہ آج قوی سے قوی دوربین بھی فضاے کاینات کے کل سیارون کی تہا نہین پا سکی ۔ جب یہ مسلم ہے کہ ایسے متعدد اجرام فلکی موجود ہین ۔ جنکی روشنی باوجود تقریباً دو لاکھ میل فی سکنڈ[1] کی رفتار کے ابھی تک کرۂ ارض نہین پہنچی ۔ الغرض جب عالم موجودات کی یہ شکل سے تصور مین آنے والی وسعت و عظمت مسلم ہے ۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ یہ غیر محدود عظیم الشان سلسلہ موجودات چند مقررہ قوانین و ضوابط کی زنجیر سے جکڑا ہوا ہے ۔ تو یہ خیال لازمی طور سے پیدا ہوتا ہے کہ

کوئی معشوق ہے اس پردۂ ظلمت مین نہان ۔

لیکن فرض کرو کہ ہمکو اس بالاتر قوت کے وجود کا اعتقاد ہے ۔ تاہم اس ہستی کے خواص و اوصاف کی تفتیش کرنا ۔ اور اسکی نوعیت و ماہیت دریافت کرنا ۔ انسانی عقل و فہم سے بالاتر ہے ۔ اور ہمارا مسلک تو وہی ہے ۔ جسکو آج سے پانچسو سال بیشتر خواجہ شیراز نے دنیا کے گوش زد کر دیا تھا ۔

[1] روشنی کی اصلی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ ہے ۔

برو اے زاہد خود بین کہ ز چشم من و تو

راز این پردہ نہان ست و نہان خواہد بود

آخر مین ہمارا روے سخن۔ الندوہ کے اُس وسیع النظر مضمون نگار کی جانب ہے۔ جسکا شمار ہمارے علامہ کے ممتاز ترین تلامذہ مین ہوتا ہے[1]۔ اور ہم اُس سے صرف اسقدر عرض کرنا چاہتے ہین۔ کہ "علم برداران فلسفۂ جدید" وجود باری کے دلایل کی تردید کسی "غلط۔ کمزور۔ سفسطیانہ" استدلال سے نہین کرتے۔ اور نہ اس مسئلہ کے غیر یقینی ہونے کی بنا "بے بنیاد شہادت" پر ہی۔ بلکہ وہ اس کو غیر صحیح تسلیم کرنے کا باعث منطقی شہادت کا ناکافی ہونا قرار دیتے ہین۔ اور اس امر کا فیصلہ ہم اُسی مضمون نگار کے انصاف پر چھوڑتے ہین کہ کس فریق کے دلایل حقیقتہً "اصول منطق سے خارج" ہین۔

سامنے غیر کے تم فتنہ مجھے کہتے ہو
چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر؟

راقم ایک طالبعلم

خون تمنا

مزا نہ بحر جہان مین پایا حباب کی طرح سر اوٹھا کر
فلک نے محروم ہمکو رکھا ہے کاسۂ وارثگون بنا کر

ہمین زمانہ نے آہ سمجھا کسی کے نقش قدم کا خاکہ
کبھی بنایا مٹا مٹا کر کبھی مٹایا بنا بنا کر

ملی نہ جلنے سے ہمکو فرصت جہان مین افسوس ایک ساعت
کہان سے خاکستر جہنم ملی نہ ہے مٹی مین اپنی آکر

یہ بخت واژونکے ہین کرشمے کہ کامیابی کی انجمن سے
کبھی اوٹھایا ہمین بٹھا کر کبھی بٹھایا ہمین اوٹھا کر

غضب کیا دہر بد سیر نے ستم کیا چرخ حیلہ گر نے
جھکائے صد چاہ نامرادی امید کبھی بام پر چڑھا کر

کبھی نہ ہوئیگی تا قیامت یہ گرمجوشی فلک کی ہمکو
جلائے ہین آرزو کے خرمن جو یاس کی بجلیان گرا کر

یہہ شان فرسودہ طالعی ہے کہ نام کیا ہم مرا نشان تک
اوڑا دیا صفحۂ جہان سے برنگ حرف غلط مٹا کر

گذر گئے دن اسی طرح سے بسر ہوئین یونہی اپنی راتین
کہ دلکو روکا پکڑ پکڑ کر جگر کو تھاما دبا دبا کر

[1] دیکھو الندوہ بابت جنوری سنہ ۱۰ء مضمون "مادیت"

میرس اے ہمنفس کہ در دل چہ سوز پنہان نہفتہ دارم — شرارۂ غم بود چراغے کہ زیر دامان نہفتہ دارم

ہوس ہو رہنے کی خاک ہمکو بھلا اب آئے کیا عنادل چمن مین — کہ پتے پتے کو آشیانہ ہوا ہے اپنا گران چمن مین

ہزار چلائین لاکھ روئین صدا نہ پہونچیگی گوش گل تک — وہ دن گئے با نگ صور تھی جب ہماری آہ و فغان چمن مین

یہ ڈر ہے گل ہو نہ جائین برہم خطر ہے صیاد پر نہ کاٹین — یہی تقاضا ہے مصلحت کا کھلے نہ ہرگز زبان چمن مین

الٰہی یہ کس غضب کی آتش بھڑک رہی ہے تنور دل مین — کہ ہو گئے آہ سے ہماری چنار آتش فشان چمن مین

ہمارے حال زبون سے ہر دم نہین ہے لالہ ہی داغ بر دل — کہ چشم نرگس سے بھی ہوئے ہین سرشک شبنم روان چمن مین

خفا ہین ہم اپنی زندگی سے خوش آئین کیا ہمصفیر ہمکو — گلون کے یہ خندہ ہائے بیجا صبا کی اٹھکھیلیان چمن مین

خدا کو مان اے سیاہ بختی بس اب تو سر مہ کھلا نہ ہمکو — کہ نغمہ پیرا ہین عندلیبین غزل سرا قمریان چمن مین

کسی کی امید یون نہ ٹوٹے کسی کی تقدیر یون نہ پھوٹے — قفس سے جب ہم اسیر چھوٹے تو آئی فصل خزان چمن مین

بہ التفاتے کسے در ینجا چو نشنود داستان مارا — نواز اے برق خاطف اکنون بہ شعلۂ آشیان مارا

نہ پوچھ اے ہمنشین کہ جور فلک سے کیا جان پر بنی ہے — کہ دن کو ہے کام دلخراشی تو رات کو شغل جانکنی ہے

رفیق کیونکر نہین نہ صدمے مصیبتین ہون نہ کیسے مونس — کہ ہمسے آرام کو عداوت فراغ بالی کو دشمنی ہے

نورد ند او شہسوار ہمکو ضعیف عاجز شکستہ پا ہین — کہ پائے تمکین ترا ابھی غافل سمجھ لے آخر شکستنی ہے

الٰہی کیون آجتک نہ آیا ہماری حالت مین کچھ تغیر — کہ وقت جو ہے گذشتنی ہے زمانہ جو ہے وہ رفتنی ہے

کیا دم خنجر حوادث نے ذبح یون بیدریغ ہمکو — کہ طائر روح شکوہ سنج ہائے ذبح قلقلتنی ہے

جو اپنے محبوب آرزو سے نہین ہے کچھ لطف زندگی کا — شمار زندون مین خاک ہون ہم کہ چھائی چہرہ پہ مردنی ہے

ہے آنکھ کو شغل اشک ریزی تو دل مین ہے زالم کی تیزی — جو ایک جانب ہے آب پاشی تو اک طرف آتش افگنی ہے

ہمین اگر خاک پر گرایا تو اے فلک تو نے کیا گرایا — ہمارا شیوہ ہی خاکساری نیازمندی فروتنی ہے

قمر بجائے رسید اینک بہ معرض بخت پستی ما

ز رنگ صد نیستی نمودند غازۂ رو ملی ہستی ما

ملک محی الدین احمد قمر

سوالات علمیہ کے جوابات

تمہید زندگی - دل - دماغ - اور پھیپھڑوں کے مشترک فعل کا نام ہے - ان تینوں میں سے خواہ کوئی عضو اپنا کام چھوڑ دے باقی دونوں ہی جلد بیکار ہو جاتے ہیں - اور زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے - گویا زندگی کے لیئے یہ اعضاء ایکدوسرے کے لازم وملزوم ہیں - لیکن زندگی کے ان ارکان ثلاثہ میں جزوی نقص پیدا ہو تو نقصان بھی جزوی ہی ہوتا ہے مثلاً جب دل کمزور ہو جائے - یا اُسکے عضلاتی ریشے چربی میں تبدیل ہونا شروع ہو جائیں - یا دل کے دروازوں میں نقص پیدا ہو جائے تو اختلاج قلب - ضعف اور اسی قسم کے دوسرے امراض پیدا ہو جاتے ہیں - اس صورت میں دل دماغ اور شش کے ساتھ ملکر کام تو کرتا ہے - مگر صحت اور عمدگی کے ساتھ نہیں کر سکتا -

جواب دوم اسی طرح جب شش کی ساخت میں خرابی واقع ہو جائے تو ضیق اور دمہ وغیرہ لاحق ہو جاتے ہیں - اور بالکل اسی طرح جب دماغی ساخت کو کوئی صدمہ پہونچ جاتا ہے تو عقل میں فتور آ جاتا ہے - اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ (د) انسانی عقل کا مستقر دماغ ہے - اس امر کو ہم دو طرح ثابت کر سکتے ہیں :- اول مشاہدہ سے - دویم تجربہ سے -

مشاہدات

الف - جو لوگ فتور عقل یا دیوانگی سے مرجاتے ہیں ان کے پوسٹ مارٹم کرنے سے ہمیشہ انکی دماغی ساخت میں خرابی پائی جاتی ہے - بعض بعض حصص دماغ خصوصیت سے ماؤف پائے جاتے ہیں -

ب - سر کی شدید ضربوں کے بعد عموماً عقل اور ہوش وحواس میں فتور آ جاتا ہے -

ج۔ وہ لوگ جو دیوانے یا بے عقل مشہور ہین ان کے سر کی بناوٹ یا بالخصوص ان کے دماغ کی بناوٹ عام یا ایک صحیح یا تندرست انسان کے سر کی بناوٹ سے ضرور کسیقدر مختلف ہوتی ہے۔ حالانکہ انکے باقی اعضائے جسمانی پورے طور پر نشو و نما پاتے ہین اور بظاہر ہین کوئی نقص نظر نہین آتا۔ بلکہ بعض دیوانے تو خوب مضبوط اور قوی الجثہ یا تن و توش والے ہوتے ہین۔

تجربات

کسی بڑے اسپتال کے آپریشن روم مین جاکر دیکھئے۔ ہر روز مختلف مریضون کے مختلف اعضا کاٹے جاتے ہین مگر کسی کا نتیجہ دیوانگی نہین ہوتا۔

جناب مولانا شبلی نعمانی مدظلہ کا پاؤن بندوق کی ضرب سے بالکل علیحدہ ہوگیا۔ اور اسکے بعد شاید ٹانگ کے نیچے کے حصے کا ایمپوٹیشن (Amputation) بھی کیا گیا مگر ان کی دماغی حالت اور قابلیت مین کوئی فرق نہ آیا۔ جیسا کہ اس حادثہ کے بعد کی تصنیفات سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر اوسوقت کچھ بے چینی وغیرہ محسوس ہوئی تو وہ ضرب کے صدمے کا اثر تھا جسکو اصطلاح جراحی مین شاک (Shock) کہتے ہین۔ یہی وجہ ہے کہ کلورافارم سونگھنے کے بعد مریض کو صدمہ محسوس نہین ہوتا کیونکہ قوائے حاسہ معطل ہو چکے ہوتے ہین۔

نتیجہ۔ سوائے دماغ کے جسم کے کسی اور حصہ پر چوٹ وغیرہ لگنے سے عقل مین فتور نہین آتا۔

جواب ح یہ امر مسلم ہے کہ عقل و بے عقلی مین اسوقت تک کوئی خاص مابہ الامتیاز قائم نہین کیا گیا۔ بے عقل آدمیون کے مرنیکے بعد اون کے دماغ کا ڈی سیکشن کرنے سے کوئی خاص بات نہین پائی جاتی سوائے اسکے کہ ساخت دماغ مین کچھ نقص ملتا ہے یا بعض حصص خصوصیت سے ماؤف پائے جاتے ہین جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے اور یہ تبدیلی تین طرح پیدا ہوتی ہے:۔ (۱) پیدائشی نقص کیوجہ سے (۲) امراض کے اثر سے اور (۳) ضربات۔ منشیات۔ غم اور خوشی کے اثر سے۔

ہم ہر روز دیکھتے ہین کہ ایک انسان ایک وقت مین ایک نہایت دانشمندانہ کام کرکے مشہور زمانہ ہوجاتا ہے اور دوسرے وقت وہی آدمی ایسی بیہودہ حرکت کربیٹھتا ہے کہ کہ تمام دنیا اوسپر ہنستی ہے۔

ولایت کے ایک نہایت مشہور فلسفی کا ذکر ہے کہ وہ انگیٹھی کے سامنے بیٹھا بدن تاپ رہا تھا۔ اور غالباً اپنے فلسفیانہ خیالات مین محو تھا۔ آگ رفتہ رفتہ زیادہ تیز ہوگئی حتی کہ اوسے برداشت کی تاب نہ رہی۔ حیران تھا کہ کیا کرے۔ کوئی علاج سمجھ مین نہ آتا تھا۔ آخر تابش نے نہایت ہی تنگ کیا تو لاچار ہوکر نوکر کو آواز دی۔ وہ کسی ضروری کام مین معروف تھا۔ ہاتھ رکے ہوے تھے۔ مگر آقا کے زور سے چلانے پر دوڑا آیا۔ فلاسفر صاحب نے اسکو دیکھتے ہی کہا کہ انگیٹھی کی آگ فوراً کم کردو۔ کیونکہ مجھسے اسکی گرمی برداشت نہین ہوسکتی۔ نوکر نے خاص ضرورت کے لیے انگیٹھی مین کوئلے زائد دھکائے تھے اور اوکے سلگ جانیکا منتظر تھا۔ اور اب اُس ضرورت کے پورا ہونیکا وقت آگیا تھا۔ پس اوس نے مسکراکر کہا کہ "حضور چار قدم پیچھے ہٹ کر بیٹھ جائین۔ تپش خود ہی کم ہوجائیگی۔ آگ کی ضرورت ہے"

فلاسفر اس معقول جواب پر حیران رہگیا اور دل مین نوکر کی عقلمندی کی بہت تعریف کی اور ساتھ ہی اپنی عقل پر تعجب کیا کہ ایسا سہل نسخہ میرے ذہن مین کیون نہ آیا!

اس بات کو سمجھنے کے لیئے کہ عقل کے مرکزون مین خرابی پیدا ہوجانے یا عصبی رشتونکی ساخت بگڑ جانے سے بے عقلی خود بخود بطور نتیجہ کے ظاہر ہوتی ہے ایک مثال کا سمجھ لینا کافی ہے اور وہ یہ ہے۔

جب ہم سانس لیتے ہین تو تازہ ہوا داخل ہوجانے سے یا تازہ ہوا داخل کرنیکی غرض سے جوف سینہ کشادہ ہوجاتا ہے۔ حجاب حاجز جسے ڈایافرام کہتے ہین اور جو جوف سینہ اور جوف شکم مین حد فاصل ہے نیچے کی طرف دباؤ ڈالتا ہے اور سینہ کے دیگر عضلات

ایک خاص قسم کی حرکات کے ذریعے امداد کرتے ہین جون ہی سانس لیا گیا کافی ہوا داخل ہوگئی۔ پھر سانس نکالا جاتا ہے مگر اُسکے لئے کسی خاص عضو کو کوئی کام نہین کرنا پڑتا بلکہ وہی عضلات جو سانس لینے کیوقت پھیلے تھے اپنی جگہ واپس آجاتے ہین اور اُنکے اصلی جگہ واپس آجانے سے ہی برآمد تنفس مین خلل واقع ہوجاتا ہے اسی لئے علم فزیالوجی (Physiology) مین یہ مسئلہ تسلیم کیا گیا ہے کہ سانس لینے کے تو خاص عضلات ہین مگر سانس نکالنے کا کوئی نہین۔

اسی طرح عقل کے لئے تو قادر مطلق نے خاص حصص دماغ مقرر کئے ہین مگر بے عقلی کے لئے کوئی خاص ساخت ابھی تک تحقیق نہین ہوئی۔ بلکہ عقلی مرکزون مین خرابی پیدا ہو جانیکا نام ہی بے عقلی قرار دیا گیا ہے۔

جواب الف ایک صحیح اور تندرست دماغ کے اپنے افعال متعلقہ کو بصحت تمام ادا کرنیکا نام عقل ہے۔

جواب ب یہی قاعدہ حیوانات پر بھی عائد ہوسکتا ہے۔

جواب ج چونکہ حیوانی دماغ کی ساخت نسبتاً ادنیٰ قسم کے مادے سے ہوتی ہے اور اسمین وہ پیچیدگیان اور نشیب و فراز نہین ہوتے جو ساخت دماغ انسانی کا خاصہ ہین اس لئے حیوانات کی عقل بھی ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے

جواب ط عقل بیشک واحد ہے۔ مگر ساخت دماغی کی کمیں کے جدا جدا مراتب ہونیکی وجہ سے اور نیز تربیت۔ صحبت۔ تعلیم۔ غذا۔ آب وہوا۔ تجربات۔ مشاہدات۔ اور واقعات روزمرہ کے مختلف انسانون پر مختلف طریقون سے اثر پڑنیکی وجہ سے ایک قسم کا ظاہری تفاوت پیدا ہو گیا ہے۔ در اصل کوئی اختلاف نہین۔ مثلاً بھوک کا علاج ہر قوم و ملک مین عقل نے خوراک تجویز کی ہے اور اس قدر تک حیوان بھی اسی زمرے مین شامل ہین۔ لیکن ہر جگہ مخصوص مقامی حالات کیوجہ سے اسکی

مختلف صورتین قرار پا گئین۔ کیک۔ پلاؤ۔ چپاتی۔ پھل۔ گوشت وغیرہ اور حیوانی اور انسانی عقل مین فرق مراتب بھی پیدا ہو گیا۔

موسم کی تاثیرات سے بچنے اور بعض دلی جذبات وخیالات کو مستتر رکھنے کی غرض سے عقل نے جسم کے ڈہانکنے کی ضرورت محسوس کی مگر مختلف مقامی حالات وضروریات نے اسکی مختلف صورتین پیدا کر دین۔ وقس علیٰ ہذا۔

جواب ی جس کام کو انسان دیر تک کرتا ہے اُس سے ایک قسم کی محبت سی ہو جاتی ہے جو فی الحقیقت عقل ہی کا تقاضا ہے۔ اس لئے اس عادت یا حالت کو چھوڑ دینا اوسے ناگوار گذرتا ہے۔ یہین سے تفاوت کی بنیاد پڑتی ہے۔ ورنہ اصل الاصول سب کا ایک ہے۔ پنجابی زبان کی یہ مشہور مثل کس قدر صحیح ہے کہ "سو عقلمند ونکی تو ایک ہی رائے ہوتی ہے مگر دو بیوقوفونکی رائے ہمیشہ ایکدوسرے کے مخالف ہوتی ہے"

ایک ہی قسم کے حالات مین پرورش پانیوالے لوگو مین اختلاف کیوجہ باریک دماغی ساخت کے تکمیلی درجونکا اختلاف اور نیز روزمرہ کے پیش آمدہ واقعات وغیرہ کا اثر ہے اگر دوسری کمزوریان ساتھ شامل نہ ہون تو یہ اختلاف موجب برکت ہے۔ (ی) کا جواب ضمناً آ گیا ہے۔

یہ جوابات بہ سبیل ایجاز طبی نکتہ خیال سے لکھے گیے ہین۔ فلسفیانہ بحث رہ گئی۔ میدان وسیع باقی ہے جسے باقی اہل قلم حضرات کے تفنن طبع کیلیے چھوڑتا ہون آخری سوال خصوصیت سے قابل توجہ ہے۔ امید ہے جس کسی بزرگ کو فرصت ہو گی قوم کو فائدہ پہونچانے سے دریغ نہ فرمائینگے۔

افسوس ہے کہ الناظر مین تصاویر کا انتظام نہین ورنہ دماغ کی تصویرین دیکر اور بعض مقامات کے اثر دکھاکر مضمون کو اور واضح کر دیتا۔ بہرحال اب بھی امید ہے کہ اہل ذوق یہ سطور قبولیت کی نظر سے دیکھینگے۔

جناب سائل کی ان سطور سے تسلی نہ ہوگی تو راقم الحروف زیادہ وضاحت سے بھی لکھ سکتا ہے فی الحال اختصار مد نظر رکھا گیا ہے۔

نوٹ۔ جوابات ترتیب سائل کے مطابق نہین۔ مئی کا الناظر سامنے رکھکر جواب ملاحظہ فرمائے جائین۔

ہجیسر ز عبد الحکیم بسمل ہوشیارپوری

جزیہ اور خراج

سرسری طور پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزیہ اور خراج یہہ دونون لفظ ایک دوسرے سے مضاً ملتے جلتے ہین۔ اور کیا عجب ہے کہ اسکا استعمال بھی ایک ہی جگہہ۔موقع اور محل پر ہوتا ہو لیکن حقیقتاً دونون لفظون کا مفہوم۔استعمال۔موقع۔محل۔اور معنے ایک دوسرے سے بالکل جدا اور الگ ہین۔

یون تو جزیہ کا رواج بہت قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے یہانتک کہ یونانیون نے پانچسو سال قبل مسیح باشندگان سواحل کوچک سے جزیہ وصول کیا تھا۔ اور جسکو اون باشندون نے اس بناء پر قبول کرلیا کہ جزیہ دینے والا نہ قتل کیا جائے۔ نہ کسی وقت جنگ مین بلایا جائے اور نیز دیگر سواحل کے باشندون کے خونخوار حملون سے محفوظ رکھا جائے۔ چنانچہ اسلام مین یہہ قاعدہ تھا کہ بعد قبول اسلام جزیہ لینا موقوف کردیا جاتا تھا۔ لیکن یہہ قاعدہ صرف اسلام ہی تک محدود تھا۔

اہل روما نے جزیہ کی مقدار فی کس ۹ گنی سے پندرہ گنی تک مقرر کردی تھی۔ فارس والون نے کچھ عرصہ تک اسی مقدار پر جزیہ کی تعداد کو قائم رکھا لیکن بعد مین اسقدر ترمیم کردی تھی کہ آمدنی کی حیثیت پر ۱۲۔۸۔۶ یا ۴ گنی فی کس مقرر کردی تھین۔

عہد رسالت مین مسلمانون نے جو تعداد جزیہ قائم کی تہی اوسکی مختلف صورتین تہین۔ کسی جگہ کے باشندون سے سو دینار سالانہ اور کسی جگہ کے باشندون سے کپڑون اور پہلون پر چہارم لے لیا جاتا تھا۔ لیکن عہد عمرؓ مین بوجہ اسکے کہ اسلامی فتوحات ترقی پر تھین چار دینار سالانہ اسکی کمی کی انتہا مقدار تھی لیکن پہر بھی

مالدار اور متمول اشخاص سے ۴۸ درم سالانہ

متوسط الحال " " ۲۴ " "

ادنیٰ درجہ کے " " ۱۲ " "

لیکن عہد عبد الملک مین تمام درجے شکست کر دے گئے تھے۔ اور چار ہی دینار سالانہ تعداد قائم رہ گئی تھی۔ پہر عہد عمر بن عبد العزیز مین جزیہ بالکل ہی اوٹھا لیا گیا تھا۔ اور اگر کچھ تھا بھی تو شاذ و نادر۔ خاص خاص حیثیتون۔ اور حالتون مین جنکا ذکر اگر ضروری خیال کیا جاے گا تو کسی آیندہ موقع پر درج ہوگا۔

خراج۔ وہ شے ہے جو بحیثیت لگان سالانہ کسی اراضی پر لیا جائے۔ جسکی دو قسمین تھین۔ نقد اور بٹائی۔ یہ دستور بہت قدیم زمانہ سے مروج ہے۔ یعنے زمین چونکہ ملک شاہ تصور کی جاتی ہے اور اوسپر رہنے والے چونکہ زمین کی پیداوار سے نفع حاصل کرتے ہین اسلئے بحیثیت مالک ہونے کے پیداوار کا کوئی نہ کوئی حصہ بادشاہ کو پانا چاہئے۔ اسوجہ سے اس نفع کا نام جو مالک کو ملے خراج کہلایا ہے۔

عام طور پر تاتاری۔ جرمنی۔ رومانی۔ مصری۔ اور شامی اپنی اپنی سلطنتون کی اراضیات پر لگان باندھتے تھے۔ جسکے مختلف درجے اور مراتب تھے۔ لیکن صرف رومانیون نے اون رقوم کو جو بحیثیت لگان وصول کی جاتی تھین بہت باقاعدہ کر دیا تھا یعنی اس صیغہ کے متعلق الگ ایک دفتر قائم کر دیا تھا جسمین ہر قسم کے اہلکار اعلیٰ درجہ سے لیکر ادنیٰ درجہ تک مقرر تھے۔

مسلمانون نے بہی یہ دفتر اوسی صورت و حالت مین قائم رکھا لیکن عبد الملک بن مروان کے

عہد مین اسقدر تغیر کیا گیا کہ دفتر عربی زبان مین ہو گیا۔ چنانچہ مسلمانون کے عہد مین ابتدائً یہہ کام خاص خلفاء کے سپرد رہا کرتا۔ مگر رفتہ رفتہ دار الخلافت سے متعلق کر دیا گیا۔ ابتدائً عرب۔ شام۔ فارس مین بٹائی کا رواج تہا۔ اوسکے بعد ۳۶۰۰ گز مربع پر ایک درم نقد اور ایک قفیز جنس پیداوار لگان مین سے وصول کیا جاتا تھا لیکن اوس اراضی پر جو از سر نو قابل کاشت بنائی جاتی تھی (توڑ) پیداوار کا دسوان حصہ خراج قرار پاتا تھا۔

لیکن پہر کچھہ عرصہ کے بعد اراضیات کی پیمائش کیگئی اور خراج کے درجے دوسرے طریقہ پر جاری کیے گئے۔

(۱) ایک جریب ایسی اراضی پر جسمین انگور بویا گیا ہو۔ دس درم سالانہ

(۲) " " " کھجور بوئی گئی ہو۔ آٹھ درم "

(۳) " " " جو بویا گیا ہو۔ دو درم "

لیکن عراق عرب مین جو طریقہ بٹائی کا جاری تھا اُسکی بنا صرف اسقدر تھی کہ منصور کے عہد مین نرخ غلہ بہت گھٹا اور اوسکی پیداوار لگان کےلیئے کافی نہین ہوتی تہی اسوجہ سے بٹائی کا طریقہ جاری کیا گیا اور بٹائی کی بہی کئی صورتین تھین یعنے نصف سے لیکر پانچوین حصہ تک۔

لیکن اونیسوین صدی کے آغاز مین جو سیاسی اصولون کے جاری ہونیکا بہتر زمانہ تھا ان تغیرات نے پہر رخ بدلا۔ یعنے تمام زمینین جو مختلف چھوٹے چھوٹے درجہ کے لوگون کے پاس زیر کاشت تھین نکال لی گئین۔ اور وہ تمام اراضیات ایک چک یا گاؤن یا مزرعہ کی صورت مین کرکے چند ذی مرتبہ۔ با اثر اور ذی وجاہت لوگون کے قبضہ مین دیدی گئین۔ یہہ لوگ اراضیات شکمی طور پر اوٹھا دیتے تھے اور پیداوار کی آمدنی سے۔ بعد ادائے خراج شاہ۔ خود فائدہ اوٹھاتے تھے۔

راقم ع۔ ر۔ اثر۔ علوی

در چشم محققان چہ زیبا و چہ زشت
منزل گہ عاشقان چہ دوزخ چہ بہشت
پوشیدن بیدلان چہ اطلس چہ پلاس
زیر سر عاشقان چہ بالین و چہ خشت

ہندوستان مغلونکی آمد کے وقت

مثل عربون کے مغل اپنی تہذیب وتربیت اور دنیاوی ترقیات کے لیئے اسلام کے احسان مند ہین۔ قبل اسکے کہ اونہون نے اسلام (جسمین قومونکو شائستہ بنانیکی انتہا درجہ کی قوت ہے) قبول کیا۔ اونکا شمار وحشی قوم مین تہا۔ وہ بہادر ضرور تھے لیکن تعلیم یافتہ نہ تھے۔ اُنکے حملونکو لوگ اتفاقی اور وبائی بیماریون سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ ان حملون مین انسان قتل وغارت کئے جاتے تھے۔ اون سے تجارت کو نقصان پہونچا کرتا تھا اور کھیتی برباد ہوجاتی تھی جہان کہین یہہ جاتے تھے وہان کا تمدن بجاے ترقی پانے کے برباد ہوجاتا تھا۔ لیکن جب اُنھون نے اوس عجیب وغریب مذہب اسلام کو اپنا شعار بنایا تو اوسکی حالت بالکل متغیر ہوگئی مسلمان مغل بادشاہون نے شایستگی پھیلانے مین کمال کیا ہے۔ ہندوستان کے مغل فاتح صرف سپاہی ہی نہ تھے۔ وہ عالم بھی تھے۔ وہ قلم کو بھی اوسی خوبی سے استعمال کرسکتے تھے جیسے تلوار کو۔ ہندوستان اور اوسکے باشندے کبھی اونکا پوری طور سے شکریہ ادا نہین کرسکتے

مغلون نے اس ملک کو مالدار بنایا اور باشندون مین شایستگی پھیلائی۔ ان مغل بادشاہون مین سے بعض زبردست عالم گذرے ہین۔ اورنگ زیب اپنے وقت کا بڑا عالم تھا اور دارا شکوہ اوسکا بدنصیب بھائی اگر لوگ یقین کرین تو اوس سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ بڑے بڑے شاہان مغلیہ اپنے کارنامے چھوڑ گئے ہین جس سے نہ صرف اونکے ملکون کے فتح کرنیکا پتہ ملتا ہے بلکہ اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے زبردست عالم تھے اور اُنکو کہان تک ملک کے شایستہ بنانے مین کامیابی ہوئی ہے۔

ہندوستان کا پہلا مغل بادشاہ بابر ہوا ہے۔ اوس نے اپنے حالات خود لکھے ہین جو تزک بابری کے نام سے مشہور ہین۔ اوسکی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان اوس وقت بادی تہذیب کے ادنے درجہ پر تھا۔ ہندوستان کی غربت اور اوس کا افسوس حسب ذیل

تحریر بہت مشرح طور سے ظاہر کرتی ہے۔

اُس ملک مین نفیس گھوڑے نہین ہین عمدہ گوشت ۔ اچھے انگور ۔ ذائقہ دار تربوز ۔ خربوزے نہین ہین ۔ اور نہ کوئی دوسرا خوش ذائقہ پھل ہے ۔ عمدہ قسم کے چاول ہین نہ ٹھنڈا پانی ۔ حمام ہین نہ مدرسے ۔ لوگونکے گھرون اور باغون مین بہتا ہوا پانی نہین ہے اونکے مکانات مین بھی صفائی نہین ہے ۔ نہ وہ خوبصورتی سے بنتے ہین اور نہ اونمین روشنی اور ہوا آنیکا کافی خیال رکھا گیا ہے ۔ ہندوستانی لوگ ننگے پیرون چلتے ہین ۔ آدھے جسم کو ڈھانکتے ہین اور اکثر صرف کمر کے حصہ کو ایک لنگوٹی سے باندہ لیتے ہین ۔ عورتین بھی لنگوٹی استعمال کرتی ہین جس کا آدھا حصہ اونکی کمر پر ہوتا ہے اور آدھا اونکے سر پر

مولانا شبلی نے اپنے نہایت ہی قابلیت کے مضمون مین جسے اُنھون خافی خان اور ابوالفضل کی تحریرات سے اخذ کیا ہے اور جو جولائی کے الندوہ مین چھپ چکا ہے بہت ہی مشرح طور پر ظاہر کیا ہے کہ ہندوستان مین زراعت کو مسلمانون نے بیحد ترقی دی ۔ اس کا ثبوت ایک دوسرے مغل بادشاہ جہانگیر کی تحریر سے بھی ملتا ہے ۔ مسلمانون ہی نے درختون کے قلم لگانیکا رواج ہندوستان مین کیا جس کی وجہ سے مختلف اقسام کے آم پیدا ہوتے ہین جو لطیف نازک اور خوش ذائقہ ہونے مین تمام دنیا کے پھلون پر فوقیت رکھتے ہین ۔

مسلمانون نے کشمیر کو فتح کرکے ایک بہشت کا نمونہ بنا دیا ۔ اوسمین اونھون نے فارس اور یورپ سے پھول منگا کر نہایت نفاست سے باغ بنائے مختلف اقسام کے میوہ جات کے پھل کابل اور فارس سے منگا کر لگائے گئے ۔ اور جہانگیر نے لکھا ہے کہ سیب فرنگ سے منگا کر لگایا گیا ہے ۔ کپڑون مین یہ تبدیلی ہوئی کہ بجاے لنگوٹی کے عمدہ قسم کے ریشمی کپڑے پہنے جانے لگے ۔

ابوالفضل نے اپنی مشہور و معروف کتاب مین جو ہندوستان کیلئے ایک عجیب

کتاب ہے دو درجنون سے زیادہ ریشمی کپڑون کی فہرست دی ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ ان کپڑون کے کارخانہ کھولے گئے اور اوسکے ماہر فارس یورپ اور چین سے بلاکراس فن کی تکمیل کیواسطے مقرر کئے گئے ۔

مسلمانون نے مویشیونکی نسل بڑہانیکا علم بھی رواج دیا ہے ۔ اونٹ اس ملک مین پیدا ہونے لگے اور گھوڑونکی نسل مین بھی بہت ترقی ہوئی ۔ جہانگیر لکھتا ہے کہ اکبر کی مبارک سلطنت کے پہلے لوگ صرف ایک قسم کا گھوڑا استعمال کرتے تھے جسے کونٹ کہتے ہین ۔ یہ بہت چھوٹے قسم کا جانور ہوتا ہے جو پہاڑی مقامات پر پایا جاتا ہے ۔ اکبر کے زمانہ مین عرب اور ترکی گھوڑے نسل بڑہانے کی غرض سے منگائے گئے ۔

ہمارے مرحوم واجد علی شاہ کی طرح جہانگیر کو بھی چڑیون اور جانورونکا بیحد شوق تھا اُسنے اپنے عجائب خانہ مین مختلف اور طرح طرح کے جانور اور چڑیان جمع کی تھین ۔ عمارت کے لحاظ سے تاج محل اور دوسری مشہور عمارتین مغلونکے فن تعمیر کو ظاہر کرتی ہین ۔ امور سلطنت کے لحاظ سے اکبر کا جاری کیا ہوا طریقہ وصول مالگذاری ابتک ہندوستان مین رائج ہے ۔ اور اُسے انگریزون نے بھی اس ملک کیلئے نہایت ضروری سمجھا ہے اور کوئی دوسرا طریقہ نکالنا مناسب نہین خیال کیا ۔

مغلون نے زندگی کے ہر شعبہ مین خاطر خواہ ترقی کی اور اُنکے زمانے مین ہندوستان مہذب ملکون مین شمار کیا جاتا تھا ۔ اور ملک مین مادی ترقی پھیلانا بھی انھین کا کام تھا کیونکہ ہندوؤن نے اس طرف مطلق توجہ نہ کی تھی بلکہ روحانی ترقی کی شاہراہ پر قدم رکھا تھا جسمین سچ تو یہ ہے کہ کوئی قوم ابتک اونکے برابر دوڑ نہ سکی ۔ لیکن اب تو مادی ترقی مین بھی ہندو آگے آگے جا رہے ہین ۔

(از ترجمہ) مضمون مسٹر مسیر حسین قدوائی
مطبوعہ مسلم ریویو بابتہ ماہ جنوری ۱۹۱۰ء

عبد الرحمن ادہمی ۔ بی اے

غزلیات

در نگارین خانۂ وصف جمیلت - از ازل نقش دیواریم ما تصویر حیرانیم ما

چشم تر آتش بجان - اندر شبستانِ وجود شمع گردیدیم و سوزانیم د گریانیم ما

مدتِ ہر دم - فنا جوید ز ما مثل حباب در ہوائے ہستی عمرِ فراوانیم ما

زلف تعبیرش بروے مرگ بکشاید بلا چشم ہستی را عجب خواب پریشانیم ما

کے بود یا رب کہ از دنیا سوِ عقبیٰ شویم در رہ عصیان ہنوز افتان و خیزانیم ما

قطرۂ ہستیم - لیکن بر امید مغفرت این قدر جوشیم کز دریا فراوانیم ما

داورا مالک رقابا خسروا پوزش پذیر

نیز چون فردوس از خیلِ غلامانیم ما

ولایت علی درویش حیدری

کسی سے لبکہ امید کشود کار نہین مجھے اجل کے بھی آنے کا اعتبار نہین

سنبھالے کون کسے - کون لے کسی کی خبر تمام بزم مین کوئی بھی ہوشیار نہین

جواب نامہ کا قاصد مزار پر لایا + کہ جانتا تھا اسے تاب انتظار نہین

یہہ کہ کے اوٹھ گئی بالین سے میری شمع سحر تمام ہو گئی شب اور تجھے قرار نہین

چلی جو خاک شہیدان پہ اوس گلی کی ہوا چراغ لے کے بھی ڈھونڈا تو پھر مزار نہین

خزان کے آنے سے پہلے ہی تھا مجھے معلوم کہ رنگ و بوے چمن کا کچھ اعتبار نہین

کسی کے خون کا پیاسا ضرور ہے صیاد کمان مین تیر ہے فتراک مین شکار نہین

کسی کے جلوہ کو اس مشت خس سے کیا نسبت وہ صاعقہ نہین شعلہ نہین شرار نہین

قریب تر رگِ گردن سے پھر بھی اتنا دور نظر کے سامنے وہ پھر بھی آشکار نہین

جو تو ہو پاس تو حور و قصور سب کچھ ہو

جو تو نہین تو نہین بلکہ زینہار نہین

علی حیدر بابا

لیڈیز کانفرنس

بیداری اور قومی نفع ونقصان کی حس کو یوماً فیوماً روبہ ترقی دیکھکر جسقدر مسرت ہو کم ہے۔ شکر ہے کہ میری تحریک لیڈیز کانفرنس کے متعلق ملک کی اکثر خواتین نے اپریل اور مئی کے پرچہائے الناظرمین اپنے خیالات ظاہر فرمائے ہین۔ مخالف آرا رمین یون تو دوازکار قیل وقال سے کام لیا ہی گیا ہے مگر سب سے زیادہ زور اسبات پر دیا گیا ہے کہ پردہ دری لازمی نتیجہ انعقاد کانفرنس کا ہوگا۔ ہر گوشۂ ہندوستان سے خواتین کی نقل وحرکت اور اجتماع فی محل واحد مین ضرور بےپردہ دری ہوگی۔ چونکہ یہی اعتراض کسیقدر مغالطہ انگیز ہے اسلئے مین کچھ لکھنا چاہتا ہون۔

میری غرض مخالفت کی تردید نہین ہے اسلئے کہ تجربہ شاہد ہے تردید وتائید کی گرم بازاری ایک لاانتہا ہی سلسلۂ بیہودہ پیدا کردیتی ہے اور اصل معاملہ خبط ہوجاتا ہے جسوقت بہ غلبۂ آرا ارلایق خواتین اور حامیان ترقی تعلیم نسوان ہند کانفرنس کا وجود ضروری قرار دین سگے یا غیر ضروری اوسوقت فیصلہ ہو رہیگا۔ ہان تو وہ مغالطہ یہ ہے کہ خواتین مخدرات کی بےپردگی شرکت کانفرنس مین دوہی طریقون سے ہوسکتی ہے من جہتہ السفر یا من جہتہ الاجتماع۔ شق اول مین بےپردگی کا نوحہ بہت ہی مضحکہ خیز ہوگا اسلئے کہ ہمارا روزانہ مشاہدہ ہے کہ ہزارہا پردہ نشین خواتین ہندوستانکے ہر گوشہ سے سفر کے لئے نکلتی ہین اور نہ صرف بلحاظ ضرورت شدید بلکہ معمولی خاندانی رسوم مین شمول شرکت تقاریب خوشی وغمی اور تفریح وتفنن طبع کے لیے سفر ہوا کرتے ہین ظاہر ہے کہ ایسے سفر پردہ دلدر نہین ورنہ شریف مستورات اور اونکے محافظین کیون گوارا کرتے۔ جو خاتون جسقدر پردہ دار ہے اوسیقدر پردہ سے سفر کرتی ہے۔ دنیا کے کام رکے نہین رہتے اونکی انجام پذیری لابدی ہے ضرورت مین ایجاد پنہان ہے۔ جب ضرورت پیش آتی ہے تو پردہ کی ترکیبین سوجھتی ہین

اور اوسی نوعیت پر دہ داری سے وہ ضرورت انجام پا جاتی ہے پھر کانفرنس کی شرکت مین وہم بیحجابی سفر کیون ؟

شق ثانی بھی وہم کے قابل نہین ۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ مین نے اپنے مضمون ماسبق مین لکھا ہے کہ ہندوستان کے کیپٹل مقامات اور آبادبستیون مین کانفرنس کا انعقاد ہو ۔ ظاہر ہے کہ ایسے مقامات مین لیڈیز دلیگیٹس کے لئے مستور مکانات بہ کرایہ ملسکتے ہین اور منتظمین کانفرنس جنمین پردہ نشین عورتین ضرور ہی ہونگی پورے طور پر پردہ داری سے انتظام قیامگاہ کا کرینگی ۔ کانفرنس ہال مین بھی پورا بندوبست پردہ کا ہوگا ۔ غرض مسلمان بہنون کا آپسمین ملنا جلنا بے پردگی قرار دیا جاے تو خیر ورنہ خارجی کُل امور پورے پردہ کے ساتھ انجام پاسینگے ۔ پھر بھی اگر کسیکی یہہ راے ہو کہ کچھ نہ کچھ بے پردگی ضرور ہوگی تو یہ اپنا اپنا اعتقاد ہے ۔

مین نے اپنے مضمون مین وعدہ کیا تھا کہ مین اوامر و نواہی کانفرنس کے بھی وقتاً فوقتاً لکھونگا ۔ اون اوامر و نواہی مین مینے پردہ کی بحث کو بھی شامل کیا تھا اور مین کسی آیندہ مضمون مین ضرور لکھتا ہون کہ کانفرنس مین شریک ہونیوالی بیبیان پوری پردہ داری سے شریک ہونگی اور اپنے کو خوبی معاشرت نسوانی کا بہترین نمونہ ثابت کرینگی ۔ مین پردہ کا بہت زیادہ حامی ہون اور اسبارہ مین سخت کنسرویٹیو ہون مین ابھی ہندوستانیون کو اسقدر مہذب نہین سمجھتا کہ بے پردگی یا بے حجابی کی اجازت دیجاسکے ۔ میری تو غرض یہ ہے کہ عورتین عورتین رھکر تعلیم و تربیت مین ترقی کرین ۔ فائدہ حاصل کرین اور اپنی ہمجنسون کو فائدہ پہونچائین ہم عورتون سے مردانہ وار جرات کے طالب نہین اور نہ اوس ڈھنگ کی ترقی کو ہم عورتون کی حقیقی ترقی کہہ سکتے ہین ۔ ہر صنف انسانی کے خصوصیات امتیازیہ جداگانہ ہین اور اون خصوصیات کو سمیٹے بغیر اوس صنف کی ترقی نہین کی جاسکتی ۔ آج اگر تمام خواتین ہند بیحجاب ہوکر یورپین زندگی کے اصول پر کام کرنا

چاہیئین تو اسقدر جدوجہد کی ضرورت ہی نہو۔ یہہ جدوجہد تو محض اسی وجہ سے ہے کہ پردہ ہاتھہ سے نہ جاے اور پردہ ہی پردہ مین عورتین زیور تعلیم وتہذیب معاشرتی سے آراستہ ہوکر ثابت کردین کہ انسان اگر کوئی کام کرنا چاہے تو کیسی ہی کچھہ بادی النظر مین رکاوٹین کیون نہون بہت ہی حسن وخوبی سے انجام دلیسکتا ہے۔

مخالفین کانفرنس اسبات کو خوب ذہن نشین کرلین کہ ہندوستان یورپ نہین ہے جہان کی عورتین اپنی قومی ترقی مین کانفرنس کی محتاج نہین ہین۔ وہان آزادی وبیحجابی کے بدولت میل جول مفت ہے اور ہر ایک خاتون ہر چیز کو بچشم خود دیکھکر سبق حاصل کرسکتی ہے۔ ہندوستان مین بہت شدید ضرورت ہے کہ بی بیان آپسمین ملین اور اپنے افادات کا انکشاف جاہل بہنون پر کرین۔ اور اس اہم کام کے اختیار کرنے مین بے پردگی کے اوہام مفروضہ سے سبک خیال ہوجائین مجھے امید ہے کہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء تک ہندوستان کی سربرآوردہ خواتین ضرور اپنی اپنی رائین ظاہر کرینگی تاکہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے زمانہ انعقاد کی قربت پر بہ غلبہ آراء خواتین یہ مسئلہ طے ہوکر سکرٹری کانفرنس شعبہ تعلیم نسوان کے پاس بہیجا جاے اور باقاعدہ شکل اختیار کرے مجھے زہرا فیضی صاحبہ کی اس راے سے اتفاق ہے کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھہ ہی یہہ کانفرنس بہی ہو تاکہ مرد اور عورتین ایک ساتھہ اپنی اپنی کانفرنس مین شریک ہوسکین اور سفر کی مشکلات مین بہی مردون کی ہمسفری سے سہولت پیدا ہوجاے۔

خاتون روشن خیال بیگم فیضی نے اپنے مضمون مندرجہ الناظر بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۰ء مین یہ بہی لکھا ہے کہ مردون کو بہی چاہیئے کہ محض باتین نہ بنائین بلکہ عورتون کے اس معاملہ مین خصوصاً اور تعلیم وتربیت کے حوصلون مین عموماً فراخدلی کے ساتھہ مدد کرین۔ ہمکو اتفاق ہے کہ بیشک ایسا ہی ہونا چاہے اور ابہی ہندوستان کی عورتین اتنی تعلیم یافتہ نہین ہوگئی ہین کہ اونکو مردون کی دستگیری کی ضرورت نہو۔ مگر ہم یہہ ضرور کہین گے کہ متفق ہوکر اپنے حقوق کا ظاہر کرنا اور مردون سے اپیل کرنا بہی عورتون کا فریضہ ہے۔ وہ جدوجہد کرکے اپنے شوق تعلیم کو ظاہر کرین آخر مردون کے دل کبتک نہ پسیجینگے اور کبتک وہ اپنی اور اپنی آیندہ نسلون کی کوتہ علمی کے درپے رہینگے۔

امین الحسن رضوی - سنبل

(۲)

لیڈیز کانفرنس

فلک نے سانہ بدلا۔ سازنے نغمون کی گت بدلی

گتون نے رنگ بدلا۔ رنگ نے یارونکی مت بدلی

زمانہ کبھی کسی کو ایک چال پر نہین رہنے دیتا۔ نت نئے رنگ بدلتا ہی رہتا ہے۔ بس کسی سے تلون کی طرح۔ کل کچھ تھا آج کچھ ہے کل کچھ ہوگا۔ جو لوگ زمانہ کا ساتھ دیتے ہین زمانہ اونکا ساتھ دیتا ہے اور جو زمانہ کے خلاف ہین زمانہ اونکے خلاف ہے۔ اسی لیئے بڑے تجربہ کے بعد کہا گیا ہے۔ ؎

سدا ایک ہی رُخ نہین ناؤ بہتی

چلو تم اودہر کو ہوا ہو جدہر کی

اس اصول کا جس نے ساتھ دیا وہ دنیا مین کامیاب و بامراد رہا اور جس نے اس سے لاپروائی برتی زمانہ نے اوسکا نام ونشان تک صفحۂ ہستی پر باقی نہ رکھا۔

اپریل سنہ ۱۰ء کا الناظر پڑھکر مجھے ع اک خوشی ہے تو ایک ماتم ہے۔ خوشی و مسرت تو بنت نذر الباقر صاحبہ کے پاکیزہ و روشن خیالات پڑھکر ہوئی اور ماتم کا موقع حضرت ساغر لکھنوی کے تنگ و تاریک تخئیل کی بدولت ملا۔ افسوس ع برین عقل و دانش بباید گریست۔ خیال تھا کہ لیڈیز کانفرنس جیسی ضروری۔ اہم۔ اور مفید تجویز کو لبیک کہنے کے سوا اقطاع و جوانب ملک سے کوئی مخالف صدا بلند ہنوگی مگر ع خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم۔ ساغر صاحب کی نسبت اسوقت مین اس سے زیادہ کچھ نہین کہہ سکتا کہ اونہین ؎

نہ سمجھ نظم ونسق کی نہ خبر دنیا کی

نہین واقف کہ ہے رفتار کدہر دنیا کی

در پردہ گفتگو مین اوسقدر لطف کہان جو بے پردہ گفتگو مین ہے۔ ساغر صاحب اسدرجہ

پردہ کے مؤید معلوم ہوتے ہین کہ اونھون نے اپنا اسم گرامی بھی پردہ ہی مین رکھا ہے لہذا کسی پردہ نشین سے بے محابا گفتگو نا مناسب معلوم ہوتی جسوقت وہ دیکھنے والون کے سامنے آئینگے اسوقت انشاءاللہ کھل کر گفتگو کی جائیگی۔

اس پردہ نے تمہارا نام اور بھی نکالا
یہ بھی کوئی حیا ہے جو نام ہو حیا کا

بات یہ ہے کہ لیڈیز کانفرنس کے انعقاد کی آواز زمانہ کی آواز ہے اور زمانہ کی آواز کو کوئی روک نہین سکتا۔ اگر ایک جگہ سے بند کی جائیگی تو دوسری جگہ زیادہ زور شور کے ساتھ سنی جائیگی اور دوسری جگہ روکنے کی کوشش ہوگی تو تیسرے مقام سے وہی آواز زیادہ بلند لب ولہجہ سے سنائی دیگی وقس علی ذالک۔ زمانہ کی رفتار ترقی کسی سورما کے روکے نہین رک سکتی اور جس بات کا زمانہ معلم ہو وہ ایک روز پوری ہو کر رہیگی۔ سچ یہ ہے کہ لیڈیز کانفرنس کی ضرورت نے اب اسقدر جڑ پکڑ لی ہے کہ باد مخالف اسکو بالکلیہ اوکھاڑ کر نہین پھینک سکتی میری ناچیز راے مین بنت نذر الباقر صاحبہ کی راے نہایت سہل الحصول اور مناسب معلوم ہوتی ہے کہ زمانہ صنعت وحرفت کی نمائش کے موقع پر لیڈیز کانفرنس بھی ہوا کرے اور ہماری خواتین کو تبادلۂ خیالات کا سالانہ موقع دیکر قوم کی بگڑی ہوئی حالت کو سنوارنے کی بیش از بیش کوشش کی جاے۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

میرے خیال مین اس کام کی مستحکم بنیاد ڈالنے کے لیے شیخ عبداللہ صاحب بی۔اے۔ سکریٹری تعلیم نسوان سیکشن وایڈیٹر خاتون سے زیادہ قابل" زیادہ پرجوش" اور سچی دلسوزی وہمدردی سے کام کرنیوالا کوئی نہین مل سکتا لہذا مین اپنے مکرم دوست اور فنا فی النسوان شیخ صاحب موصوف سے باادب التماس کرتا ہون کہ جس طرح آپنے "خاتون" کو اوس زمانہ مین نکالا جبکہ چارون طرف سے یہ آواز آرہی تھی کہ "این ہم بچہ شتر است" اور مدرسۃ النسوان کی اوسوقت بنیاد ڈالی جبکہ ہرجانب اسکے خلاف شور وغل مچ رہا تھا اور آخرش کامیابی حاصل کی

آج کون ہے جو خاتون سے استفادہ نہین اوٹھاتا اور اوسکے احسان سے انکار کرسکتا ہی
آج کون ہے جو مدرسۃ النسوان کے فیوض و برکات سے منحرف ہونیکی جرات کرسکتا ہے بیطرح
آپ خدا پر نظر رکھکر آئندہ زنانہ نمائش کے موقع پر لیڈیز کانفرنس کی بنیاد ڈال دیجئے اور کوتاہ
نظر و بدبین اشخاص کی مخالفت بے جا کی مطلق پروا نہ کیجئے ع پھر دیکھئے بہار کیسی بہار ہو؟
فی الحقیقت آپ اوسوقت تک اپنے مشن مین نمایان کامیابی نہین حاصل کرسکتے
جب تک کہ لیڈیز کانفرنس نہ قائم کی جائے - اسکے چلانے کی ذمہ دار جب بنت نذر الباقر
صاحبہ اور بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ جیسی بیدار مغز اور بارسوخ خاتونین موجود ہون
تو آپکو یا قوم کو مایوسی کی کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی - انکی سرپرستی سے کامل یقین ہے
کہ لیڈیز کانفرنس اپنا بار آپ اوٹھانے کے قابل ہوگی اور آپ سے مالی مدد کی توقع نہ رکھیگی
اور بالفرض اگر ضرورت امداد پیش بھی آجائے تو ابتدائی حالت مین مین سمجھتا ہون کہ آپکو
بھی اعانت و دستگیری سے دریغ نہ ہوگا اور نہ ہونا چاہیئے -
آپ لوگون کی مخالفت اور زبان درازی کی کچھ پروا نہ کیجئے ع ہوتی آئی ہے کہ
اچھون کو برا کہتے ہین - جس تندہی اور سرگرمی اور جیسی جانفشانی و جانکاہی سے آپ ترقی
و تعلیم النسوان کا کام کررہے ہین اوسکو دیکھتے ہوئے مجھے ضرورت نہین معلوم ہوتی کہ اسبارہ
خاص مین آپ سے کچھ اور زیادہ عرض کرون - ہان وہ لوگ جو بے سوچے سمجھے صرف اپنی بات
بالا کرنیکے لیے لیڈیز کانفرنس جیسی نفع رسان مخلوق تجویز کے خلاف اظہار رائے کرنے
لگتے ہین اونکی خدمت مین مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے ؎

عورتون مین نہ اگر علم کو پھیلائینگے
لوگ پچھتائینگے پچھتائینگے پچھتائینگے

راقم خاکپائے نسوان
سید دلگیر اکبرآبادی

ام عمارہؓ

سنہ ۱۹۰۶ء مین سیرۃ ابن ہشام کا مطالعہ کرتے وقت جنگ احد کے بیان مین انکا ذکر دیکھنے مین آیا۔ اوسیوقت سے مین انکے حالات کی جستجو مین پڑ گیا۔ لیکن اکثر تاریخون مین عورتون کے حالات نہایت مختصر لکھے گئے ہین۔ سیرۃ النبویہ اور سیرۃ محمدیہ مین وہی ابن ہشام والی روایت دہرائی گئی ہے۔ سیرۃ الحلبیہ مین بھی صرف وہی واقعہ ہے لیکن کسیقدر تفصیل کے ساتھ۔

اصابہ۔ اسد الغابہ اور استیعاب مین انکے حالات اسقدر کم ملے کہ اس تشنہم سے میری پیاس نہ بجھ سکی۔ تاریخ طبری۔ تاریخ الخمیس اور بعض دوسری مستند تاریخون مین بھی انکا نام آتا ہے لیکن مورخ انکے کارنامونکی طرف سرسری اشارہ کرتے ہوے گذرجاتا ہے۔

انکے جنگ یمامہ کے کارنامہ کا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے لیکن تفصیل کسی نے نہین لکھی البتہ فتوحات اسلامیہ کے مصنف نے اپنے معمول کے خلاف اس واقعہ کا کسی قدر بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ریاض المستطابہ مین بھی کچھ حالات ملے لیکن نہ ملنے کے برابر۔ ابن سعد نے طبقات کی آٹھوین جلد مین انکا تذکرہ کیا ہے اور اگرچہ فی الجملہ دوسرے مورخون سے زیادہ لکھا ہے لیکن پھر بھی ناکافی ہے۔ تاریخ وفات تک کا پتہ نہین۔

تہذیب التہذیب کا خلاصہ تو صرف نامونکی فہرست ہے۔ اب اصل کتاب چھپ رہی ہے اسکی گیارہ جلدین چھپکر آ بھی چکی ہین مگر افسوس کہ انکا تذکرہ بارھوین جلد مین ہے اور وہ ابھی تک نہین آئی۔

زینب فواد کی کتاب دار المنثور مصر مین چھپی ہے۔ اسکے لیئے دو خط بھیجے کہ شاید اسنے کچھ مفصل لکھا ہوگا۔ ہرچند وہان تلاش کی گئی لیکن بدقسمتی سے نہین ملی۔ ان سب کوششونکے بعد مجبور ہوکر جو حالات ملسکے ہین بالفعل اُنھین کو پیش کرتا ہون۔

ابھی تک مین نے ہمت نہین ہاری ہے جستجو کا سلسلہ انشاءاللہ جاری رکھونگا یہانتک کہ اس

شیر دل بہادر صحابیہ کی جو آنحضرت کے لئے سینہ سپر ہو کر لڑی ہے مکمل سوانح عمری لکھنے کے قابل ہو جاؤن۔ ؎ مرا عہدیست با جانان کہ تا جان در بدن دارم ؛ ہوا داران کویش را چو جان خویشتن دارم

ام عمارہ کا نام نسیبہ ہے لیکن یہہ اپنی اسی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہین۔ باپ کا نام کعب تھا۔ وہ قبیلہ بنی نجار مین سے تھے۔ انکی والدہ رباب بنت عبد اللہ قبیلہ خزرج مین سے تھین۔ ولادت ہجرت سے تخمیناً چالیس سال پہلے مدینہ مین ہوئی۔ انکا نکاح انہین کے چچا زاد بھائی زید بن عاصم کے ساتھ ہوا۔ انسے دو بیٹے پیدا ہوے عبد اللہ۔ اور حبیب۔ زید بن عاصم کے انتقال کے بعد انکا دوسرا نکاح انھین کے قبیلہ کے ایک شخص غزیّہ بن عمرو سے ہوا۔ انسے ایک بیٹا تمیم اور ایک بیٹی خولہ پیدا ہوئی۔

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی اور آپ نے لوگونکو اسلام کی طرف بلانا شروع کیا تو مکہ کے اکثر لوگ دشمن ہو گئے۔ انھون نے اسلام کی سخت مخالفت کی۔ جو لوگ مسلمان ہوتے تھے انکو تکلیفین پہونچاتے تھے۔ انکی ایذا رسانی کی وجہ سے کوئی مسلمان مکہ مین مشکل سے ٹھہر سکتا تھا۔ چنانچہ آپ سبکو حبشہ کی طرف بہیجدیا کرتے تھے کیونکہ وہانکا بادشاہ مسلمانونکا بڑا حامی تھا اور اُنکو آرام دیتا تھا۔ جب آپ نے سالہا سال کوشش کرکے دیکھ لیا کہ اللہ تعالے نے انکے دلونپر مہر لگا دی ہے اور انکی عداوت اور دشمنی برابر بڑھتی چلی جاتی ہے تو انکا پیچھا چھوڑ دیا۔ اور بڑے بڑے بازارون اور مجمعون مین جہان عرب کے تمام قبایل جمع ہوتے تھے لوگون کے سامنے اسلام کو پیش کرنے لگے۔ یہہ خواہش بھی تھی کہ اگر کوئی دوسرا قبیلہ اسلام کی حمایت کیلئے آمادہ ہو جائے تو آپ ان لوگون کو چھوڑ کر انھین مین جا ملین۔

اتفاق سے ایک سال مدینہ کے چھ آدمی آپکا وعظ سنکر مسلمان ہو گئے۔ دوسرے سال کچھ اور بڑھے۔ اب حضور نے ایک صحابی کو جنکا نام مصعب بن عمیر تھا ان مسلمانونکے ساتھ مدینہ کو روانہ کر دیا کہ وہان قرآن کی تعلیم دین۔ حضرت مصعب اور اون بارہ مسلمانونکی کوششون سے مدینہ کے بڑے بڑے سردار اسلام لاے اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ انھین اسلام لانیوالو

مین حضرت ام عمارہ اور انکا گھرانا تھا۔

تیسرے سال مدینہ سے ۷۵ مسلمان مکہ پہونچے۔ مشرکون کے خوف سے حج کے دو تین دن کے بعد رات کو چھپکے پہر ایک پہاڑ کی گھاٹی مین یہہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ وہان حضور کے ہاتھ پر ان سب لوگون نے بیعت کی اور یہہ عہد و پیمان ہوا کہ "حضور مدینہ تشریف لیچلین ہم جان مال اور اولاد سب کچھ اللہ کے دین کی مدد مین قربان کرین گے" اسی بیعت کو بیعت عقبہ کہتے ہین۔ جو لوگ اسمین شریک تھے اُنکا درجہ تمام انصار مین بلند ہے اس بیعت مین دو عورتین بھی تھین ایک تو یہی ام عمارہ دوسری ام منیع رض

اس عہد و پیمان کے مطابق آنحضرت مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے۔ کفار مکہ نے یہان بھی چین نہ لینے دیا کئی بار چڑھائی کرکے آئے اور لڑائیان کین۔ یہان تک کہ بدر کی لڑائی ہوئی جسمین مکہ کے کافرون کے اکثر بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اسلام کو کفر پر نمایان فتح عطا فرمائی۔ کفار نے اپنے سردارون کا بدلہ لینے کی غرض سے بڑی سخت تیاری کی۔ اپنے آس پاس کے تمام قبیلون کو جمع کیا۔ سب کو ہتھیار اور سواری دی اور تین ہزار سے کچھ زیادہ جنگی آدمی جمع کرکے بڑے جوش و خروش کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہہ خبر سنکر مسلمانونکو جمع کیا۔ تقریباً ایک ہزار آدمی تھے۔ انکو لیکر جب لڑائی کیلئے نکلے تو انمین سے بھی تین سو منافق راستہ سے واپس چلے آئے۔ اب صرف سات سو مسلمان رہگئے منافقونکے بھاگ آنے سے اُنکا حوصلہ بھی پست ہوگیا تھا۔ مگر آنحضرت نے انکو ہمت دلائی اور اللہ پر بہروسہ کرکے مقابلہ کیلئے بڑھے۔

مدینہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جسکا نام احد ہے اسکے دامن مین شنبہ کے دن ۱۱ شوال سنہ ۳ھ کو مقابلہ ہوا۔ مسلمان اچھے موقع پر ہو نکلے تھے۔ ایک محفوظ درہ تھا۔ کفار کے سات آٹھ سو سوار تھے۔ خالد بن ولید رض جو اسوقت تک اسلام نہین لائے تھے اِن سوارونکے سردار تھے سوائے اِس درہ کے اُنکے آنے کا اور کوئی راستہ نہ تھا آنحضرت نے

اس درہ پر ساٹھ ستر مسلمانونکو مقرر کردیا کہ اسطرف سے جب سوار حملہ کرین تو تم لوگ روکنا
اُنکو آگے نہ بڑھنے دینا۔ اور جبتک ہم حکم نہ دین اُسوقت تک ہرگز اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ یہ لوگ لوہے
کی دیوار کی طرح وہین جمگئے۔ جب کفار ادھر سے آنے لگے تو ان تھوڑے سے مسلمانون نے
اُنکو نیزونپر رکھ لیا۔ مجبور ہوکر رک گئے اور میدان مین نہ آسکے۔ اِدھر گھمسان کی لڑائی شروع
ہوئی۔ قریب تھا کہ مشرکونکو شکست ہوجائے کہ اتنے مین اسلامی فوج کا علم بردار شہید ہوگیا۔
بعض کافرون نے سمجھا کہ یہی رسول اللہ تھے۔ اُنھون نے خوشی کا نعرہ لگایا کہ ہمنے نبی کو قتل کردیا
مسلمانون نے جب یہ آواز سنی تو اکثر بدحواس ہوگئے۔ اُنکو کسی چیز کی خبر نہین رہی۔ کوئی جہان تھا
وہین مایوس ہوکر بیٹھ گیا۔ کوئی گر پڑا۔ کوئی بیہوش ہوگیا۔ کسیکی آنکھین کھلی کی کھلی رہگئین
اور ہاتھ سے ڈھال تلوار گر پڑی۔ مشرک خوشی کے جوش مین ٹوٹ پڑے۔ درہ پر جو مسلمان
تھے وہ بھی سراسیمہ ہوکر دوڑے کہ یہ کیا ماجرا گذرا۔ ان لوگونکا وہان سے ہٹنا تھا کہ خالد رض
نے اپنے سوارونکو لیکر حملہ کیا۔ اور قیامت پر قیامت برپا کردی۔ سرور کائنات کے عم محترم
امیر حمزہ رض اور بہت سے مسلمان شہید ہوگئے۔

اس سخت وقت مین حضور کے اردگرد صرف چند مسلمان جنکی تعداد دس سے زیادہ نہ ہوگی
حفاظت کیلئے رہگئے انھین مین ام عمارہ رض انکے دونون بیٹے عبداللہ اور حبیب اور
انکے شوہر غزیہ بن عمر تھے۔ خود حضرت ام عمارہ رض کی زبانی مورخون نے اس واقعہ کی
کیفیت لکھی ہے ہم اسکا ترجمہ کرتے ہین۔

"ام عمارہ نے کہا کہ مین اپنے کندھے پر مشک لئے ہوے پیاسون کو پانی پلارہی تھی۔ لیکایک
مسلمانون نے شکست کھائی۔ اور انکے قدم اُکھڑگئے۔ کفار نے چارون طرف سے سخت نرغہ کیا۔ مین نے
اسوقت مشک پھینکی۔ اور ایک تلوار اُٹھاکر آنحضرت کی حفاظت کیلئے کھڑی ہوگئی۔ میرے پاس ڈھال
نہ تھی کسی پلٹ کر جانے والیکی طرف حضرت نے اشارہ کیا وہ اپنی ڈھال پھینکتا گیا۔ مین دشمنون کے
تیرون اور تلوارون کو اسی ڈھال پر روکنے لگی۔ مصیبت یہ تھی کہ ہم پیدل تھے اور غنیم سواریون پر

اگر وہ ہماری طرح پیدل ہوتے تو ہم آسانی سے اُنسے بھگت لیتے۔ سوار اپنی پوری قوت سے ہمارے اوپر حملہ کرتے تھے۔ اُنکا روکنا بہت دشوار ہوتا تھا۔ مین نے تو یہ ترکیب نکالی کہ جب کوئی سوار وار کرتا تو اُسکو روک لیتی اور جون ہی وہ آگے بڑھتا پیچھے سے ایک ایسا وار کرتی کہ اُسکے گھوڑے کا پاؤن کٹ جاتا اور وہ مع سوار کے وہین گر پڑتا۔ یہ دیکھکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے بیٹے عبداللہ کو زور سے آواز دیتے کہ اپنی ماں کی مدد کر۔ وہ فوراً آجاتا اور مین اور وہ دونون ملکر اس سوار کا خاتمہ کر دیتے"

حضرت ام عمارہ کے بیٹے عبداللہ کی زبانی روایت ہے وہ بیان کرتے ہین کہ

"مین اور میری ماں دونون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے۔ مین دوسری طرف مشغول تھا کہ ایک مشرک نے پیچھے سے آکر میرے بازو پر ایک تلوار ماری۔ زخم بہت کاری پڑا۔ مین نے مڑکر اسپر حملہ کیا لیکن وہ سیدھا نکل گیا۔ مین لڑ رہا تھا مگر میرا خون بند نہین ہوتا تھا۔ حضور نے ام عمارہ کو حکم دیا کہ اسکے زخم پر پٹی باندھو۔ وہ اپنے ساتھ اسی غرض کیلئے بہت سی پٹیان لائین تھین فوراً ایک پٹی نکالکر زخم کو خوب مضبوط باندھ دیا۔ اور بولین کہ بیٹا اٹھو اور لڑو۔ مین خون کے نکلنے سے بہت کمزور ہو گیا تھا اُٹھنے کی طاقت نہین تھی آنحضرت نے فرمایا کہ اے ام عمارہ ہر شخص مین وہ طاقت کہان ہوتی ہے جو تجھ مین ہے۔ اتنے مین وہ شخص جسنے مجھے زخمی کیا تھا پھر پلٹ کر اسی طرف آیا۔ آنحضرت نے اُسکو دیکھکر فرمایا کہ اے ام عمارہ دیکھ وہی شخص آرہا ہے جسنے عبداللہ کو زخمی کیا ہے۔ ام عمارہ نے لپککر اُسپر تلوار کا وار کیا۔ اُسکی ایک پنڈلی صاف کٹ گئی اور وہ اوسی جگہ دہم سے گر پڑا۔ پھر اُنھون نے آگے بڑھکر اُسکا سر کاٹ لیا۔ حضور مسکرائے اور فرمایا کہ ام عمارۃ اللہ تعالے نے بڑا اچھا بدلہ تجھکو عطا کیا"

کئی گھنٹہ تک یہی حالت رہی۔ حضرت ام عمارہ کے زخمون کا کچھ شمار نہ تھا لیکن انکے جسم مین فولاد کے تار ونکی رگین تھین۔ ذرا بھی تو ان زخمونکی پروا نہین کرتی تھین۔ اور برابر چستی اور چالاکی کے ساتھ

حضور کی حفاظت مین مشغول تھین۔ اسی درمیان مین کسی کافر نے ایک پتھر پھینک مارا جس سے
سرور کائنات کا بھی نیچے کا لب زخمی ہوگیا۔ اور نیچے کے سامنے کے دو دانتون مین سے
داہنا دانت شہید ہوگیا۔ پہر ایک مشہور کافر نے جس کا نام ابن قمئہ تھا اور جو بہت بہادر
اور مشہور سوار تھا آپ پر تلوار کا وار کیا۔ جس سے خود کے دو حلقے رخسار مبارک مین دہنس
گئے۔ حضرت ابی عبیدہ بن الجراح رضؓ نے ان حلقونکو نکالا۔ رخسار مبارک سے خون کے قطرے
ٹپکنے لگے۔ یہ دیکھکر حضرت ام عمارہ نے نشتر کی طرح اچھلکر ابن قمئہ پر حملہ کیا۔ اسنے انکے
مونڈھے پر بھی ایک تلوار ماری جس سے بڑا گہرا زخم آیا۔ باوجود اس زخم لگنے کے بھی حضرت
ام عمارہ نے پیاپے اسپر تلوار کے کئی وار کئے لیکن وہ دشمن خدا دو زرہ مین پھنسے ہوے
تھا۔ ابن قمئہ تو بھاگ گیا۔ لیکن حضرت ام عمارہ کے بڑا کاری زخم لگا تھا۔ خون مین
لت پت ہوگئین۔ حضور نے اپنے سامنے کھڑے ہوکر انکے زخم پر پٹی بندہوائی۔ اور فرمایا
کہ واللہ ام عمارہ کا آج کا کارنامہ فلان فلان زچند بہادر صحابہ کے نام لیکر) کے کارنامو نسے
بہت بڑھکر ہے۔ ام عمارہ نے کہا کہ یارسول اللہ میرے لیئے دعا فرمائے کہ اللہ تعالے
آپکے ہمراہ مجکو جنت مین داخل کرے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ ام عمارہ نے کہا کہ اب اسکے
بعد دنیا مین جو مصیبت چاہے میرے سر پر گذر جائے مجھے ذرا بھی پروا نہین۔

میدان جنگ سے جن مسلمانون کے قدم اکھڑ گئے تھے انہین سے بعض بعض مدینہ
کے قریب تک پہونچ گئے۔ ایک صحابیہ جنکا نام ام ایمن رضؓ تھا مدینہ سے مشک لیکر احد کیطرف
آرہی تھین کہ مسلمانون کو پانی پلائین۔ دیکھا کہ لوگ بھاگے آرہے ہین۔ کیفیت پوچھی۔ انہون نے
واقعہ بیان کیا۔ حضرت ام ایمن نے زور سے چلاکر انکو ڈانٹا۔ اور مٹھی مین خاک بہر کر انکی طرف
پھینکی۔ اور کہا کہ رسول اللہ کو چھوڑکر تم لوگ کس منھ سے یہان چلے آئے۔ مرد بنے ہو۔
لو۔ یہ ہماری چوڑیان پہنو۔ اور گہر کا چولھا چکی سنبہالو۔ اور اپنی تلوارین ہمکو دیدو ہم جاکر
لڑین۔ انکے اس کہنے سے وہ غیرت مند مسلمان پلٹے۔ ادھر یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہین۔ اب انکی ٹوٹی ہوئی ہمت پھر بندہی اور میدان مین جم گئے ظہر کے وقت لڑائی ختم ہوگئی۔ حضرت ابوبکر۔ حضرت عمرؓ اور بڑے بڑے صحابہ کے ساتھ آپ پہاڑ پر گئے وہان نماز پڑھائی اور پہر مدینہ کیطرف روانہ ہوے۔

ایک دنیا وی بیوی کا حال سنئے۔ مدینہ مین جب آنحضرت کے شہید ہوجانیکی خبر اڑی۔ تو وہ رنج وغم سے بیتاب ہوکر نکل کہڑی ہوئین۔ دونون آنکھون سے آنسو جاری تھے اور گرتی پڑتی احد کی طرف چلی جارہی تھین۔ راستہ مین ایک شتر سوار ملا دوڑکر اس سے پوچھا کہ کیا خبر ہے؟۔ اوسنے کہا کہ خیریت ہے لیکن تمہارا باپ۔ بیٹا اور شوہر تینون شہید ہوگئے۔ انہون نے کہا اور رسول اللہؐ کہا کہ وہ ٹیلہ کے پاس دیکھو فوج کے ہمراہ تشریف لارہے ہین۔ خوشی سے اچھل پڑین اور کہا کہ جب رسول اللہ زندہ ہین تو ہمکو کسی کی کچھ پروا نہین ہے اللہ تعالی اپنے بندون سے جسکو چاہے شہادت عطا کرے۔

حضور کو ام عمارہ کا بڑا خیال تھا۔ آپنیکے ساتھ ہی عبداللہ بن کعب کو انکے دیکھنے کیلئے بھیجا۔ معلوم ہوا اب حالت اچھی ہے۔ زخم مہلک نہین ہے۔ تب آپکو اطمینان ہوا۔ پورے ایک سال تک علاج کرنیکے بعد یہ زخم اچھا ہوا۔

بالاتفاق تمام مورخ لکھتے ہین کہ واقعہ حدیبیہ۔ خیبر اور حنین کی لڑائیون مین بھی ام عمارہ آنحضرتؐ کے ہمراہ شریک ہوئین لیکن مجھکو اب تک کسی کتاب سے ان لڑائیون مین انکے کارنامہ کی تفصیل معلوم نہین ہوسکی ہے۔ جنگ یمامہ کا حال جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ لکھتا ہون۔ اہل یمامہ کا سردار مسیلمہ کذاب ایک نہایت زبردست اور بڑا جابر شخص تھا۔ پہلے تو مسلمان ہوا لیکن پھر دنیا کی لالچ مین مرتد ہوگیا۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد اُسنے بڑی سرکشی پر کمر باندھی۔ اسکا قبیلہ بہت بڑا تھا لڑنے والے تقریباً چالیس ہزار آدمی تھے اس نے اپنی اس قوت کے گھمنڈ مین آکر نبوت کا دعوی کردیا۔ اور سب سے اپنے آپ کو نبی کہلانا شروع کیا۔ جو نہ کہتا اوسکو طرح طرح کی سزائین دیتا۔

حضرت ام عمارہ کے بیٹے حبیبؓ عمان سے مدینہ شریف کو آرہے تھے۔ مسیلمہ نے راستہ سے انکو پکڑ والیا اور کہا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہین؟ انہون نے کہا کہ ہان۔ اسنے کہا نہین۔ یہ گواہی دو کہ مسیلمہ رسول اللہ ہے۔ انہون نے کہا ہرگز نہین۔ تب اسنے انکا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا۔ پھر یہی سوال کیا۔ انہون نے پھر وہی جواب دیا۔ دوسرا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ الغرض پھر پاون کاٹے۔ رانین کاٹ ڈالین لیکن انہون نے اس کذاب کی نبوت کا اقرار نہ کیا پر نہ کیا۔ اور جان دیدی۔ حضرت ام عمارہ نے جب یہ واقع سنا تو کلیجہ تھام کے رہگئین۔ اور اپنے دل مین ٹھان لیا کہ اگر مسلمانون نے لشکرکشی کی تو اس مرتد ظالم کو مین انشا اللہ خود اپنی تلوار سے جہنم مین داخل کرونگی۔

حضرت ابوبکر رضؓ خلیفہ نے جب مسیلمہ کذاب کے حالات سنے تو حضرت خالد بن ولید رضؓ کو چار ہزار فوج کے ساتھ اسکے مقابلہ کیلئے روانہ کیا حضرت ام عمارہ حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس گئین۔ اور ان سے اجازت چاہی کہ اس لڑائی مین مجھے بھی جانے دیجئے۔ انہون نے فرمایا کہ ہم تمہاری بہادری اور جرات بہت اچھی طرح دیکھ چکے ہین اسلئے تم شوق سے جاؤ ہم تمکو روک نہین سکتے۔ مسیلمہ کذاب نے بڑا سخت مقابلہ کیا اور بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ قدم قدم پر لاشونکے ڈھیر لگ گئے بارہ سو مسلمان شہید ہوے اور آٹھ نو ہزار کافر مارے گئے۔ اسی کش مکش اور ہنگامہ مین حضرت ام عمارہ نے اپنی نگاہ کے سامنے مسیلمہ کو رکھ لیا۔ جنگی بہادرونکو اپنے سامنے سے ہٹاتی برچھی کی نوک اور تلوار کی دھار سے اپنا راستہ نکالتی ہوئی غنیم کی بیچ فوج مین گھستی چلی جارہی تھین نیزہ اور تلوار کے گیارہ زخم انکے لگے اور جب مسیلمہ کے بالکل قریب پہونچ گئین تو کلائی پر سے ایک ہاتھ بھی کٹ گیا لیکن مطلق پروا نہ کی۔ اور آگے بڑھین کہ مسیلمہ پر وار کرین۔ اتنے مین کیا دیکھتی ہین کہ ایکدم سے اسپر دو تلوارین پڑین اور وہ کٹ کر گھوڑے سے گر پڑا۔ انہون نے دیکھا تو انکے بیٹے عبداللہ رضؓ کھڑے ہین۔ پوچھا کہ تو نے اسکو قتل کیا؟ انہون نے کہا کہ ایک تلوار میری پڑی ہے دوسری

وحشی تھی (یہ وحشی وہ ہے جس نے اپنی کفر کی حالت مین جنگ احد مین حضرت امیر حمزہ کو شہید
کیا تھا) اب معلوم نہین کس کے وار سے وہ مرا ہے۔ یہ دیکھکر ام عمارہ اسیوقت سجدہ مین گر گئین
اور اللہ تعالی کا شکریہ ادا کیا۔

زخمونکی وجہ سے اور خاصکر ہاتھہ کے کٹ جانے سے وہ کمزور ہو گئی تھین۔ حضرت خالد رض
جو فوج کے سردار تھے اور جنکی بہادری ضرب المثل ہے وہ ام عمارہ کی شجاعت اور بزرگی کی
وجہ سے انکا بڑا ادب کرتے تھے۔ انھون نے انکے زخمونکے علاج اور تیمار داری مین کوئی دقیقہ
اٹھا نہین رکھا۔ جب حالت کچھ ٹھیک ہوگئی تو عبد اللہ رض انکو مدینہ مین لائے۔ خود خلیفہ وقت
حضرت ابوبکر رض انکو دیکھنے کیلئے انکے گھر آتے تھے۔

حضرت عمر رض خلیفۂ دوم کے زمانہ مین ایک مرتبہ مال غنیمت مین چند بیش قیمت کپڑے آئے۔ انمین
ایک دوپٹہ مزرکش نہایت قیمتی تھا۔ کسی نے حضرت عمر رض کو یہ رائے دی کہ آپ اسے عبد اللہ
بن عمر کی بی بی کو دین۔ کسی نے کہا فلان کو دین غرض مختلف لوگون نے مختلف رائین ظاہر کین
حضرت عمر رض نے فرمایا کہ تمام لوگون مین مین سب سے زیادہ حقدار اسکا ام عمارہ کو سمجھتا
ہون۔ انھین کو دونگا۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مینے احد کے دن سنا تھا
آپ فرماتے تھے کہ مین جدہر نظر ڈالتا تھا ام عمارہ ہی ام عمارہ مجکو نظر آتی تھین۔ داہنے
دیکھتا ہون تو ام عمارہ۔ بائین دیکھتا ہون تو ام عمارہ۔ چنانچہ آپنے انھین کے پاس اسکو بھیجدیا۔

راقم کو اسوقت تک اس سے زیادہ حالات نہین معلوم ہو سکے۔ فقط

اسلم۔ جیراج پوری

ریویو

تحقیقات قمیصیہ

اس نام کا ایک رسالہ ہمارے پاس بغرض ریویو آیا ہی جسکے مولف کا نام سرورق پر ان الفاظ مین درج ہی:۔

"عالم امجد فاضل اوحد آیت من آیات اقدالحاج مولانا شاہ قمیصی القادری حیدرآبادی سلمہ الہادی"

کچھہ عرصہ سے حیدرآباد مین مولویون کی ایک انجمن (جسکو معلوم نہین کس لحاظ سے مولف صاحب "دنیا مین سب سے پہلی مجلس" قرار دیتے ہین) مجلس العلما کے نام سے قائم ہوئی ہی جسکے متعدد فرائض مین اگرچہ "بعض آزاد خیال مصنفونکی غلط بیانیون کا انکشاف" اور "آزادی کے طوفان بے تمیزی" کی روک تھام بھی داخل ہی مگر اسکا خاص مقصد یہ ہے کہ

"یورپ کے سائنس اور فلسفۂ حکمت کی رنگ آمیزیون نے بعض علماء اسلام کو اسقدر دھوکے مین ڈال دیا ہے کہ وہ ان توہمات کی طلسم شکنی کی جگہ خود اصول اسلام مین انہین معتبر و مفید سمجھنے لگے ہین مجلس العلما اس غلط فہمی کے سربستہ اسرار کا افشا کریگی"

بلا شبہ یہ مقصد نہایت اہم نہایت نازک نہایت اعلیٰ ہی لیکن ہم مجلس العلما کے اراکین کی خدمت مین یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہین کہ

صیادنۂ تو نخچیر مکن چیزے کہ نخواندۂ تو تفسیر مکن

کے حکیمانہ اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔

"تحقیقات قمیصیہ" اسی انجمن کا آرگن ہے اس رسالہ مین علامہ شبلی کے ایک مضمون زیر عنوان "ملل و نحل" (مندرجہ الندوہ جلد ۲ نمبر ۱) کا جواب دیا گیا ہے اور ابن حزم اور علامہ موصوف کے خلاف حسب ذیل امور کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

(۱) انبیا علیہم السلام معصوم ہین (۲) نبوت نسوان باطل ہی۔ (۳) سحر حقیقی و واقعی ہے۔

یون تو سارا رسالہ مجتہدانہ معلومات و محققانہ قابلیت سے لبریز ہے لیکن جس امر نے نہ صرف مولانا

شبلی کو سکوت اختیار کرنے پر مجبور کیا ہوگا۔ بلکہ جس نے یورپ کے علمی طبقہ کو بھی محو حیرت کر دیا ہوگا۔ وہ مولف صاحب کا یہ دعوی ہے کہ "**گویا جادو کا انکار فلسفہ کا انکار ہے**"
واقعی توہمات سائنس کے طلسم شکن کو اسی جرات۔ دلیری۔ اور وسعت معلومات کی ضرورت ہے!!
افسوس کہ لوگ اپنی ناواقفیت سے اسقدر بے بنیاد دعوی کر بیٹھتے ہیں اور پھر متمنی رہتے ہیں کہ ملک انکی جہالت کی داد دے۔

زیادہ افسوسناک یہ امر ہے کہ بعض مقامات پر الندوہ کی عبارت نقل کرنے۔ یا مولانا شبلی کے مفہوم کو ادا کرنے میں بداحتیاطی یا بددیانتی سے کام لیا گیا ہے۔ ایک سے زاید موقع پر ایسے جوابات دئے گئے ہیں جنکو ابن حزم یا مولانا شبلی کے دعوی سے مطلق ربط نہیں طرز تحریر مجادلانہ و مخاصمانہ ہے۔ ضخامت ۷۰ صفحہ کتاب پر قیمت درج نہیں۔

"احوال واقعی"

الناظر کے مئی نمبر مین اور اس نمبر مین بھی رسالہ ربع مجیب کے اوراق کا شایع نہونا الناظر کے اوسط ناظرین کیلئے باعث تشویش ہوگا جو اوسکے مطالب سے دلچسپی رکہتے ہین اور ہماری سلامت روی اور استواری کے معترف ہین۔ لیکن ہم اون کو اطمینان دلاتے ہین کہ یہہ بے ترتیبی بالقصد نہ تھی اور عارضی تھی۔

مئی نمبر مین اسکے سوا اور بھی بہت سی فروگذاشتین تھین جسکا ہمین بہت افسوس ہے۔ اصل یہہ ہے کہ مئی کا بڑا حصہ ہماری ایسی ذاتی مصروفیتون کی نذر ہوگیا جن سے ہم کسی طرح اس دنیا مین رہکر بچ نہین سکتے۔ اس وجہ سے اور نیز بعض دیگر مخالف اسباب کے جمع ہوجانے اور اتفاقی امور کے پیش آجانے سے اوس ماہ کے پرچہ کا وقت پر شایع ہونا ہی دشوار معلوم ہوتا تھا۔ پس جنس اگرچہ کسی قدر کاسد تھی لیکن ہمنے اسی کو غنیمت جانا کہ جو حضرات مہینہ کی ابتدائی تاریخون مین الناظر کیلئے چشم براہ ہوتے ہین وہ ناامیدی کی زحمت سے محفوظ رہین اور جس حالت مین ممکن تھا رسالہ وقت پر شایع کردیا۔

اس نمبر مین ہمنے بہت کوشش کی کہ پچھلی فروگذاشتون کی تلافی ہوجاے اور یہہ کہنا بیجا نہوگا کہ ہم ایک حد تک اس سعی مین کامیاب ہوے لیکن ربع مجیب کے بارہ مین اب بھی وہی دقتین پیش آگئین بہر حال ہمکو یقین واثق ہے کہ جولائی نمبر کی اشاعت سے پہلے اسکا پورا انتظام ہوجائیگا کہ آیندہ اس قسم کی بے ترتیبی نہونے پاے۔

اس نمبر کی اشاعت کے ساتھہ الناظر کا پہلا سال ختم ہوتا ہے۔ اور ہم خوش ہین کہ یہہ پہلا سال کامیابی اور ترقی سے دوش بدوش رہا۔ الناظر کی حالت مین فی الحال کوئی تغیر نہوگا لیکن ملک مین جو منزلت اوس نے حاصل کرلی ہے اوس پر اعتماد کرکے ہم امید کرتے ہین کہ پیش نظر تغیرات کا اعلان اسی سال کے اندر کیا جا سکے گا۔

رسالہ زمانہ کانپور

اردو کا بہترین باتصویر رسالہ ثابت ہوا ہے

اسکے مضامین کا چاردانگ ہند مین سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ ہر قوم اور مذہب کے بہترین انشا پرداز اور شاعرون اور ملکی پیشواؤن کی قلمی عنایات اسکو حاصل ہین۔ اسکا حجم ۸۰ صفحات ماہوار ہوتا ہے۔ ہر مذاق کے اعلیٰ ترین مضامین اس مین شایع ہوتے ہین۔ اسکی لکھائی چھپائی انتہا درجہ کی نفیس اور دلپسند ہے۔ کاغذ بہترین قسم کا استعمال ہوتا ہے۔ ہر مرتبہ متعدد اعلیٰ درجہ کی دلکش اور دل پسند عکسی تصاویر شائع ہوتی ہین جنمین کم از کم ایک تین رنگون سے چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ آجکل مشہور اردو انشا پردازون اور ہندو مسلمان لیڈرون کی عکسی تصویرین کثرت سے شائع ہو رہی ہین۔

مئی سنہ ۱۹۱۰ء کا پرچہ شاہنشاہ عالم پناہ کی وفات حسرت آیات کی یادگار مین خاص اہتمام سے شائع ہوا ہے اسکا حجم سو صفحات سے زائد ہے۔ اور تیرہ ۱۳ اعلیٰ درجے کی تصاویر ہین جنمین نو ۹ تصاویر ملک معظم ایڈورڈ ہفتم جنت آرامگاہ کے متعلق ہین۔ عہد شیرخواری سے لیکر آخر وقت تک کی تصویرین درج کی گئی ہین اور چار اعلیٰ درجے کی مضامین بھی شاہنشاہ آنجہانی کی لایف پر ہدیہ ناظرین ہوئے ہین۔ باقی تصاویر مین شمس العلما مولانا آزاد دہلوی مرحوم کے دست خط کا عکس خاص طور پر دلچسپ ہے اور بھی کل مضامین و تصاویر حد درجہ دلکش ہین۔

بہرحال اسکے خصوصیات کو دیکھتے ہوے کہا جا سکتا ہے کہ آجتک کوئی رسالہ اس اہتمام سے ملک مین شایع نہین ہوا۔

جنوری فروری نمبر کے پرچے کوئی نہین بچے۔ خریداری مارچ سے شروع ہو سکتی ہے۔

اردو کے شائقین فوراً خریداری شروع فرمائین قیمت سالانہ ؏ نمونہ ۴؍ ارزان ایڈیشن ؏

یہ رسالہ زمانہ کی ترقی کا سال قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے ہر نیا نمبر گذشتہ پرچہ سے بڑھ چڑھ کر شائع ہوتا ہے۔

منیجر زمانہ۔ کانپور۔

مفید عام پریس محلہ ارادت نگر متصل اسٹیشن ڈاکخانہ میں باہتمام محمد علی طبع ہوا

جا ئیست جہان نمائے ہر صفحہ درسمن
۱۳۲۷ھ

الناظر

قیمت سالانہ عہ	یکم نومبر سنہ ۱۹۱۰ عیسوی	نمبر ۱

فہرست مضامین

صفحہ

مضمون	مصنف	صفحہ
تنقید الکلام نمبر ۱ و ۲ کی اصلاح	بابو عطا محمد	۱
الکلام کی تنقید اور اُسکی تردید	منشی احمد علی۔ شوق۔ قدوائی	۳۶
نظم دلپذیر	مولوی محمد صدر الدین خان	۴۰
گلبرگہ	"دو برگے از گلبرگہ"	۴۱
اثبات واجب الوجود	منشی احمد علی۔ شوق۔ قدوائی	۴۹
غزلیات	منشی احسان علی فصیح۔ سید محمد علی اُمید (مولوی محی الدین تمنا عمادی)	۵۶
لیڈیز کانفرنس	مسز خدیو جنگ	۵۸
قرض (نظم)	مرزا محمد بہادر یاور	۶۴
تعلیم نسوان	ع۔ ر۔ علوی آثر	۶۷

منشی سجاد علی کی الناظر پریس مین باہتمام ظفر الملک علوی طبع ہو کر
دفتر رسالۂ الناظر۔ فلاور ملز۔ لکھنؤ سے شایع ہوا

الناظر

نمبر ۱۷ — یکم نومبر ۱۹۱۰ء

تنقید الکلام نمبر ۱ و ۲ کی اصلاح

مضمون نگار صاحب نے تمہید جو تنقید نمبر ۱ مین تحریر فرمائی ہی ہمکو اس سے کچھ بحث نہین کیونکہ وہ مولانا شبلی صاحب کی مدح و ذم پر مشتمل ہی۔

ہمکو اس مضمون مین ان مسایل کی تردید منظور ہی جن سے اسلام کی صداقت پر حرف آتا ہی - اسکی پروا نہین ہی کہ زید و عمر کے اقوال کی تصحیح یا تغلیط کرین۔

ہربرٹ اسپنسر صاحب کی اس قول کے متعلق (مولانا شبلی نے الکلام مین نقل کیا اور اُس سے خدا کی ہستی پر استدلال کیا ہی اور جس کو ہم بھی تنقید سے نقل کرتے ہین کیونکہ اسوقت ہمارے پاس الکلام موجود نہ ہربرٹ اسپنسر کی وہ کتاب جس مین انکا یہ مقولہ درج ہی) ان تمام اسرار سی جنکی یہ کیفیت ہی کہ جس قدر ہم اُن مین زیادہ غور کرتے ہین اسیقدر وہ اور غامض ہوتے جاتے ہین، اسقدر قطعی ثابت ہوتا ہی کہ انسان کے اوپر ایک ازلی و ابدی

قوت موجود ہی جس سے تمام اشیا رصادر ہوتی ہین" مضمون نگار صاحب کو ہربرٹ اسپنسر صاحب کے قول ہونے سے تو انکار نہین ہی لیکن وہ اس کی نقل در نقل ہونے کو اور اس کے جو معنی مولانا صاحب یا کسی اور بندہ خدا نے لیے ہین اسکو قابل اعتراض سمجھتے ہین اور فرماتے ہین کہ سرجان لیبک صاحب نے اس قول کو خدا کی ہستی کے ثبوت مین پیش نہین کیا بلکہ یہ ظاہر کرنیکو پیش کیا ہی کہ ہماری عقل رازہاے عالم کا انکشاف نہین کرسکتی اور اکثر امور مین اپنی ناواقفیت اور جہالت پر ہمکو قانع ہونا پڑتا ہی لیکن لیبک صاحب اس قول کو خدا کی ہستی کے ثبوت مین پیش کرتے یا نکرتے یہ جدا امر ہی۔ دیکھنا تو یہ ہی کہ اس قول سے کسی امر کا ثبوت ہوتا ہی۔ سو اس قول مین اسپنسر صاحب کا یہ فرمانا کہ "اسقدر قطعی ثابت ہوتا ہی کہ انسان کے اوپر ایک ازلی وابدی قوت موجود ہی جس سے تمام اشیا رصادر ہوتی ہین" اسبات کا کافی وقطعی ثبوت ہی کہ وہ کسی ایسی قوت کا قایل ہی جس سے تمام اشیا رجنکو ہم کسی حواس سے دریافت کرسکتے ہین لیعنی موجودات عالم صادر ہوتی ہین۔

اب اسپر اگر کچھ بحث ہوسکتی ہی تو وہ صرف اسقدر ہی کہ آیا ایسی قوت جس کا اسپنسر صاحب کو اقبال ہی۔ اسلام کا خدا ہوسکتا ہی یا نہین۔

لیکن مضمون نگار صاحب اصل بحث کو چھوڑکر اس غیر متعلق بحث مین جا پڑے ہین کہ لیبک صاحب نے اسکو فلان امر کے ظاہر کرنے کے واسطے پیش کیا ہے نہ کہ خدا کی ہستی کے ثبوت مین۔ ہم مانتے ہین اور یہی کہتے ہین کہ بیشک عقل رازہاے عالم کا انکشاف نہین کرسکتی لیکن خدا کی ماہیت کا جاننا بھی تو منجملہ رازہاے عالم کے ہے اسکا انکشاف بھی عقل نہین کرسکتی لیکن اس مقولہ سے کہان لازمی طور پر یہ استشہاد کیا جاسکتا ہی کہ خدا کا وجود نہین ہے بلکہ اسپنسر صاحب اس بات کا صاف اقبال کرتے ہین کہ انسان کے اوپر کوئی ازلی ابدی قوت ہی جس سے تمام اشیا رصادر ہوتی ہین۔

جہانتک حکماے قدیم وجدید کی عقل نے کام کیا ہی اور جس نتیجہ پر وہ بعد طویل تحقیقات کے

پہونچتے ہین اسکا ماحصل صرف اسی قدر ہی جس قدر سپنسر صاحب کا قول ہی اور بالخصوص اسکا آخری حصہ۔

سٹائیک حکمار کا بھی نسبت وجود باری تعالی کے یہی عقیدہ تھا کہ بیشک ایک سب سے اعلی قوت تو موجود ہی لیکن کوئی سب سے اعلی شخص موجود نہین ہی اور نہ کوئی ایسی شی موجود ہے جسکو پراویڈنس Providence کہہ سکین۔ فطرت عالم یا نیچر خود اٹل قوانین کی ماتحت ہی لیکن کسی حکیم یا فلسفی نے ان قوانین کی موجودگی سے انکار نہین کیا بلکہ جو کچھ حکمای قدیم یا جدید نے کیا ہی وہ ان قوانین کا معلوم کرنا ہی۔

جب یہ قوانین موجود ہین تو بموجب اس قانون کے جو فطرت سے ماخوذ ہی کہ "جہان علت ہوگی اسکا معلول بھی موجود ہوگا اور جہان معلول ہوگا وہان اسکی علت بھی موجود ہوگی" ان قوانین فطرت کی موجودگی کی صورت مین جو معلول ہین کسی علت کے انکی علت کا موجود ہونا بھی لازمی طور پر ماننا پڑیگا اور جو ان قوانین فطرت کی موجودگی کی علت ہی وہی اہل اسلام کا خدا ہی۔

اسلام کا خدا ایسا نہین ہی کہ اسکی ماہیت کسیطرح بھی جانی جاسکی بلکہ اسلام نے اسکو لفظ ہو سے تعبیر کیا ہی اور بس۔ اسکی ہستی کو بلا شبہ ہم عقل سے ثابت کرسکتے ہین لیکن اسکی ماہیت کو عقل سے نہین جان سکتے۔ اور نہ اسلام ہمکو اسکی ماہیت کے جاننے پر مجبور کرتا ہی۔ ہان اسلام نے ایسی ذات کے لیے جو مخرج یا منبع تمام کائنات کا ہی چند صفات ثبوتیہ لازمی طور پر ثابت کی ہین اور چند صفات سلبیہ سے اسکو بری کیا ہی لیکن یہ صفات ثبوتیہ اس وجود۔ قوت یا ہستی کی عین ذات یا مقتضاے ذات ہین اور اس لیے کسی ایسی صفت کو جس کا جاننا وجود کی ماہیت کی جاننے پر منحصر ہو اس ذات سے متعلق نہین کرسکتے کیونکہ اس ذات کی ماہیت کا جاننا حد بشری سے خارج اور حواس کی طاقت سے کہ صرف یہی ذریعہ ہمارے پاس مدرکات کا ہی باہر ہے۔

ہم دیکھتے ہین کہ کائنات مین بہت سے افعال صادر ہوتے ہین اور اونکا مخرج و منبع وہی قوت

یا طاقت ہے اسلیے بسبب ان مصدورات کی جو عالم مین ہم دیکھتے ہین اس قوت یا طاقت سے متعدد صفات منسوب کرتے ہین اور کسی ایسی صفت سے جو اوسکی ذات یا کسی صفت مسلمہ کے برخلاف ہو اسکو ازلاً و ابداً بری کرتے ہین۔

مقناطیس مین کشش آہن کی صفت ہم پاتے ہین اسلیے بدون جاننے ماہیت مقناطیس کے کشش آہن کی صفت کو اوسکی طرف منسوب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ کشش آہن کی قوت مقناطیس کی ذات مین ہے اور یہ بھی ہم مطلق نہین جانتے کہ کیون مقناطیس مین آہن کی کشش کی قوت ہے اسیطرح پتھر مین بوجہ ادیانی مین رنت کا حال ہے اور یہ صفات عین ذات ہین عوارض یا زائد علی الذات نہین ہین۔

حکما اور مذہب اسلام کا عقیدہ نسبت وجود ایک بالاتر ہستی کے کہ جس سے تمام اشیار صادر ہوتی ہین مشترک اور موافق ہے صرف صفات (جو اسلام اس ہستی سے منسوب کرتا ہے) کی بارہ مین خلاف ہے ان صفات کا اس بالاتر ہستی سے منسوب کرنا اسلیے ضروری ہے کہ بسبب صدوران اشیار کے جو کائنات مین دیکھی جاتی ہین لازمی طور پر ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہین کہ ان اشیار کا صدور اُس طاقت سے بدون ایسی صفات کے جو اسلام نے اس طاقت کی طرف منسوب کی ہین نہین ہو سکتا اور لامحالہ وہ اُس طاقت مین ان صفات کا ہونا تسلیم کرتا ہے۔

اب طبقہ حکما رجنکو اُس طاقت مین ان صفات کے ہونے سے انکار ہے بتائے کہ جب اس طاقت مین یہ متعددہ صفات جو اسلام اس کی طرف منسوب کرتا ہے موجود نہین ہین تو پھر صدور افعال و اشیار اس طاقت سے کیونکر ممکن ہے پس لازمی طور پر یہ یقین کیا جائیگا صدور اشیار کی لیے اُس قوت مین ان صفات کا ہونا بھی لازمی اور ضروری ہے اسلیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ خداوند تعالیٰ یا وہ بالاتر ہستی یا طاقت یا قوت جامع جمیع صفات کمال ہے کیونکہ جو کچھ اس سے صادر ہوا ہے اُس سے ان صفات کمال کی طرف نسبت ہوتی ہے لیکن ان صفات کی حقیقت اور ماہیت ہم بالکل نہین جانتے

اور اسیواسطے ہم کہتے ہین کہ صفات باری تعالی ایسی صفات نہین ہین جنکو ہم انسانون مین روزمرہ مشاہدہ کرتے ہین۔

وہ ہستی جسکو ہم علت العلل یا واجب الوجود کہتے ہین اور جسکو حکما اور فلسفی بالاتر قوت یا طاقت کہتے ہین اسکو نہ وہ اور نہ ہم کسی طرح حواس سے جان سکتے ہین وہ اور ہم بجز اسکے کہ وہ موجود ہے اور کچھ اسکی حقیقت وماہیت نہین جان سکتے اسیطرح صفات کو جو اُس کی عین ذات ہین بدون جاننے انکی حقیقت اور ماہیت کی ہم نے اُسکی طرف منسوب کیا ہی کیونکہ صدور اشیاء کے لیے جو عالم مین اُس ذات یا طاقت یا قوت سے ہوا ہی لازمی طور پر ایسی صفات کا اُس مین ہونا ضروری ہی۔

زندگی اور موت دو صفتین ہین جنکی مفہوم کو ہم نے جاندارون کے حالات سے اخذ کیا ہی پس کیا ہم یقین کرسکتے ہین کہ اس زندگی یا موت کا محل وہ ذات برتر یا واجب الوجود ہوسکتا ہی۔

دہریون یا اور لوگون نے مسلمانون کی مذہبی کتابون مین ان لفظون کو دیکھ کر جو صفات الٰہی کی نسبت لکھی گئی ہین خداے اسلام کو انھین مفہومات کا محل سمجھ لیا جو موجودات عالم سے ماخوذ تھے اور پھر ان صفات کے منکر ہوگئے اور کہنے لگے کہ کیونکر ان صفات کا محل ایسی ذات جو بیچون وچرا ہی ہوسکتی ہی۔ ہم انکے جواب مین کہتے ہین کہ ہم کب ایسا یقین کرتے ہین اور کب ہم ان صفتون کا جنکو ہم جانتے ہین اُس ذات کو محل قرار دیتے ہین بلکہ یہ کہتے ہین کہ جن صفتون کو ہم جانتے ہین انہین سی کچھ جو اُس ذات کے لیے جس سے سب کچھ صادر ہوا ہے لازمی ہین اسکی طرف منسوب کرتے ہین اور یہ الفاظ جو ہم اسکے لیئے بولتے ہین ہرگز ہرگز انکا وہ مفہوم نہین ہی جو ان الفاظ کا ہی۔

مثلاً ہم اس طاقت کو حی کہتے ہین اور حی ہونے کی صفت کو ہم نے جاندارون سے اخذ کیا ہی اور وہ چونکہ کئی علتون کی معلول ہوا اسلیئے ہم ایسی صفت کو جو کئی علتون کی معلول ہو اس ذات

سے منسوب نہین کر سکتے البتہ حیات کی سبب جاندارون سے افعال سرزد ہوتے ہین اور اس ذات سے ہی یہ سب کچھ جو کائنات مین ظہور پذیر ہوا ہی صادر ہوا ہی اسلیئے اسکا "حی" ہونا یقین کرتے ہین اور کہتے ہین کہ ہماری حیات کی سی اسکی حیات نہین ہی۔ چونکہ مردہ سے ایسی عجیب و غریب اشیاء کا صادر ہونا محال ہی اسلیے اس ذات کو حی قیوم کہتے ہین۔

ان صفات کا جو اس بالاتر ہستی سے منسوب کرتے ہین زائد علی الذات ہونا بھی تسلیم نہین کرتے کیونکہ ایسی ذات محل حوادث ہی نہین ہو سکتی اس لیئے ان صفات کو عین ذات یا مقتضائے ذات سے تعبیر کرتے ہین۔ جب یہ صفات عین ذات یا مقتضائے ذات ہین تو انکی حقیقت اور ماہیت کا جاننا بھی ہماری فطرت سے اسیطرح خارج ہی جیسا کہ اسکی ذات کی ماہیت و حقیقت کا جاننا خارج ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہی کہ کمال توحید نفی صفات ہے یعنی صفات کا علحدہ علحدہ وجود اس مفہوم کے ساتھ جو انسان نے ان صفات کی نسبت دنیا مین اخذ کیا ہی اُس ذات کیطرف منسوب نکرو کیونکہ اس طرح تعدد قدما لازم آتا ہی اور وہ ذات محل حوادث ٹھہرتی ہی بس حکما اور فلسفیون کی بالاتر ہستی۔ طاقت یا قوت اور اسلام کے خدا مین صرف یہی فرق ہی کہ اول الذکر ایک ایسی بالاتر ہستی کو جو ازلی و ابدی ہی اور جس سے تمام اشیاء صادر ہوتی ہین بلا صفات کے مانتے ہین اور موخر الذکر اس ذات کو موصوف بصفات متعددہ مانتے ہین لیکن اسبات کا کچھ جواب حکماء یا فلسفی نہین دیسکتے کہ اگر وہ طاقت بلا صفات مسلمہ اسلام کے ہی تو صدور افعال و اشیاء اس طاقت سے کسطرح پر ممکن ہی۔ کیونکہ صدور اشیاء کیواسطے ان صفات کا ہونا اس طاقت یا قوت مین لازمی ہی قدیم ہندو دھرم مین بھی خدا کی ذات دو حالتین "نر" اور "اسر" مانی جاتی ہیں۔ "اسر" اُس ذات کی اُس حالت کا نام ہے جبکہ وہ صفات سے بالکل مجرد و منفرد ہو اس حالت مین سلسلہ تکوین کا ہونا مقصود ہے اور جب سلسلہ تکوین اور پیدایش شروع ہوتا ہے تو یہ حالت "نر" سے تعبیر کی جاتی ہے"

مذہب وعقل

اس عنوان پر جو بحث مولانا صاحب نے الکلام مین کی ہو اُس پر مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہین کہ سائنس اور فلسفہ کی تعریف جو مولانا صاحب نے کی ہو کسیقدر قابل ترمیم ہے لیکن سردست وہ مولانا صاحب کی تعریف کو تسلیم کرکے مذہب اور سائنس کے تعلقات پر غور کرتے ہین۔

افسوس مضمون نگار صاحب نے وہ ترمیم ظاہر نکی ورنہ ہم دیکھتے کہ کہان تک وہ ترمیم درست و نادرست کہی جا سکتی ہو۔

مولانا صاحب کی تعریف سائنس و فلسفہ نہایت صحیح ہو اور مضمون نگار صاحب کے اعتراضات کی بنا کو جب غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ وہ سائنس کے محققہ مسایل کے روسے اعتراض نہین کرتے بلکہ فلسفیانہ قیاسات کو اسلام کے مقابلہ مین لا کر انکی جواب دہی مین ناحق لوگون کی تضیع اوقات کرتے ہین بلاشبہہ جو مسایل کہ تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر قطعی یقینی ثابت ہوچکی ہین یا ہونے جائین وہ سائنس ہے اور انکے سوا تمام وہ قیاسات جو تجربہ اور مشاہدہ کی حد سے باہر ہین وہ فلسفہ ہی اور انکا ماننا نہ ماننا خواہ مخواہ لازمی اور ضروری نہین ہے

ڈاکٹر ڈریپر صاحب کی کتاب } "Conflict between Religion and Science"
جسکا حوالہ مضمون نگار صاحب نے دیا ہی } (مترجمہ مولوی ظفر علی خان بی اے)

اس سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہی کہ رومن کیتھولک مذہب کے پیشواؤن نے سائنس کی مزاحمت نہایت برے طور پر کی۔ بڑے بڑے جلیل القدر حکمار و علمار کو شہید صداقت ہونا پڑا اور اسیوجہ سے کئی صدیون تک یورپ کو شائستگی و تہذیب حاصل نہوئی اور تمام براعظم مین جہالت و تاریکی پھیلی رہی پھر تو اسلام کے صدقے سے تھا کہ علوم اور سائنس نے یورپ مین دخل پایا اور تمام ملک کو جہالت کے عمیق گڑھے سے نکال کر اوج علمیت پر پہونچایا اسلیئے اس خرابی کا ذمہ دار انکا اپنا مذہب ہی۔ اور اگر چند علماء اسلام نے بھی

سائینس کے مقابلہ میں رواداری نہ برتی تو بلاشبہہ ان علماء نے بہت برا کیا اور وہ ذاتی طور پر اسکے ذمہ دار ہیں لیکن اسلام کی تعلیم جو بین الدفتین موجود ہے وہ سائنس یعنی حقایق اشیاء کے جاننے والون کی کسی طرح پر بھی مخالف نہین ہے بلکہ قرآن مین انکو تعظیماً اولی الالباب۔ اولی الابصار وغیرہ سے یاد فرمایا ہے۔ قرآن کی تعلیم تو یہ ہے (ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً)

اسلام کا پہلا عقیدہ یہ ہے (حقایق الاشیاء ثابتہ)

لیکن واضح ہو کہ مذہب اور علم کی دو جداگانہ حدین اور سلطنتین ہین جیسا کہ تنقید الکلام کی اصلاح نمبر ۹ مین خاکسار نے بہ تفصیل ذکر کیا ہے۔

جہان تک حواس کی رسائی ہو سکتی ہے وہ حد سائینس کی ہے اُس مین مذہب کا کوئی دخل نہین ہے۔ جو بات عقل اور حواس سے صحیح ثابت ہوا سکو ہر کوئی مانے اور عمل کرے مذہب مزاحم نہوگا۔

حواس سے باہر جو عالم ہے یعنی جہان حواس کی رسائی نہین ہو سکتی وہ مذہب کی سلطنت ہے اُس مین سائینس کا کوئی دخل نہین ہے۔

اگر سائینس اور مذہب اپنی اپنی حدود مین رہین تو بلاشبہہ آپس مین دوست رہینگے لیکن جب ایک دوسرے کی حد مین دخیل ہوگا تو جنگ ناگزیر ہے۔ یہ مضمون نگار صاحب کا غلط خیال ہے کہ مذہب اپنی عملداری کو عالمگیر کرنا چاہتا ہے اور اسکا یہ دعوی ہے کہ دنیاوی علوم وفنون کے تمام مراحل اسکی وساطت سے طے ہو سکتے ہین۔ اور مذہب کہتا ہے کہ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ قرآن کریم نے کہین یہ دعوی نہین کیا کہ اسلام علوم وفنون سکھانے کے واسطے آیا ہے یا جملہ علوم وفنون دنیاوی کے مراحل اسی کے وسیلے سے طے ہون اور اُسیکا فتوی سائینس کی عملداری مین چلے۔ بلکہ وہ تو عقاید۔ مکارم اخلاق اور اسقدر حصہ معاشرت کا درست کرنے والا ہے جو عقاید حقہ اور مکارم اخلاق کا سد راہ ہو۔ علوم وفنون دنیاوی و جملہ قواعد معاشرت مین اسلام نے سب کو آزادی دے رکھی ہے

جو جسکا جی چاہی کرتا پھرے۔ لیکن عقائد حقہ اور مکارم اخلاق سی نہ ٹکرائے اسیواسطے بانی اسلام نے یہ فرماکر کہ "انتم اعلم بامور دنیا کم" (جیسا کہ مضمون نگار صاحب کو بھی تسلیم ہی) اس بات کا قطعی فیصلہ فرمادیا کہ دنیاوی تمام امور مین ہر شخص آزاد ہی۔ علوم و فنون مین۔ تہذیب اور شایستگی مین جسقدر کوئی چاہے ترقی کرے اسلام اسکا مانع و مزاحم نہین ہے۔ اسلیئے زید و عمر اگر مذہب کو حدود علم مین دخیل کرین تو اسلام اسکا ذمہ دار نہین ہی۔ اور نہ اس سے اسلام مورد الزام ہوسکتا ہی۔ یہ زید و عمر کی شخصی راے یا حرکت ہی۔ اور وہی اسکے ذمہ دار ہین۔ مولانا شبلی کا یہ دعوی کہ مذہب اسلام تمدن و ترقی کا اس حد تک پہونچانے والا ہے جو تمدن کا انتہائی درجہ ہی بالکل صحیح ہے کیونکہ واقعات سے اسکی تصدیق ہوتی ہی اور تواریخ عالم اسپر شاہد ہین۔ جہان جہان اسلام پہونچا وہان جس قدر علوم و فنون تمدن اور تہذیب کو ترقی نصیب ہوئی دوسری صورت مین ناممکن تھی۔

یورپ مین خود اسپین کی حالات پڑھو جب اسلام وہان تھا تو اس ملک کا باعتبار تمدن و ترقی علوم و فنون کے کیا حال تھا اور اب اسکی کیا حالت ہی۔ تمام یورپ مین اسی ملک کو باعتبار تمدن کے برتری تھی لیکن جب وہان سے مسلمان خارج البلد ہوی تو اوسکا کیا حال ہوا اور اب اسکی کیا حالت ہی۔ یورپ مین باعتبار ترقی تمدن و علوم و فنون وہ ذلیل ترین ملک ہی۔ اس بیان کی تصدیق کے واسطے ہم مضمون نگار صاحب کی توجہ اسی کتاب کے ابواب ذیل پر مبذول کراتے ہین جسکا حوالہ انہون نے اپنے مضمون مین دیا ہی یعنی

"Conflict between Religion and Science"
Chapters III, IV, V and XI

اور پھر مضمون نگار صاحب سے دریافت کرتے ہین کہ کیا اسلام علوم و فنون و تمدن کا دشمن ہے یا مربی اور کیا وہ تمدن تہذیب و شایستگی کو اس انتہائی درجہ پر پہونچانے کے قابل ہے یا نہین جسکا مولانا نے دعوی کیا ہی۔

اور مولانا شبلی کا یہ فرمانا ناقص بھی نہین ہی کیونکہ جہان اور جب سائنس کا وجود ہی نہ پایا جائے تو بلا شبہہ وہان مذہب کو سائنس کے فرایض بھی ادا کرنا پڑے ہین اور مذہب نے بکمال فیاضی سائنس کے فرایض کو ایسے مقام اور حالت مین خود انجام دیا ہی جہان سائنس کا لوگ نام بھی نجانتے تھے اور اگر مذہب ان امور کو خود انجام نہ دیتا تو نہ تو وہ کبھی اپنے مشن مین کامیاب ہوتا اور نہ دنیا مین تہذیب و شایستگی اور علوم و فنون کبھی اس بلند درجے پر پہونچتے۔

یہی وجہ ہی کہ مذہب کے اغراض کی ساتھ مکارم اخلاق کا پھیلانا اور لوگون کی معاشرت کو صحیح معیار پر لانا مذہب کا جزو لاینفک ہی۔

پھر اخلاقی تعلیم مذہبی تعلیم ہی کیونکہ اسکے معاوی نتایج بھی حواس کے ادراک سی بالا تر ہین اور چونکہ عذاب و ثواب عقبے کا تعلق اخلاق سی بھی ہی اسلیے لازمی طور پر مذہب کا اخلاق کے ساتھ ایک صحیح اور غیر منقطع رشتہ موجود ہے جو کسی طرح توڑا نہین جاتا۔

بلا شبہہ بال مین عورتون کا نیم برہنہ ہو کر اجنبی مردون سے دست بدست اور سینہ بسینہ ناچنا مذہب کے نزدیک معیوب ہی کیونکہ اس سے خرابی اخلاق پیدا ہوتی ہی اور خرابی اخلاق سے مذہب کا مشن کامیاب نہین ہو سکتا۔

مذہب کی غرض و غایت اول انسان کا تعلق خدا سے دوم انسان کا تعلق انسان سے ہے پس اگر اخلاق کے مسائل مذہب تعلیم کرے اور ایسے اخلاق سے جو مذہب کی غرض و غایت کے منافی ہون روکے یا بضرورت لوگون کے معاشرتی قواعد کو اس صورت مین ترمیم و تبدیل کرے جبکہ وہ قواعد معاشرت اسکے مشن مین خلل انداز ہون یا اوس کی کامیابی کو مشتبہ کردین تو بلا شبہہ مذہب کو اپنی غرض و غایت حاصل کرنے کے لیے ایسا اختیار ضرور ہونا چاہیے خصوصاً جبکہ سائنس موجود نہو یا ان کامون کی وہ ذمہ داری نہ اُٹھائے اور اپنے اغراض کو انجام ندے۔

اب اُس مذہب کی دست اندازی پر کچھ اعتراض ہو سکتا ہی تو یہ ہو سکتا ہی کہ لوگون کی معاشرت مین مذہب نے جو ترمیم و تنقیح کی ہی وہ سائنس کے محققہ مسائل کی روسی غلط ہی۔

اسلام کی نسبت اگر مضمون نگار صاحب ثابت کرین کہ وہ اخلاق یا طرز معاشرت جو قرآن پاک نے تعلیم کی ہے یا وہ تبدیلی یا تنقیح جو اسلام نے لوگون کی سابقہ طرز معاشرت مین یا لوگون کے اخلاق مین کی ہے سائنس کے روسی غلط یا قبیح ہی تو بلاشبہہ اسوقت ہمکو ماننا پڑیگا کہ معاذ اللہ اسلام کی یہ غلطی تھی لیکن اس ان ہونی بات کا ثبوت محال بلکہ محال سے بڑھکر ہے۔

اسلام ہی ایسا مذہب ہی جو اسوقت تمام دنیا مین باعتبار اپنی خوبی کے پھیل رہا ہی اور یورپ کے سائنس دان بھی اس سے خوف کھاتے ہین اور لرزان و ترسان ہین۔

یہ بلاشبہہ فطرت انسانی کے بالکل مناسب اور موافق ہی اور جسنے انسانی فطرت بنائی ہی اسی نے اسلام کو بھی انسانون کے لیے بھیجا ہی تاکہ انسان اسکو قبول کرکے دینی اور دنیاوی فلاح پائے۔

مذہب اور سائنس کے طریقہ استدلال کے مختلف ہونے پر مضمون نگار صاحب نے جو بحث لکھی ہی وہ شاید اور کسی مذہب مین درست ہو تو ہو لیکن مسائل اسلام کی تعلیم پر جو قرآن پاک مین یا صحیح احادیث مین ہوئے یہ درست نہین ہوتی۔ قرآن مجید مین مادہ کے عدم محض سے ہست کرنے یا عدم محض ہو جانیکا کوئی ذکر نہین ہی بلکہ قرآن کریم مین اسطرح پر مذکور ہے۔ کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربك ذو الجلال والاکرام اس مین ضمیر ھا کی ارض کی طرف راجع ہی پس ثابت ہوا کہ جو چیز زمین پر ہوگی وہ فنا ہوگی نہ خود ارض اس سے نفس مادہ کا فنا ہونا لازم نہین آتا بلکہ صور و اشکال جو مادہ ہر وقت قبول کرتا رہتا ہی اور عوارضات سے ہین انکا فنا ہونا پایا جاتا ہی اور کسی زمانہ در دور انہ مین جسکو نہ قرآن نے مقرر کیا اور نہ کوئی سائنس دان و فلسفی مقرر کرسکتا ہی سب عوارضات

قوانین قدرت کے مطابق ضرور فنا ہو جائیں گے اور اسوقت یہ مقولہ صادق آجاوے گا کہ "
یبقیٰ وجہہ ربك ذو الجلال والاکرام اس مین کوئی استبعاد نہین ہی - چاند پر
اور زمین پر جو تغیرات عظیم اس سے پہلے واقع ہو چکے ہین اس کے وقوع کے لیے کافی
ثبوت ہین اور جب یہ نظام موجودہ عالم فنا ہو جاویگا تو پھر اور کوئی نظام عالم وہی بالاتر
ہستی جسکو ہم خدا کہتے ہین قائم کرے گی اور اسکے لیے کوئی اور اٹل قوانین اپنی مرضی
سے تجویز کرے گی جنکے تحت اُس وقت کا نظام عالم اسیطرح کام کرے گا جیسا اب کر رہا ہے
اور ذرہ بھر بھی اون قوانین سے جو وہ مقرر کریگا انحراف نکریگا اور اسوقت بھی قرآن
کریم کا یہ مقولہ راست آئیگا کہ "لا تبدیل لخلق اللہ ولن تجد لسنتہ اللہ تحویلا"
قرآن کریم کا استدلال ہر معاملہ مین عقل سلیم اور وجدان قلبی سے اپیل کرتا ہی خدا اپنی ہستی
کے ثبوت کو مشاہدہ اور عقل سلیم پر حوالہ کرتا ہی - فطرت عالم پر اسکو نہین پیش کرتا ہی بلکہ خود
اُس فطرت پر پیش کرتا ہی جو انسانون مین اُسکی طرف سے بنام حاسہ مذہبی ودیعت ہی
جسکا ثبوت اسی مضمون کے اخیر حصہ مین درج ہی -

قرآن کریم کی اس آیت کے مطلب سمجھنے مین مضمون نگار صاحب نے
غلطی کی ہے "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" مین کتاب مبین
سے قرآن مجید مراد نہین ہے بلکہ اس سے لوح محفوظ جو مرادف علم الٰہی کے
ہی مراد ہی - کیونکہ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہی اور جو کچھ ہوگا وہ سب کا سب
رطب و یابس مع التفصیل کے اس لوح محفوظ مین منقوش ہی

پھر مضمون نگار صاحب نے اس آیت قرآن مجید کو (بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ
وما اوتیتم من العلم الا قلیلا) پیش کرکے فرمایا ہی کہ اس سے [illegible]
علم کو کسی مسئلہ کی صحت و عدم صحت کا معیار قرار نہ دو -

کیون [illegible] اور [illegible] مضمون کا حجم بڑھایا جاتا ہی اور اسلیے [illegible]

کی تردید مین لوگون کے اوقات ضایع کیے جاتے ہین۔
اس آیت سے غایت مافی الباب یہ مستنبط ہوتا ہے کہ جو لوگ اس آیت کے مخاطب تھے وہ اس بات کی جس کو وہ سمجھ نہ سکتے تھے تکذیب کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ معاد کے حالات جزا وسزا کا بیان سوائے وحی و الہام کے کوئی کسطرح جان سکتا ہے اور سوائے تصدیق نبی کے کسطرح اسکی تصدیق ہوسکتی ہے اور یہ بات بالکل سچ ہے کہ جو بات کسی کی سمجھ مین نہ آئے اُسکی تصدیق وہ کیونکر کرے۔ اسلیے خدا نے ایسا فرمایا کہ بل کذبوا بما لم یحیطوا العلم اور اس مین بھی کوئی شک نہین ہے کہ فطرت عالم کے راز ہاے سربستہ مین سے بڑے بڑے علما و حکما کو بھی ہنوز یکے از ہزار و اندکے از بسیار مین سے کچھ ہاتھ نہین آیا تو خدا کا یہ فرمانا بالکل سچ اور صحیح ہے کہ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا لیکن اس سے یہ استنباط نہین ہوسکتا کہ اپنی عقل و علم کو کسی مسئلہ کی صحت و عدم صحت کا معیار قرار نہ دو۔
اگر مضمون نگار صاحب قرآن کی تلاوت بغور فرمائین تو اونکو معلوم ہوجائے گا کہ قرآن ہمیشہ انسانی عقل۔ قوانین فطرت۔ وجدان صحیح اور فطرت کے آثارون سے کسی بات یا عقیدہ کے منوانے کی اپیل کرتا ہے۔ اسکا رویہ نہایت متحملانہ ہے تحکمانہ نہین ہے لیکن زید و عمرو کا کسی عقیدہ کے منوانے پر تحکم کرنا انکا اپنا قصور ہے نہ اسلام کا۔
مضمون نگار صاحب کی مجوزہ دو صورتون مین سے پہلی صورت کو اسلام قبول کرتا ہے لیکن اسمین اسقدر وسعت چاہتا ہے کہ جہان پر اور جسوقت معاملات معاشرتی کسی قوم یا ملک کے اسقدر ابتر حالت مین ہون کہ اونکی اصلاح کے بدون روحانیات اور معاد اور اخلاق کی اصلاح کی کامیابی کی امید نہو اور اسکے مشن کے فرایض بدون اصلاح معاشرت کے انجام پذیر نہو سکین تو اسکو سائنس کے فرایض بھی انجام دینا پڑینگے اور لازمی طور پر اسکے لیے ضرور ہے کہ وہ لوگون کی معاشرت کی بھی اصلاح کرے یا مخصوص ایسی حالت مین کہ وہان سائنس موجود نہو یا سائنس اپنے فرایض کو پس پشت ڈالدے۔

اسلام نے ابتدا ہی سے اسی صورت کو اختیار کیا ہی۔ جس قوم کی طرز معاشرت اور روزمرہ کے اخلاق اس درجہ خراب ہون جیسے کہ عربون کے تھے یا اونکے قوانین ملکی و سیاسی ایسے ذلیل ہون جیسے کہ عربون کے تھے تو لامحالہ اسلام کو سوا اسکے اپنے مشن کی کامیابی کے لیے کیا چارہ تھا کہ بقدر ضرورت کے سائنس کے فرائض کو خود انجام دے اور سائنس کے اختیارات کو خود اپنے ہاتھ مین لیکر اونکی معاشرت۔ رسم و رواج اور انکے سیاسی۔ فوجداری اور دیوانی قوانین کی خود اصلاح کرے۔

لیکن جہان لوگون کی معاشرت صحیح معیار پر ہو انکے اخلاق اس درجہ کے گرے ہوے نہون انکے قوانین عدل و انصاف پر مبنی ہون وہان اسلام کا کام صرف معاد سے متعلق رہجاتا ہی۔ اور خواہ مخواہ اسلام انکی طرز معاشرت۔ رسم و رواج اور قوانین کی ترمیم یا تنسیخ مین دست اندازی نہین کرتا۔

عرب اور جہان جہان اسلام پہونچا اور جہان قومون اور لوگون کی ایسی حالت تہی جیسی کہ عربونکی تھی تو قرآن نے وہان ہر طرح کی اصلاح کی اور سائنس کے فرائض کو اپنے ذمہ لیا اور ایسے طریق پر اس کام کو انجام دیا کہ کسی بڑی سی بڑی شاہنشاہ، مقنن ریفارمر، حکیم بلکہ بڑے اولوالعزم پیغمبر سے بھی نہو سکا۔

عربون کی حالت کا اندازہ اس صورت مین لگایا جاسکتا ہے کہ بعثت سے پیشتر کی تاریخ کی غور سے ورق گردانی کی جاوے کہ وہ قوم کیسی جہالت کی عمیق گڑھے مین غرق تھی اور انکے معاشرتی سیاسی اور فوجداری قوانین یا رسم و رواج کی کیسی بدتر حالت تھی۔ اس بد افعال اور بدکردار قوم مین اسلام کو اپنا کام کرنا تھا وہان سائنس کا کوئی نام بھی نجانتا تھا تہذیب و شایستگی کا اس قوم و ملک پر سایہ بھی نہ پڑا تھا۔ ایسے ملک اور ایسی قوم کی معاد و معاش کا اسلام نے بیڑا اٹھایا اسلیے اسلام کو اپنی مشن کی کامیابی کیلیے صرف انکی معاد کی اصلاح ہی نہین کرنا تھی بلکہ سائنس کے فرایض کو بھی اپنے ذمے لیا انکی سیاسی

فوجداری ۔ دیوانی قوانین کی درستی اور رسم و رواج مین اصلاحین کی یتیمون اور بیواؤن کے حقوق تنقیح کیے ۔ عورتون کو قعر مذلت سے نکالکر اعلیٰ علیین پر پہونچا یا عفت اور پاکدامنی اس قوم کا شعار بنگئی ۔ طبعی حریت کا بحال رکھنا مقصود اصلاح قرار دیا ۔

رسم غلامی کو بتدریج بیخ و بن سے اوکھاڑ پھینکا ۔ عورتون کی عفت و عصمت کے برباد کرنے والے جو رواج تھے ایک دم نیست و نابود کر دیے ۔ خودکشی ۔ انسانی قربانی اور لڑکیون کا زندہ گاڑ دینا یہ ایسی خرابیان تھین کہ نہایت شائستہ اور مہذب ملکون مین ابتک بھی انکے آثار اور نشان پائے جاتے ہین مگر جہان جہان اسلام پہونچا ۔ ان کا یک لخت قلع و قمع ہوگیا ۔

اسلام کے دو حرفی جملون نے انکے مٹانے مین وہ جادو کا کام کیا کہ ابتک باوجود متواتر اوران تھک کوششون کے سائنس انکے معدوم کرنے پر قادر نہین ہوسکا جوا ۔ شراب خواری کی بد عادتین یک قلم ملک اور قوم سے ایسی مفقود ہوگئین جیسے گدھے کے سر سے سینگ ہر قسم کے جرائم کا وہ سد باب ہوگیا ۔ کہ مخالفین کو بھی اسکا اعتراف ہی ۔ اسلام نے جسقدر بنی نوع کی اصلاح کی ہی سائنس سے اسکا عشر عشیر بھی باوجود اسکے اس عروج کے جو آجکل اسکو حاصل ہی نہین ہوسکا اگر مضمون نگار صاحب کو اس مین شک ہو تو موجودہ مقابلہ یورپ کی سوسائٹی اور انکے تمدنی اخلاق کا ایمانداری سے اسلام کے سلف سے نہین آجکل کے مسلمانون سے بھی فرمانیکی زحمت اگر گوارا فرمائینگے تو انکو تسلیم کرنا پڑیگا کہ بیشک اسلام بنی نوع کے حق مین خدا کی رحمت ہی ۔ مین اس موقع پر اسلام کے محاسن شمار نہین کرتا کیونکہ اس مضمون کا یہ عنوان نہین ہی بلکہ مضمون نگار صاحب کو اس عنوان کی طرف توجہ دلاکر کہتا ہون کہ کاش جسقدر وقت انھون نے تنقید پر صرف کیا ہی اگر اسلام کے محاسن دکھانے مین صرف کرتے تو بلا شبہ اہل ہند کو اس سے بڑا فائدہ پہونچتا ۔ سائنس کو بجائے شکایت کے مذہب اسلام کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ جو فرائض اسکے ذمے کے تھے وہ اسلام نے اس کی

عدم موجودگی مین تھوڑی سی مدت مین کس خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیے سائنس کی کسقدر سرپرستی کی اگر اسلام نہوتا تو سائنس کا نام مٹ چکا تھا۔ اسلام ہی نے حکماے یونان کی مردہ حکمت کو از سر نو حیات بخشی اسلام ہی نے کسقدر اضافہ کرکے اسکو اس رتبہ پر پہونچایا اگر اسلام کی سرپرستی اسکو نصیب نہوتی تو کبھی کا یہ مرمٹا ہوتا۔ سائنس کی تجربہ اور مشاہدہ پر بنیاد رکھکے اسلام ہی نے اسکو اس قابل بنایا کہ اُس سے اِس زمانے مین ایسے حیرت انگیز اور تعجب خیز کام ہوئے۔

مضمون نگار صاحب اسلام کا کوئی ایسا حکم یا مسئلہ پیش کرین جو محققہ مسائل سائنس کی رو سے غلط اور قابل تنسیخ ہو اسوقت بلاشبہ اسلام مورد الزام ہوسکتا ہی۔

جس خوبی سے اسلام نے لوگون کے دنیاوی رسم و رواج کی اصلاح کی ہی سائنس سے ابتک نہین ہوسکی اور نہ ہونا ممکن ہی سائنس ابھی تک اپنی کھیڑون مین الجھا ہوا ہی۔ اسکو خبر بھی نہین کہ بنی آدم اپنے غلط رسم و رواج کے سبب کس قعر مذلت مین ڈوبے ہوئے ہین۔

بلاشبہہ اب بھی دنیا مین اگر قرآن کریم کے اصولون کی احتیاط سے پیروی کی جائے تو اُس منتہاے عروج پر پہونچ سکتی ہی جسکا ہر شخص آرزومند ہی۔

جس قوم نے اسلام کے اصول عارضتاً بھی لیے ہین انکی حالت بے انتہا بہتر ہوگئی ہی اور اس پر کافی سے زیادہ شہادتین مل سکتی ہین۔

ہم تسلیم نہین کرتے کہ خدا کو انسانون کے صرف امور معاشرت [illegible] امور معاش سے اوسے کوئی سروکار نہین بلکہ ہم یہ کہتے ہین کہ اس [illegible] انبیا کو مبعوث کرکے انسانون کی مذہبی اور معاشرتی درستی کے [illegible] اور حکما کا گروہ پیدا کیا لیکن یہ حکمار کی غفلت کا نتیجہ ہے کہ انھون نے اپنے ذمے کے فرائض کی بجا آوری مین سستی اور کوتاہی کی جہان یہ حالت ہوئی وہان پھر خدا نے اُس کی تلافی پیغمبرون کی معرفت کردی۔

ہر ایک سچا مذہب ہر ایک معاملہ مین صداقت کی پیروی کا نام ہی کوئی سچا مذہب صداقت کے برخلاف نہین ہوسکتا۔ سائنس نے جو آج صداقتین دریافت کی ہین مذہب مین بہت مدت پیشتر وہ موجود ہین۔ صداقتین ہی تہذیب و شایستگی کا اصل اصول ہین وہ وید قرآن۔ انجیل اور دیگر مذاہب کی کتابون مین اسیطرح پائی جاتی ہین جسطرح کہ ملٹن نیوٹن شیکسپیر سعدی اور خاقانی کے کلام مین پائی جاتی ہین۔

ہم کب کہتے ہین کہ سائنس کی تعلیم کے واسطے آپ لازمی طور پر کتاب اللہ کی طرف رجوع کرین۔ آپ بلاشبہہ سائنس کی تعلیم نطرت کے درسگاہ سے حاصل کرین ہم تو یہ کہتے ہین کہ کتاب اللہ اور فطرت اللہ کے مسائل سب موافق اور متحد ہین قرآن کریم کا کوئی مسئلہ یا حکم سائنس کے محققہ مسائل کے ایک ذرہ بھر بھی برخلاف نہین ہی۔ تمام رسوم و عادات اور طریقے جو انسانون مین بمقتضاے انکی نطرت کے قایم ہوجاتے ہین وہ ان چار اقسام پر منقسم ہین۔

(۱) جو خدا کی ذات و صفات سے متعلق ہین یعنی اُس قوت اعلیٰ کے وجود سے جسکو انسانون نے بمقتضاے اپنی فطرت کے تسلیم کیا ہے (رسالہ مذہبی کا ثبوت آگے آئے گا۔)

(۲) اس کی عبادت کے طریقون سے جو لوگون نے بمقتضاے فطرت انسانی کی اس کے لیے قرار دیے ہین اور یہی وہ امور ہین جن پر دین کا اطلاق ہوسکتا ہی۔

(۳) وہ امور ہین جو تہذیب نفس انسانی سے علاقہ رکھتے ہین اور جنکو نوع انسانی نے بطور بدیہیات کے حسن یا قبیح قرار دے رکھا ہی۔ مثلاً ریا۔ قتل۔ سرقہ۔ کذب وغیرہ کہ تمام نوع انسانی کے نزدیک قبیح ہین۔ یا جیسے صداقت۔ رحم۔ ہمدردی کہ تمام نوع انسانی کی نزدیک احسن ہین۔

انھین امورات کی نسبت جو طریقے قرار پاتے ہین انکا نام شریعت ہی۔

(۴) وہ امور ہین جو محض حوائج مادی سے تعلق رکھتے ہین وہ دین ہین نہ انبیا کو من حیث النبوۃ اُن سے کچھ تعلق ہی - اس مین وہ تمام مسائل بھی داخل ہین جو علوم و فنون و تحقیقات حقایق اشیا سے علاقہ رکھتے ہین -

ان چار جداگانہ امور کا بحیثیت مجموعی صحیح معیار پر آجانا کمال تہذیب و شایستگی یا سویلزیشن ہے اور اسکی تکمیل کے لیے انبیا اور حکما رمبعوث ہوتے رہے ہین -

اگر ان چارگانہ امور مین کوئی بات خلاف عقل نہو تو انبیا اس مین ترمیم نہین کرتے لیکن اگر عقل کلی کے کوئی امر خلاف ہو تو جو خرابی پائی جاتی ہے انبیا اسکو درست کردیتے ہین اول امور سہ گانہ مین من حیث النبوۃ اور اخیر امر مین بحیثیت ریفارمر - یہان تک کہ عبادت کا جو طریقہ کسی قوم مین مروج ہو اگر وہ عقل کے برخلاف نہو تو قائم رہتا ہی لیکن اگر عقل کے برخلاف ہو تو انبیا اسکو تبدیل یا ترمیم یا تنسیخ کرکے بجاے اُسکے کوئی مستحسن طریقہ عبادت کا قایم کردیتے ہین - مثلاً ہندؤن مین اور بعض دیگر مذاہب مین ایسے طریقے عبادت کے مروج ہین جلسے فطرت انسانی کو نقصان پہونچا ہے - اور وہ اُس غرض و غایت سے خلاف ہین جو فطرت نے انسان کی پیدائش مین مقصود رکھا ہی یا اس سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ پاؤن یا دیگر اعضاے رئیسہ بیکار ہو جاتے ہین اس لیے ایسے طریقے عبادت کے چونکہ عقل و دانش کے برخلاف ہین منسوخ ہو کر مطرود و مردود ہو جاتے ہین -

اسلام کے قواعد و قوانین جانچنے مین یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محمد رسول اللہ کی ذات مین دو حیثیتین تھین ایک تو وہ نبی اور رسول تھے دوسرے وہ قوم مین بمنزلہ بادشاہ کے تھے اور اس لیے اس قوم کے لیے بطور دنیاوی مقنن کے بھی تھے - آنحضرت کا کام جیسا اونکی معاد کا درست کرنا تھا ویسا ہی انکی معاشرت کو بھی صحیح معیار پر لانا تھا اس لیے ہر ایک تنقید کرنے والے کا یہ کام ہونا چاہیے کہ ان حیثیتون کا لحاظ رکھکر اسلام پر نکتہ چینی کرے -

مثالین جو مضمون نگار صاحب نے جن مین مذہب اور سائنس کا اختلاف ہی درج کی ہین

اسلام کی طرف سے انکا جواب ہر ایک مثال کے مقابل درج ہے لیکن بنظر اختصار صرف ہر ایک مثال کا نمبر لکھدیا ہی۔

مثال اول۔ قرآن کا طرز استدلال یہ ہی کہ لوگون کے مسلمات سے بحث نہین کرتا بلکہ اونکے اعتقادون اور ادعانون کو مانکر جو نتیجہ نکلتا ہی وہ مقصود کلام ہوا کرتا ہی۔

جہان جہان قرآن مین خدا نے یہ فرمایا ہی کہ زمین و آسمان و مافیہا کو خدا نے چھ دن مین پیدا کیا اُس سے زمین و آسمان و مافیہا کے چھ دن مین پیدا ہونے کی حقیقت کا بیان مقصود نہین ہے بلکہ مقصود کلام یہ ہے کہ بقول مخاطبین جس نے چھ دن مین اتنا بڑا عظیم الشان کارخانہ پیدا کردیا وہ کیسا صاحب عظمت ہے پس اسیکو مانو اور اُسی کی بلا شرکت غیرے عبادت کرو۔ اس سے سائنس کے اس مسئلہ کی تردید و تصویب مراد نہین ہی کہ کس قدر مدت مین یہ تمام کائنات پیدا ہوئی ۔

کسیقدر مدت مین یہ سب کچھ پیدا ہوا ہو اس آیت مین صرف خدا کا صاحب عظمت و شان اور قادر مطلق ہونا مقصود ہی اسی کے مطابق مصنف تفسیر کبیر نے بھی اس آیت کی تفسیر کی ہی (ولقد خلقنا السموات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب) کہ خدا نے تعالی نے توریت کی شروع مین لکھا ہی کہ اوس نے چھ دن مین زمین و آسمان پیدا کیے۔ اور اہل عرب یہودیون کے ساتھ مخلوط ہو گئے تھے اور ظاہر ہے کہ انھون نے یہودیون سے یہ بات سنی تھی اس گویا خدا نے تعالی فرماتا ہی کہ تم بتون کی پرستش پر مشغول مت ہو کیونکہ تمھارا پروردگار وہی ہی جسکی نسبت تم نے عقلمندون سے سنا ہی کہ بے شک وہ وہ ہی جس نے آسمانون اور زمینون کو بے انتہا عظمت اور بہت بڑی منزلت پر چھ دن مین پیدا کیا ہے۔

اس آیت مین ایک اور لطیف بات ہی کہ توریت مین لکھا ہی کہ خدا نے ساتوین دن آرام کیا چونکہ اسلام کے روسے تھکنا منافی صفات باری تعالی کے تھا اس لیے یہ فرمادیا

"لغوب" یعنی ماندگی اور کسل نہین آیا - قرآن مین ستتہ ایام کا لفظ صرف نقلاً مخاطبین کے اعتقاد یا اذعان کے مطابق آیا ہی نہ بطور بیان حقیقت کے - یہ لفظ مقصود بالذات نہین ہی ستتہ ایام سے اگر چھ زمانے مراد لیے جائین تو سائنس اور مذہب مین چندان اختلاف باقی نہین رہتا کیونکہ زمانے کی تعداد سنین پر محصور و محدود نہین ہی اور کلام عرب مین ایام کا استعمال زمانہ دراز پر ہوتا ہی -

مثال دوم - قرآن مجید سے طوفان نوح کا تمام روے زمین پر آنا اور بڑے بڑے پہاڑون کی چوٹیون پر پانی کا پہونچ جانا پایا نہین جاتا بلکہ قرآن کے رو سے طوفان کا خاص اسی سرزمین مین آنا پایا جاتا ہی جہان پر حضرت نوح علیہ السلام اور اونکی قوم آباد تھی -

مثال سوم اس مثال مین بھی وہی بات ہی کہ لوگون کے اعتقاد یا ادغان کی نقل ہی اس سے آفتاب کے غروب کی حقیقت بیان کرنا مقصود نہین ہی -

مثال چہارم - اسلام نے معجزات اور کرامات کے وقوع کا خلاف قوانین قدرت دعویٰ نہین کیا بلکہ اسلام ایسی باتون سے بری ہے اور فرماتا ہے ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا معجزات کی نسبت اصلاح نمبر ۲ مین بحث کی گئی ہے حاجت اعادہ کی نہین -

مثال پنجم - اس مثال مین سائنس کا دعویٰ ابھی حقایق کی حد تک نہین پہونچا ہنوز قیاس کے رتبہ سے نہین بڑھا - لیکن اسلام نے سوا ے اس فطرتی غلبہ کے جو مرد کو عورت پر حاصل ہی اور کوئی حق مرد کو عورت پر ترجیح کا نہین دیا جو سائنس کے کسی محققہ مسئلہ کے خلاف ہو -

مضمون نگار صاحب نے عورت کو مرد سے وراثت مین نصف حصہ ملنے کو اس کی ذلت کا باعث قرار دیا ہی لیکن نافہمی سے اسکے اصلی بواعث پر غور نہین فرمایا اس کے وجوہات حسب ذیل ہین (۱) بصورت زوجہ ہونے عورت کے وہ اپنے شوہر کی حیات مین

بہت سے ایسے فوائد حاصل کرتی ہی - جو اور کسی وارث کو بمشکل نصیب ہوتے ہین وہ گھر کی مالک ہی وہ شوہر کی کمائی مین جسطرح چاہے تصرف کرنے کوئی دوسرا شخص اسکو مانع نہین ہوسکتا - اسکا شوہر اپنی زوجہ کے خوش کرنے کو ہمیشہ اپنی جائداد سے طرح طرح پر اسکو مستفید کرتا ہی علاوہ اخراجات روزمرہ کے بطور ہدیہ و تحائف کے گران بہا زیورات - پارچیات اور دیگر اشیاء اسکو نذر کرتا رہتا ہی -

(۲) زوجہ کا ترکہ شوہر مین ایک مقررہ حصہ ہی علاوہ مہر معینہ کے اور وہ حصہ ورثاء متوفی کی تعداد قلیل و کثیر کے مطابق کم و بیش نہین ہوسکتا - بصورت اولاد ہونیکے شوہر کے ترکہ مین اسکا ⅛ حصہ ہے علاوہ مہر کے اور بصورت اولاد نہونیکے شوہر کے ترکہ مین اسکا ¼ حصہ ہے علاوہ مہر کے - یہ مہر اور اسکا حصہ دونون صورتون مین ترکہ سے پہلے علیحدہ کرکے پھر ترکہ مابقی دیگر ورثاء مین جو ذوی الفروض نہین ہین تقسیم ہوتا ہی - اسلیے بعض صورتون مین جبکہ شوہر کی اولاد کثیر ہو زوجہ کو اسقدر مل جاتا ہی جو کسی اور وارث نرینہ کو نہین ملتا - کیونکہ باقی ورثاء کا حصہ بعد منہائی مقررہ حصون ذوی الفروض کے تقسیم ہوتا ہی اور متوفی کی اولاد کی کمی بیشی تعداد پر ورثاء دیگر کے حصون کی کمی بیشی منحصر ہے لیکن زوجہ کا حصہ کسی صورت مین کم نہوگا خواہ متوفی کی اولاد کتنی ہو -

(۳) پھر زوجہ اپنے والدین اور دیگر اقارب کے متروکہ کا حصہ پاتی رہتی ہی عورت کا بصورت متوفی کی مان ہونے کے بھی حصہ مقررہ ہی اور وہ بھی کسی صورت مین کم نہین ہوتا البتہ بعض صورتون مین زیادہ ہوجاتا ہی اور اس لیے اگر متوفی کی اولاد کثیر ہو تو جسقدر حصہ کہ متوفی کی مان کو ملیگا اسقدر حصہ دیگر ورثاء کو نہین ملسکتا -

بصورت متوفی کی دختر ہونے کے اگر متوفی کی اولاد نرینہ نہو تو اسکو نصف ترکہ ملیگا لیکن اگر لڑکیان حد سے زائد ہون تو متروکہ جائداد کا دو ثلث انکو ملیگا لیکن بصورت مخلوط

اولاد ہونے متوفی کے لڑکی کا حصہ لڑکے سے بلاشبہہ نصف ہی لیکن لڑکی کو بصورت کسی کی زوجہ ہونے کے وہ سب رعایتین اور فوائد حاصل ہو جاتے ہین جو اوپر مذکور ہوئے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے وراثت کی بارے مین عورتون کے حقوق کا بہت لحاظ کیا ہی۔

شہادت مین دو عورتون کی گواہی ایک مرد کے مساوی رکھی ہو اسمین ذلت کی کوئی بات نہین ہی۔ بلکہ عورت کی جبلی کمزوری کو مد نظر رکھکر ایسا حکم صادر ہوا ہی۔ پھر دوسری عورت کی شہادت تائیدی شہادت ہی۔

چنانچہ قرآن مجید مین ہی کہ اگر ایک عورت اُس واقعہ کو جسکی شہادت وہ دیتی ہی بھول جاوے تو دوسری اسکو یاد دلاوے یہ نہین ہو کہ پہلی عورت کی شہادت ناقابل اعتبار ہی۔ یہ عورت کے حق مین رعایت ہی نہ ذلت۔

باقی تمام امور مین ثواب مین۔ عذاب مین۔ آزادی رائے مین۔ اپنی جائداد کے تصرف مین عورت اور مرد کا درجہ اسلام نے مساوی رکھا ہی۔

جو فرائض عورت کے فطرت نے مقرر کیے ہین کیا ان مین مرد کو عورت پر ترجیح نہین ہے کیا عورت کا بچہ جننا اور درد زہ وغیرہ کی تکالیف کا اٹھانا مردون کے مرجح ہونے کی علامت نہین ہی۔ کیا سائنس والے فطرت پر اعتراض نکرینگے اور کیا سبیل کرین گے کہ یہ تکالیف بحصہ مساوی مرد و عورت مین تقسیم کردین۔

پھر جو کام طاقت اور قوت سے تعلق رکھتے ہین اونکے انجام دینے پر کسطرح سائنس عورتونکو قادر بنا دیگا۔ یہی تفاوت ہی جسکو قرآن مجید نے ان لفظون مین بیان فرمایا ہی کہ الرجال قوامون علی النساء و للرجال علیھن درجہ اس تفاوت کو نہ سائنس مٹا سکتا ہی نہ تہذیب جدید ہمیشہ رہیگا اور قرآن مجید اپنے احکام مین ہمیشہ سچا رہیگا فقط

مثال ششم۔ اس مثال مین بھی مضمون نگار صاحب نے قرآن کو غور سے مطالعہ نہین فرمایا اور صرف کا لفظ دیکھ کر یا سنی سنائی باتون پر کان دھر کے یہ اعتراض قرآن کریم پر وارد کر دیا۔ قرآن کا ہرگز یہ دعوے نہین ہی کہ مسیح علیہ السلام بجسدہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ بلکہ یہ زبان کا محاورہ ہی کہ فلانے کو خدا نے اپنے پاس بلا لیا یا آسمان پر اٹھالیا اس کے یہ معنی ہرگز نہین ہین اور نہ کوئی سمجھتا ہے کہ وہ شخص بجسدہ آسمان پر اٹھالیا گیا ہی اوسکا صرف اسقدر مطلب ہی کہ وہ شخص فوت ہو گیا اور تمثیلا ایسا محاورہ استعمال ہوتا ہی۔ اگر عیسائی مذہب ایسا دعویٰ کرتا ہی کہ مسیح علیہ السلام بجسدہ آسمان پر اٹھائے گئے ہین تو اسکا جواب اس پر ہے۔ لیکن اسلام کا ایسا دعوے نہین ہی بلکہ اسلام مسیح علیہ السلام کی وفات کو فطرت کے قوانین کے مطابق واقع ہونا بتاتا ہی نہ وہ بجسدہ آسمان پر اٹھائے گئے اور نہ سائنس کے اس مسئلہ کی تردید قرآن مجید سے ہوئی۔

مثال ہفتم۔ اس مثال مین مضمون نگار صاحب نے ایک دعویٰ بے دلیل سائنس کی طرف منسوب کر دیا ہے مادہ کے ازلی و ابدی ہونے کی کوئی دلیل درج نہین کی جب تک وہ اسکا ثبوت پیش نکرین نہین کہا جاسکتا کہ یہ محققہ مسئلہ سائنس کا ہی۔

لیکن پھر بھی قرآن کی کسی آیت سے اسکے عدم محض سے پیدا ہونے پر یا اسکے فنا ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہین لائی جاسکتی۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام اس مین اگر نظیر کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ مادہ کا فنا لازمی امر نہین ہے۔

مثال ہشتم۔ اس مثال مین بھی مضمون نگار صاحب نے غور نہین فرمایا۔ قرآن مجید سے انسان کا مٹی سے پیدا ہونا اس اعتبار سے بولا گیا ہی۔ کہ عرب سے وحشیون اور بدوون کے لیے انسان کی بناوٹ کا سائنٹفک مسئلہ انکی سمجھ اور دانش سے بہت ارفع تھا البتہ وہ یہ سمجھ سکتے تھے کہ انسان کی ساخت بتدریج اسی زمین کے مسالہ سے ہوئی ہی۔

اور اس لیے وہی مدارج انسان کی ساخت کی جو قریب الفہم تھے قرآن مین مذکور ہوئے ہین
جیسا کہ اس آیت شریف مین مذکور ہے ہل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن
شیئا مذکورا۔ انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلناہ سمیعا
بصیرا۔ مضمون نگار صاحب نے قرآن پر تو اعتراض کر دیا لیکن یہ نہ بتایا کہ سائنس کا
کا پہلے انسان کی پیدایش کی بابت کیا محققہ مسئلہ ہے اور کس طرح اسنے ثابت کیا ہے۔
صاحب من سائنس ایسے حالات مین خاموش ہے اور "ندانند کہ چون کرد ی آغاز شان"
کہنے کے سوا کچھ نہین بول سکتا۔

مثال نہم۔ کہان قرآن مین موجود ہی کہ آسمان ایک مادی شے ہی جس مین خرق
والتیام ہوسکتا ہی جہان جہان آسمان کا ذکر قرآن مین آیا ہی اسی معنی کر کے آیا ہی جو اسوقت
کے اہل عرب اسکے سمجھتے تھے یعنی وہ لوگ وہ صرف اس نیلی چھت کو جو ان کے سرون پر
ہی لفظ سما سے سمجھتے تھے۔ یونانی آسمان کا انکو خیال بھی نہ تھا اور نہ انھون نے یہ لفظ یونانی
اصطلاح کے معنی ملحوظ رکھکر وضع کیا تھا۔ قرآن بندون کو ریاضی۔ جیالوجی۔ اسٹرانمی یا
اور کوئی علم تعلیم کرنے کو نہین اُتارا گیا۔ ہان فطرت کی ہر ایک چیز سے خدا کی ہستی پر اس
مین استدلال کیا گیا ہی اور کس خوبصورتی سی کہ دل پر نقش ہو جاے۔ ایک جگہ فرماتا ہے کہ
کیا ہمنے تمھارے لیے زمین کو بچھونا یا فرش نہین بنایا اور آسمان کو چھت یا سائبان پس
اس سے نہ زمین کا مسطح ہونا مقصود ہی نہ آسمان کا مادی چھت یا سائبان جب قرآن پاک
نازل ہوا تھا تو اسوقت تمام دنیا مین یونانیون کے یہ غلط مسایل جاری تھی کہ ستارے آسمان
مین جڑے ہوے ہین اور آسمانون کی حرکت کی ساتھ ستارون کو بھی گردش ہوتی رہتی ہی
لیکن قرآن کریم کی اس آیت سے کل فی فلک یسبحون جسکا ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب
مرحوم دہلوی نے یہ فرمایا کہ ہر کوئی ایک ایک گھیرے مین پھرتا ہی اور حاشیہ پر صاف لکھدیا
کہ ہر ایک ستارہ ایک ایک گھیرا رکھتا ہی اسی راہ پر پھرتا ہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ستارے آپ

گردش کرتے ہین یہ نہین کہ آسمانون مین جڑے ہوئے ہین اور نہ آسمان چلتا ہی۔

نہین تو ترجمہ مین شاہ صاحب پھرنا نفرماتے۔ فلک کا ترجمہ شاہ صاحب نے گھیر یعنی دایرہ کیا ہی۔ اقلیدس کا دائرہ نہین بلکہ آربیٹ Orbit کا ترجمہ ہی سر سید مرحوم و مغفور کے رسالہ تفسیر السماوات کا حوالہ دیا جاتا ہی اسکا مطالعہ اس قسم کے جملہ اعتراضونکا کافی وشافی جواب ہی

لفظ عدم علم۔ عدم ثبوت۔ عدم یقین جو چاہین آپ استعمال کرین اور چاہے آپ دہریہ۔ اگناسٹک کسیکا پہلو اختیار کرین لیکن اس سے نہ آپ اور نہ آپکے سائنس دان علماء انکار کرسکتے ہین کہ ایک بالاتر ہستی موجود ہی جس سی جملہ اشیاء کائنات کا صدور ہوتا ہی پس اس ہستی کو جسکی ماہیت کا علم و یقین نہ تو اہل مذاہب کو اور نہ حکماء کو حاصل ہوا ہی نہ ہوسکتا ہی جس نام سے چاہو تعبیر کرو مگر یاد رکھو کہ یہ فقرہ بھی اسکے ساتھ ضم ہی کہ جملہ اشیا کا صدور اُسی سی ہوتا ہی تو بلاشبہہ اُس ہستی یا قوت کو موصوف باوصاف متعددہ ماننا پڑیگا۔ اور یہی خدائے اسلام ہے۔ لیکن اگر وہ قوت ایسی ہوتی اوس سے کچھ صادر نہوتا تو وہ محض بے کار رہتی اور کسی ایسے وجود کا موجود ہونا جو محض بے کار و عبث ہو محال ہے

وجود عالم کے متعلق جو دو رائین مضمون نگار صاحب نے درج فرماکر پہلی کو حامیان مذہب اور دوسری کو دہریون سے منسوب کیا ہی اونمین سی آپ کا اول الذکر رائے کی تردید مین یہ فرمانا کہ مادہ عالم کا عدم محض سے وجود مین آنا ہمارے تجربات و مشاہدات کے منافی ہے ٹھیک ہی۔

بلاشبہہ ایسے واقعات کے ثبوت مین جو انسان کی پیدائش سے پہلے کے ہون اور جن کی کوئی تاریخ موجود نہین ہوتی۔ ایسے دلائل کا جو تجربات۔ مشاہدات یا اقرار پر قایم ہون ملنا محال ہی کیونکہ صرف ایک دفعہ ہوئے ہون اور وہ بھی انسان کی پیدائش سے بہت قبل اور پھر دوبارہ انکا وقوع جب تک وہ قوانین قدرت کے تابع ہین نہین ہوسکتا اس لیے کوئی تجربہ اور مشاہدہ اُن کے وقوع کے ثبوت مین موجود نہین ہوتا۔ مثلاً اس مین

کسیکو کلام نہین کہ سب سے پہلا انسان جو موجود ہوا ہوگا وہ ضرور اس موجودہ قاعدہ کے سوا اور کسی قاعدہ سے پیدا ہوا ہوگا۔ کیونکہ دور تسلسل محال ہی۔ اب مضمون نگار صاحب سے دریافت کیا جاتا ہی کہ آپ بتائین کہ سب سے پہلا انسان کس طرح پیدا ہوا ہوگا اور اسطرح پر اسکے پیدا ہونے کا ثبوت مشاہدات اور تجربات سے کیا ہی کیونکہ اس مین کوئی شک نہین ہی کہ سب سے پہلا انسان اس قاعدہ کے مطابق تو پیدا نہین ہوا کسی اور جداگانہ قاعدہ پر اسکا پیدا ہونا یقینی امر ہی جس سے مضمون نگار صاحب کو بھی انکار نہوگا پس جب ایسی ایک یقینی واقعہ کا ایسا ثبوت موجود نہین ہی تو پھر مادہ کو عدم محض سے ہست ہونیکا ایسا ثبوت اگر مذہب نہ دے سکے تو کیون مذہب مورد الزام ہی۔

بلاشبہ ایسے قیاسی دلائل اس بارے مین موجود ہین اور پیش کیے جا سکتے ہین جو یقینیات تک ہماری رہبری کر سکتے ہین۔ خاکسار نے اس بارے مین تنقید نمبر ۳ کی اصلاح مین جو رسالہ الناظر ماہ جولائی ۱۹۱۰ء مین چھپی ہی وہ دلائل درج کر دیے ہین جو مضمون نگار صاحب دیکھ سکتے ہین۔

کیا یہ خیال ذہن مین آسکتا ہی کہ اتنا بڑا عظیم الشان کارخانہ کائنات کا جو اس نظم و ترتیب سے کروڑون بلکہ اربون شابون سے چل رہا ہی بدون کسی صانع کے خود بخود موجود ہوگیا ہی جب یہ خیال مضمون نگار صاحب یا اور کسی فلسفی کے خیال مین آسکتا ہی تو کیون عدم خلار کا خیال اور کسیکے ذہن مین نہین آسکتا۔ بلاشبہہ عدم خلار کا خیال بھی انھین دماغون مین آسکتا ہی جنکے دماغون مین کائنات کا خود بخود موجود ہوجانا اور لاتعداد مدت تک انتظام اور ترتیب سے چلتے رہنا آسکتا ہے۔

پھر مضمون نگار صاحب ان سب سے گریز کر کے فرماتے ہین کہ آخر اس ہستی مطلق کی علت کیا ہی جب آپ علت و معلول کے سلسلہ کو جو بالکل صحیح ہے منجملہ قوانین قدرت کے مانتے ہین تو اس سلسلہ کا کسی وجود پر ختم ہونا بھی یقینیات سے ماننا پڑیگا کیونکہ دور تسلسل محال ہی

پس جس وجود پر سلسلہ علت و معلول کا ختم ہوگا وہ ذات ہستی مطلق۔ واجب الوجود۔ خدا۔ اللہ۔ گاڈ ہے اور بس۔

حاشیہ پر جو آپ نے ایک لایق عربی دان دوست کا مقولہ لکھا ہی اس سے قرآن کریم پر کوئی اعتراض وارد نہین ہوسکتا اور نہ یہ مسایل ضروریات دین مین سے ہین کہ انکی اقرار یا انکار پر اسلام مین کوئی نتیجہ مترتب ہوسکے۔

اسلام مین خدا کا ماننا ہی صرف فرض ہی باقی امور نسبت تکوین عالم کے ضروریات دین سے نہین ہین اگر آپ خدا کا وجود مانکر کہین کہ مادہ عالم عدم محض سے وجود مین نہین لایا گیا کیونکہ سائنس سے ایسا ثابت ہوتا ہی تو ہم پھر بھی آپ کو دائرہ اسلام سے خارج نہین کرینگے کیونکہ آپ نے کسی ضروریات دین کا انکار نہین کیا۔ لیکن اگر آپ خدا کی ہستی کو تو نمانین اور مادہ کی تکوین کی نسبت یہ کہین کہ یہ ازلی و ابدی نہین ہی بلکہ کسی علت کا معلول ہی اور حادث ہی تو اسوقت آپ دائرہ اسلام سے خارج ہین کیونکہ آپ کو خدا کی ہستی کا اقرار نہین ہی اور اسلام کا اولین اصول یہ ہی کہ خدا موجود ہی اور وہ ازلی اور ابدی ہی۔ اسلام کے اصولون مین یہہ بات۔ ماننا یا نماننا کہ مادہ حادث ہی یا قدیم داخل نہین ہی۔ یہان تک تو تنقید نمبر ۱ کے جواب مین لکھا گیا ہی اسکے بعد اب تنقید نمبر ۲ پر لکھا جاتا ہی۔

تنقید نمبر ۲ کا جواب

حاسہ مذہبی کے فطری نہونے پر مضمون نگار صاحب نے بہت طول طویل لکھا ہی مگر اسکا ماحصل اور خلاصہ یہہ ہی کہ یہ حاسہ فطری نہین ہی بلکہ محض بچپن کی تعلیم و تربیت کا اثر ہے اور اسکی نفی کے دلائل چند یورپین سیاحون کے بیان ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ وحشی قبائل مین مذہب کا خیال تک موجود نہین پایا جاتا چہ جائیکہ اسکو حاسہ فطری کہا جاسکے۔

ان سیاحون کے بیانات کی ماننے کے واسطے پہلے یہ ضروری ہی کہ اس امر کی تنقیح کی جائے کہ یہ وحشی قبائل جنکا سیاحون نے ذکر کیا ہی سورج۔ چاند ستارون۔ زلزلہ۔ کسوف خوف

بارش ۔ رعد ۔ برق ۔ صاعقہ اور دیگر مظاہر فطرت کو جو یکایک خلاف عادت مستمرہ ظہور پذیر ہوتے ہین کیا سمجھتے ہین اور انکے کیا اسباب اپنے خیال ہین قایم کرتے ہین اور ان سیاحون نے اُن وحشی قبایل سے ایسا سوال کر کے کچھ جواب حاصل کیا تھا اور وہ کیا تھا لیکن اگر ان سیاحون نے یہ سوال ان وحشی قبایل سی نہین کیا اور اگر کیا ہے اور انکا جواب ان کے بیان مین مذکور نہین ہے تو ان سیاحون کے مجرد بیان سے ہم کیا نتیجہ نکال سکتے ہین ۔

لیکن اسی سوال کو اگر اب بھی وحشی قبایل کے روبرو پیش کیا جاے تو بلاشبہہ انکا جواب یہ تو نہین ہوسکتا کہ سائنٹفک اسباب اسکے وہ وحشی بیان کرینگے بلکہ وہ بیان کرینگے کہ ان کا پیدا کرنے والا ایک لامعلوم شخص ہی جو بڑا قدرت والا ہی یا وہ جواب دینگے کہ یہی چیزین براہ راست انکی قسمتون کی مالک ہین اور انکی تنگی وخوشحالی کی پیدا کرنے والی اور انکو مصیبت مین پھنسانے والی یا راحت وخوشی کی بحال کرنے والی ہین اور بلاشبہہ انکی خفگی سے بچنے اور انکی خوشی حاصل کرنے کے واسطے کچھ نکچھ رسومات ضرور عمل مین لاتے ہونگے ۔ بس یہی مذہب ہے اور اسیکا نام حاسہ مذہبی ہی ۔ لیکن افسوس ہی کہ مضمون نگار صاحب نے اور ان مصنفون نے جنکا حوالہ دیا گیا ہی اس سوال کا جواب لیے بغیر حاسہ مذہبی کا انکار کر دیا ہم ذیل مین چند مصنفون کی کتابون سے اقتباسات کا ترجمہ پیش کرتے ہین جو لارڈ اویبری صاحب سے زیادہ ذی قابلیت ہین ۔ ان اقتباسات سے معلوم ہوگا کہ حاسہ مذہبی کے فطری ہونے پر وہ کسقدر مستحکم دلائل پیش کرتے ہین ڈیمبیر صاحب کی تصنیف مین سے ایک پیراگراف کا ترجمہ حسب ذیل ہی ۔ مضمون نگار صاحب اسکو اصل سی مقابلہ کرلین اور اگر ترجمہ مین کچھ سقم ہو تو اسکو درست کرلین "فطرت نے ہر ایک انسان کی ساخت مین وہ ذرایع پیدا کئے ہین جو روح کا غیر فانی ہونا اور موت کے بعد آیندہ حیات کا نقش نہایت موثرانہ طور پر انسان کے دل پر منقش کرتے ہین ۔

یہانتک کہ سیاہ فام حبشی خواب مین نظارہ کی مضمحل ہوتی ہوئی شکلین دیکھتا ہے جو شاید اسکی نہایت خوش آیند یاد سے تعلق رکھتی ہین اور ان غیر واقعی تصویرون سے اسکا ما اور کیا نتیجہ سوائے اسکے وہ نکال سکتا ہے کہ یہ تصویرین ایک دوسری زمین کے لوگون کا سایہ ہین جو اُس زمین سے جس مین وہ خود رہتا ہے دور ہے - پھر وقتاً فوقتاً وہ ان اشخاص کی تمثال کو بھی دیکھتا ہے جنکو جب وہ زندہ تھے پیار کرتا تھا یا انسے متنفر تھا اور یہ مظاہر اسکے لیے غیر مشتبہ دلائل روح کی بقا اور غیر فانی ہونے کے ہین -

نہایت عمدہ اور مہذب معاشرتی حالات مین بھی ہم ان مظاہرات کے پیش کرنے سے سبکدوش نہین ہوسکتے - (یعنی یہ مظاہرات ہمکو نظر نہ آئین) اور ان سے ہم بھی وہی نتائج نکالتے ہین جو ہمارے غیر مہذب اجداد نکالا کرتے تھے ہماری مہذب و اعلیٰ تر حالت معاشرت بھی ہمین خود ہماری ساخت کے ان اٹل افعال و اثرات سے کسی طرح بہ اعتبار سے زیادہ سبکدوشی نہین دیسکتی جسقدر کہ وہ ہمین حماقت اور بیاری سے نجات دیتی ہے - ان حالات مین تمام روے زمین کے انسان برابر ہین وحشی ہون یا مہذب ہم سب مین ایک ایسی بناوٹ موجود ہے جو ہمکو نہایت سنجیدہ واقعات کی یاد دلاسکتی ہے جن سے ہمکو سابقہ پڑ سکتا ہے -

اسکو صرف چند لمحات آرام یا بیماری کے درکار ہین جبکہ بیرونی اشیاء کے اثرات مستحکم ہوجاتے ہین تاکہ یہ اپنے مکمل عمل کرنے پر قادر ہو اور ٹھیک ٹھیک یہی لمحات ہوتے ہین جبکہ ہم اُن صداقتون کے سمجھنے کے لیے نہایت عمدہ طور پر تیار ہوتے ہین جو صداقتین ہمکو یہ سمجھاتی ہین -

یہ بناوٹ یا ترکیب اعضا شخصون کا احترام نہین کرتی یہ نہایت سرکش شخص کو بھی تجربہ و نصیحت حاصل کرنے سے آزاد ہونے نہین دیتی اور نہ غریب سے غریب شخص کو ایک اور آنیوالی زندگی کے علم سے تسکین دینے سے باز رہتی ہے - یہ کسی خودغرض شخص یا غرض مند کو تحریک کرنے یا ڈھکوسلا کا موقع نہین دیتی اور نہ اپنے اثر مین کسی بیگانہ یعنی جداگانہ انسانی مدد کی محتاج ہوتی ہے

بلکہ یہ ہمیشہ ہر شخص کے ساتھ موجود ہی جہان کہین وہ جاے۔

یہ عجیب طور پر گذشتہ نقوش کے نشانون سے آیندہ زندگی کی اصلیتون کے کثیر دلائل اخذ کرتی ہی اور نہایت نا غلب منبع سے اپنی طاقت فراہم کرتی ہے یہ نامعلوم طور پر باقی اور غیر فانی آیندہ زندگی کے گہرے یقین کی طرف راہ نمائی کرتی ہی ان خیالات سے جو ابھی پورے ظاہر بھی نہوئے تھے کہ معدوم ہوجاتے ہین۔

Page 135-136. Conflict between Religion and Science by Draper Published in 1896 at London

اب مضمون نگار صاحب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچین کہ روح کی بقا اور آیندہ زندگی کا یقین مذہب نہین تو کیا ہی اور وہ ہماری بناوٹ مین مثل دیگر حواس کی مضمر ہی۔ مذہب کی بنیاد اور اسکا دار مدار صرف روح کی بقا اور آیندہ زندگی کے خیال پر ہے اگر روح کا فنا ہوجانا بمجرد موت واقع ہوجانے کے مانا جاے تو بلا شبہہ نہ کسی مذہب کی ضرورت ہی اور نہ خدا کے ماننے کی حاجت۔ کیونکہ آیندہ زندگی کی خوشی اور رنج۔ عذاب وثواب صرف روح کی بقا پر منحصر ہی اور جب روح ہی فنا ہوگئی اور نہ کوئی آیندہ زندگی ہے تو بلا شبہہ مذہب بالکل بیکار چیز ہے۔

جب روح کی بقا اور آیندہ زندگی کا یقین ہر ایک انسان مین خواہ مہذب ہو یا غیر مہذب وحشی ہو خواہ شہری فطرتی طور پر اسکی ساخت مین موجود ہے تو پھر اسکو حاسہ مذہبی نہ کہیں تو اور کیا کہین یہی حاسہ مذہبی ہی جسکا مضمون نگار صاحب نے اسقدر اصرار سے انکار کیا ہے۔

امید ہی کہ اب مضمون نگار صاحب کو حاسہ مذہبی کے فطری ہونیکا انکار نہوگا کیونکہ یہ ڈریپر صاحب کی کتاب کا اقتباس ہی جو بڑا زبردست حکیم اور یورپ کے اساتذہ مین سے ہے

اور جسکو خود مضمون نگار صاحب نے بڑی تعریف کے ساتھ انٹروڈیوس کیا ہی۔

لیکن اگر وہ اسپر بس نکرین اور مزید شہادت ہم سے طلب فرمائین تو لیجیے وہ بھی حاضر ہے۔ ذیل مین۔

{ Religion, its Origin and Forms } کے صفحہ ۳ سے صفحہ ۷ تک

کا ترجمہ درج کیا جاتا ہی جس سے الکلام کے حاسہ مذہبی کے فطری ہونے کا ثبوت اور ان سب لوگون کے بیانات کی تردید ہوتی ہی جو مضمون نگار صاحب نے عدم وجود خیال مذہب کے ثبوت مین پیش کیے ہین۔

مذہب کی اصل کی مدت سے تلاش ہو رہی ہی۔ بعض اسکی اصل ابتدائی الہام مین پاتے ہین اور اسبات پر کافر۔ یہود عیسائی سب متفق ہین۔

وہ اشیار جو انسان اور ادنی حیوانون مین سب سے زیادہ مایہ الامتیاز ہین وہ یہ ہین کہ انسان مین نفس ناطقہ کا ہونا جس کے سبب سے وہ تعقل کرنے والا وجود ہی اور اسمین لیاقت یا استعداد مذہبی کا ہونا ہی۔

انسان ابتدا ہی سے سوچنے اور تفکر کرنے والا شخص ہے گو اسکو معلوم نہین ہو کہ کیون وہ ایسا وجود ہے۔

Faculty اسیطرح ہم خیال کرسکتے ہین کہ انسان کی مذہبی استعداد یا قوت یا قابلیت ابتدا ہی سے کام مین لائی گئی تھی اور اسنے الٰہی ہستی کے وجود کو جان لیا تھا گو دھندلی نظر سے سہی مگر دیکھ ضرور لیا تھا۔

جب انسان نے اپنے ارد گرد کے مظاہر کا مطالعہ کیا صرف اپنی ظاہری حواس سے ہی نہین بلکہ اپنی اندرونی استعداد اور قابلیت سے تو اسکی مذہبی استعداد نے اُسکو الٰہی تعلقات سے واقف ہی نہین کیا بلکہ سابقہ بھی ڈالا۔

اس خیال کی تائید اس امر واقع سے بھی ہوتی ہی کہ جہان کہین انسانون کا وجود پایا گیا ہی خواہ وہ کیسی ہی وحشیانہ حالت مین ہون اور خواہ انکی قوت مدرکہ نہایت ہی ادنی کیون نہو مگر مذہبی خیالات اون مین پائے گئے ہین لارڈ ایوبری صاحب Lord Avebury کا یہ بیان کہ یہ فرض کرلینا مشکل ہی کہ جو لوگ اسقدر وحشی ہون کہ اپنی انگلیون کو بھی نہ گن سکین وہ اسقدر کافی تر زیرک ہون کہ ان مین کوئی ایسا سلسلہ پایا جائے جسپر مذہب کا نام صادق آسکے۔ انکا یہ قول اب مطرود و مردود ہوچکا ہی ہم ایسے وحشی لوگون مین بھی مذہبی اور اخلاقی خیالات جو عجیب طرح سے ترقی یافتہ قسم کے ہین پاتے ہین۔

جب انسان ہر مقام اور ہر درجہ پر مذہبی رہا ہی تو اس سے اس خیال کی بھی تائید ہوتی ہی کہ ہمیشہ سے انسان مذہبی شخص رہا ہی۔

لیکن اس خیال مین اس بات کا جواب موجود نہین ہی کہ انسان اپنی قوت مدرکہ مین خدا کا جس سے اسکو اسکے مذہبی حاسہ نے واقف کرایا ہی کیا خیال کرتا ہوگا۔ یہ خیال معقول نہین ہی کہ پہلا انسان اپنے قوار کی فطرت سے باخبر یا اپنی شخصیت سے واقف تھا۔ وہ صرف یہی جانتا ہوگا کہ وہ ایک زندہ شخص ہی۔ اپنے وجود مین روح کا احساس کرنے سے اسکو خدا کے روحانی شخص ہونے کا خیال نہین آسکتا تھا۔ غالبًا خدا کو اسنے ایک شخص سمجھا ہوگا خواہ وہ کیسا ہی عالیشان ہو اور انسانی فطرت سے کیسا ہی بالاتر ہو۔ مذہبی حاسہ نے ایسے خدا کی ہستی انسان پر منکشف کرکے اس خدا کو اسکا معبود بنا دیا۔

اس قیاس کی تائید نہایت ادنی درجہ کے وحشیون اور جنگلیون کے مذہبی خیالات کی تحقیقات سے ہوتی ہی۔ متقدم الذکر لوگون مین جہان نہایت اوہام باطلہ کے سوا فطرتًا اور کچھ پایا جانا نچاہیے تھا وہان کام کرنے والا اعتقاد پر تر خدا کا موجود ہی جو خدا بطور قاعدہ کے مکان سے پاک۔ موت سے بری اور حی و قیوم ہی بلکہ موت کے دنیا مین آنے سے پہلے موجود تھا جسنے کائنات اور انسان کو پیدا کیا جسکی مرضی ہی کہ انسان خاص اخلاقی قواعد کا پابند رہے

اور جو اسپر نچلے اسکو وہ سزا دیتا ہی اور موت کے بعد انسان کا ملجا و ماوا وہی ذات ہی۔
ادنی درجہ کے لوگون مین اس اعتقاد کی موجودگی کی شہادت حال کی تصنیفات سے
جو علم الانسان پر تحریر ہوئی ہین پائی جاتی ہی نیز مشنریون اور سیاحون کی تحریرون
مین اسکا ثبوت موجود ہے (اب مضمون نگار صاحب اسکو پڑہکر فرمائین کہ اس سے زیادہ
اور کیا ثبوت حاسہ مذہبی کے فطری ہونیکا اور ابتدائی خدا پرستی کا درکار ہی کیا یہ اس آیت
سراسر ہدایت کی تصدیق کے لیے کچھ کم ہی السنت بربکم قالوا بلی)
لیکن مسٹر لنگ صاحب Mr Lang نے ان واقعات کو تفصیل وار لکھا ہی
جس سے یہ نتیجہ مترتب ہوتا ہی۔ صاحب موصوف یہ بھی تحریر فرماتے ہین کہ یہ خدا جسکو وحشی
لوگ یقین کرتے ہین آنی مزم animism کا پیدا کیا ہوا نہین ہی کیونکہ یہہ
خدا بطور روح کے یقین نہین کیا جاتا بلکہ بطور شخص کے (جس مین متعدد صفات ہون)
جو انسان کی شخصیت سے قریب ہی اور اس لیے یہ خدا روح کے خیال آنے سے پیشتر
کا ہی اور نہ یہ خدا بھوکی اور بھیک مانگنے والی ارواح سے ترقی پاکر خدا بنا ہے کیونکہ اس
خدا کے لیے قربانیان نہین کی جاتین۔

See Mr Lang's "Making of Religion" and the last edition of "Myth, Ritual and Religion" See also "Comparative theory" by J. A Macculloch

اب ان شہادتون کے بعد مضمون نگار صاحب کو چاہیئے کہ اس امر کا اعتراف فرمائین
کہ بلاشبہہ حاسہ مذہبی فطری ہی اور الکلام مین جو استدلال اسپر کیا گیا ہے وہ صحیح ہے
اور انھین شہادتون سے مولانا شبلی کا یہ فرمانا بھی صحیح ہی کہ مادیین کے سوا تمام محققین کے

یہ فیصلہ کیا ہی کہ انسان نے پہلے خدا کی پرستش کی تھی نہ اصنام کی اور مشہور محقق میکس مولر کی کتاب کے حوالہ سے یہ درج کیا تھا کہ "ہمارے اسلاف نے خدا کے آگے اُسوقت سر جھکایا تھا جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکتے تھے۔"

صرف یہی نہین کہ حاسہ مذہبی کا فطری ہونا یا پہلے خدا پرستی کا اس سے ثبوت ہے بلکہ اس امر کا بھی ثبوت ہے کہ قرآن مجید مین نسبت فطرت انسانی کے جو یہ سوال وجواب درج ہی کہ الست بربکم قالوا بلیٰ یہ بھی بالکل سچ اور حق ہی۔

امید ہی کہ مضمون نگار صاحب اب ہٹ دھرمی نکرینگے اور جیسا انھون نے میکس مولر کی کتاب کی موجودگی کا بعد انکار شدید اعتراف فرمایا ہے اُسیطرح ان مسایل کا بھی صدق دل سے اقرار کرینگے۔

مسٹر لینگ Mr Lang نے اس کا بھی مکمل جواب اُسی کتاب مین دیا ہی جسکا حوالہ مذکور ہو چکا ہی کہ ہرگز یہ معبود مشنریون کی تعلیم سے ماخوذ نہین ہوی ان معبودون مین اُس برتر ہستی کا دھیما عکس بھی نظر آتا ہی جسکو حاسہ مذہبی نے فطری ارواح کی پرستش یا یا حیوانات کی عبادت سے بہت پیشتر واقف کیا تھا۔

ایسے خدا کی ہستی کا اعتقاد باشندگان آسٹریلیا۔ انڈیمان۔ جزائر فیجی اور کیٹش مین مین پایا جاتا ہی۔ اُن سے ذرا زیادہ مہذب لوگون مین وہ عقاید جنکو وہم پرستی کہا جاتا ہی۔ بھوتون حیوانون۔ قدرتی مظاہر وغیرہ کی عبادت گو پوری طاقت مین پائی جاتی ہی لیکن جو بات نہایت قابل غور ہی وہ یہ ہی کہ ادنے درجے کے وحشیون مین بھی برتر ہستی کا اعتراف اور اعتقاد پایا جاتا ہی۔ اور وہ برتر ہستی اسقدر بلند ہی کہ اس تک انسان کی رسائی ناممکن ہی اور وہ اسقدر بلند و بے پروا ہے کہ انسانون کا خیال تک بھی وہ نہین کرتی۔ اس لیے اسکو بالکل علٰحدہ او منفرد رکھا جاتا ہی۔

ایک سیموڈیی نے "نوم" کی بابت جو باشندگان آسٹریلیا وغیرہ کے آسمانی خدا کی مانند

ہی یون ذکر کیا "میری رسائی تجھ تک نہین ہوسکتی - میری رسائی سے تو بہت ارفع ہی اور اگر میری رسائی تجھ تک ہو بھی جاے تو بھی مین تجھ سے الحاح و التجا نکرون"

عموماً ایسی نسلون مین اس خدا کی نسبت انکا یہ خیال ہی کہ اُسکی ہستی کا اعتراف کیا جاتا ہی - اکثر اسکو خالق کائنات مانا جاتا ہی - لیکن اسکی پرستش نہین کیجاتی -

بعض حالات مین ایسے معبود دیو مالا کی موضوع قرار پا گئی ہین اور باقی کل حالات مین بھوت اور ہر قسم کی ارواحین انسانون کے حق مین عملاً مفید قرار پائی ہین - اغلباً اس مین اس معمے کی کلید موجود ہے کہ کیون انسانون نے رفتہ رفتہ اُس برتر خدا کو چھوڑ دیا اور اُس سے کم درجے کے معبو دون کی پرستش کا رواج اُن مین بتدریج بڑھتا گیا -

چونکہ وہ برتر ہستی اپنی خود پسند اوقات مین انسان کی رسائی سے ارفع اور نیک ہی نہ تو اسکو نذرانے گزار کر خوش کیا جا سکتا تھا اور نہ اسپر احکام جاری کیے جا سکتے تھے اور نہ وہ انسان کی کمینہ خواہشون کی معین و مددگار ہو سکتی تھی اسلیے جب کائنات کی حیات بخش طاقت نے انسانون کو ایک بہت بڑے گروہ بھوتون اور ارواحون سے واقف کیا تو یہ بھوت اور ارواح انسان کے فائدہ رسان معبود بن گئے - کیونکہ انسان کے سلسلہ خیالات نے اسکو یہ سکھایا کہ وہ معبود اُسکے مساعد ہو سکتے ہین اور اُسکی خواہشون کے برلانے پر بذریعہ نذر و قربانی کے مجبور کیے جا سکتے ہین - اس حالت مین بھی وہ پہلا خدا فراموش نہین کیا گیا - اور اس لیے ایسی نسلون مین جیسے کافر حبشی - باشندگان پاپوان - پولینشیا - اسکیمو - تاتار - باشندگان گھیٹنا وغیرہ جو سب کے سب بھوتون فطرتی ارواحون وغیرہ کی عبادت کرتے ہین اس بالاتر ہستی کا اعتراف کیا جاتا ہی لیکن جیسا کہ وہ بیان کرتے ہین وہ بالاتر خدا انسان کی رسائی سے بہت ارفع ہی اور وہ انسانی معاملات مین مداخلت نہین کرتا اسلیے اسکو نہ قربانیون کی ضرورت ہی اور نہ اُسکی عبادت کی جاتی ہی -

مختلف وحشی قومون مین خدا کی ہستی کے اعتقاد کے ثبوت دیکر وہی مصنف لکھتا ہی -

کہ انسان کے حاسہ مذہبی نے ایک قسم کا توحیدی مذہب شروع کیا جس مین خدا کی روحانی ہستی نہ تھی۔ پھر مختلف اسباب سے انسانون کو موجودگی روح کا علم حاصل ہوا۔ اس نے خیال کیا کہ تمام اشیاء مین ذی حیات ہون یا غیر ذی حیات سب مین ویسی ہی روح موجود ہے جیسی کہ خود اُس مین۔ اس حیاتی فلسفہ نے بھوتون۔ فطرتی مظاہر اور حیوانات کی پرستش کا خیال پیدا کیا اور اس سے ذلیل طریقہ ٹٹی سزم کی طرف رہنمائی ہوئی پھر جس قوم یا نسل مین کثرت الارباب مانا جاتا ہے وہان بالضرور ایک خدا سب خداؤنکا سردار بھی مانا جاتا ہی۔ غرضکہ وہان ابتدائی توحید از سر نو تازہ ہو گئی ہی۔

بعض نسلین اور بہت سی نسلون کے زیادہ بلند خیال دلون نے کثرت الارباب کو چھوڑ کر صرف ایک خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور آخر ش زمانہ کی زیادتیون سے الگ تھلک ہو کر توحید پرستی پر آ گئے۔"

"Religion its Origin and Forms" by J. A. Macculloch Page 17 to the end of the chapter

راقم عطا محمد عفی عنہ امرتسری

"الکلام" کی تنقید

اور

اوس کی تردید

مولوی عطا محمد صاحب امرتسری کا مضمون جو "تنقید الکلام نمبر ۴ کی اصلاح" کے نام سے "الناظر" نمبر ۱۵ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۱۰ء مین چھپا ہی اسکے آخر مین وہ تحریر فرماتے ہین کہ

"اس مضمون کو بہ تسلسل میرے سابقہ مضامین کے جو الناظر کے رسالہ ماہ جولائی ۱۹۱۰ء

مین چھپا ہی۔ پڑھنا چاہیئے کیونکہ اس مضمون مین یہ کر تردید کی گئی ہو کہ واجب الوجود کی ہستی کا اقرار ہی جیسا کہ مین نے سابق مضمون مین ثابت کیا ہی اور ابھی تک اسکی تردید مضمون نگار صاحب نے نہین فرمائی۔

مین نے "طالب علم" صاحب کی تنقید اور مولوی عطا محمد صاحب کے جواب تنقید کو سلسلے کے ساتھ دیکھا ہو میری سمجھ مین جواب تنقید کی تردید اوسی طرح "طالب علم" صاحب پر ضروری نہین ہے جس طرح تنقید کی تردید مولانا شبلی نعمانی پر ضروری نہین ہے۔

مین پہلے بھی قبول کر چکا ہون اور اب بھی قبول کرتا ہون کہ "طالب علم" صاحب "الکلام" کی تنقید مین بہت قابلیت۔ واقفیت اور جودت صرف کر رہی ہین۔ یہ تعریف جو مین لکھ رہا ہون بہ اعتبار علمی مذاق کے ہی جسکو اس سی کچھ مطلب نہین کہ مذہب کیا چیز ہی اور اس پر کیا گذری ہی لیکن دوسری نگاہ سے تنقید دیکھی جائے تو اوس کی وقعت اس سبب سی کچھ بھی نہین رہتی کہ "طالب علم صاحب" اگناسٹک بنکر قلم کو مثل اوس لکڑی کے ہاتھ مین لیے ہوے چلا رہے ہین جو لکڑی کسی نابینا کی ہاتھ مین ہو اور وہ اسکو چارون طرف گھما کر یہ کہہ رہا ہو کہ "اندھے کی داد نہ فریاد۔ اندھا مار بیٹھیگا" تنقید کا لطف تو جب تھا کہ "طالب علم صاحب" مذہب کا قلم سنبھالتے لیکن کسی مذہبی آدمی سے مذہب کے خیالات کو لیکر بیا کی ممکن نہ تھی اس سبب سے "طالب علم صاحب" سے (جن کو شاید کوئی خاص وجہ ہو) سوا اس کے اور کوئی بات بن نہ پڑی کہ وہ اس تنقید کی ضرورت سے مذہب کو خیر باد کہکر اگناسٹک بن جائین تاکہ ہر دلیل کا جواب نفی مین آسان اور ہر قسم کی آزادی کے لیئے قلم کا میدان وسیع ہو جلے۔

میرے خیال مین مولانا شبلی نے "الکلام" سے یہ مطلب نکالنا چاہا تھا کہ سینس کے اثر سے جو پراگندگی طلباء کے مذہبی دماغون مین پیدا ہو رہی تھی وہ دب جاے اس لیے کہ سب طلباء جو انگریزی حاصل کر رہے ہین۔ وہ اگناسٹک نہین ہین۔ لیکن "طالب علم" صاحب نے تنقید سے یہ نتیجہ پیدا کرنے کا ارادہ کیا کہ جتنے طلباء سائنس کو حاصل کرین وہ سب اگناسٹک ہو جائین

مگر مین کہتا ہون کہ ایک اگناسٹک خدا۔ رسول۔ اوتار اور ہر معبود یا مقتدا کو انکار کی لاٹھی سے ہانک کر خود سربن جاتا ہم وہ کسی نہ کسی مذہب اور ملت کی زنجیر سے دنیا مین نہین چھوٹ سکتا۔ اوسکی مثال مثل اوس کپڑے کے ہے جو کسی رنگ مین نہ رنگا جاے لیکن کسی نہ کسی رنگ کے ساتھ ضرور منسوب کیا جائے گا۔ کچھ نہ سہی۔ سپید ہی سہی۔ یہ بھی ایک رنگ ہی انسان کوئی مذہب نہ اختیار کرے مگر سوسائٹی کے طریقون اور ملک کی روشون سے بچکر کہان جاسکتا ہے۔ اوسی طریقے اور اوسی روش کی پابندی مذہب اور ملت کی پابندی ہوگئی۔

جن فلسفیون نے مذہب کو فطرت کی جانب منسوب کیا ہی اونکا مطلب غالبًا یہی ہی ایسے صحرائی باشندے جنکے کانون تک الہامی آواز کبھی نہین پہونچی ہی۔ وہ بھی بود و باش کے طریقون مین ہی کسی نہ کسی خاص قانون کے پابند ہین اور وہی انکا مذہب ہی۔ حضرت "طالب علم" نے تنقید مین جو اعتراض مذہب کے فطرتی تسلیم کرنے پر کیا ہی۔ مین نے اوسکو دیکھکر یہی خیال کیا کہ وہ سطحی نظر سے مذہب کو دیکھ رہے ہین۔

دنیا کی تمام مذاہب الہامی نہین کہے جاتے۔ تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ جس مذہب نے الہامی ہونیکا خلعت نہین پایا ہی کیا اوس پر مذہب کا لفظ نہین بولا جاتا۔ اس کا انکار مشکل ہی تو اسکا اقرار لازمی ہوگا کہ صحرائی وحشیون کی رفتار جسکے وہ اپنے قانون اخلاقی سے پابند ہین۔ مذہب کے احاطے مین داخل ہی اور یون یہ بات تسلیم کرنی پڑیگی کہ فطرت انسان کو ایک نہ ایک صورت سے اخلاق کا پابند ضرور کرتی ہی اور وہی مذہب ہی۔

مولانا شبلی نے "الکلام" مین یورپ کے اون حکمار مذہب کے اقوال کی تائید ضرور قبول کی ہی جنکے قلمون سے مذہب کی خوبی یا اوسکی پابندی کے الفاظ نکلے ہین۔ یہ شکل بھی عام طلبار پر جو کسی مذہب سے لگاؤ رکھتے ہین۔ اثر ڈالنے کے واسطے اچھی ہی اگرچہ وہ ایک اگناسٹک۔ یا دہری کی خیال مین ضعیف ہی کیون نہو۔

جو صورتین مین نے بیان کین انکی لحاظ سے مولانا شبلی کو "طالب علم" صاحب کی تنقید کا

جواب دینا کچھ ضرور نہین ہے اسلیے کہ اگناسٹک جب اصول کا پابند ہی نہین تو جو کچھ اوسکے منھ مین آئے۔ کہی۔ اور جو کچھ اوسکے دل مین آئے قلم سے لکھ دے۔ وہ تو مرفوع القلم ہے۔

اب رہی مولوی عطا محمد صاحب امرتسری۔ اونکی تردید جو تنقید پر اونکے خیال مین حملے کرتی ہوئی نکلی ہی اوس کے سب نمبرون کو مین نے دیکھا۔ میری سمجھ مین (اور مین نے اوس کے سمجھنے مین شاید قصور نہین کیا ہی) وہ ایسی نہین ہی جسکا جواب "طالب علم صاحب" پر لازم ہو۔ وہ اپنی کمزوریون سے خود ہی اپنا جواب ہی۔

مولوی عطا محمد صاحب۔ اسلام کے مذہبی علمار کی تحریرون کو پیش کرتے ہین۔ کہین وہ شاہ ولی اللہ صاحب کی قول کو دو روحون کی تائید مین لاتے ہین۔ کہین وہ شیخ محب اللہ الہ آبادی کا قول جبرئیل اور روح کی متعلق بیان فرماتے ہین۔ کہین وہ واجب الوجود کے تسلیم کرنے والون کے خیالات پر بحث کرتے ہین۔ ان باتون کو مانتا ہی کون ہے "وہ قال" پر جتنی گفتگو فرمائین سب بیکار ہی۔ سائنس تو مشاہدات اور بدیہیات کو لی رہا ہی۔ اور اگناسٹک جو نہ دہری کی دلائل نشو و مادہ کو مانی نہ اسلام کے دلائل خلق و خالق کو۔ وہ مولوی صاحب کی مسلمہ عقائد یا کسی عالم کی خیال کو کیا تسلیم کر سکتا ہی۔

مینی کسی گذشتہ "الناظر" مین "طالب علم صاحب" کی تنقید کو۔ بہت تعریف کی الفاظ سی صرف اس بنا پر یاد کیا ہی۔ کہ علمی معلومات کی لحاظ اور تحقیقی نگاہ کی قوت سی اوسکی بہت حصے اس قدر پر زور اور دلچسپ ہین کہ دل بیساختہ داد دیتا ہی اسکے برخلاف مولوی عطا محمد صاحب کی تردید کو مین دیکھتا تو ضرور ہون لیکن دیکھنے کے بعد صرف اتنا ہی اثر ہوتا ہی کہ کاغذ پر لکھی ہوئی ایک چیز تھی۔ خیر دیکھ لی۔

ایسی تردید کے جواب کا انتظار میری رائے مین کچھ فضول سا ہی اور نہ "طالب علم صاحب" کو اسکی جانب متوجہ ہونے کی ضرورت ہی۔ یہ تو دراصل تنقید کی تردید ہی نہین ہی اسلیئے کہ تنقید اگر آسمان پر ہی تو تردید زمین پر۔

راقم۔ احمد علی شوق قدوائی۔

نظم دلپذیر

بعنوان تقریر نظم سخن | سپاس خداوند چرخ کہن | درود بوخشور یزدان پاک
کہ گردندہ گیتی ازو تابناک | بتردید گفتار یاران دہر | بخورشید طبعم جو پہنای بحر
بیاتا درین شیوہ جانش کنم | سر خصم را سنگ بالش کنم | بتقسیم عقلی جہات وجود
وجوب است امکان بنظر شہود | ثبوتی ز امکان بزور قلم | بخیفی بحکمت چنین زد رقم
کہ عالم ز ترکیب خالی نے است | نیاز مرکب ملخت دی است | ہر آنکو با جزا نیازش بود
بواجب ہمین امتیازش بود | باثبات واجب بذہن متین | بود نور ہان معنی دلنشین
ثبوتی ازو وا نمایم بتو | نقاب از رخش برکشایم بتو | کہ اینک ہمہ سلسلہ کائنات
بود ہست و ممکن بترکیب ذات | ہمہ ہست و ممکن ز بالا و زیر | ز مبدء ز علة بود ناگزیر
اگر علتش درج در نا و راست | تقدم علی نفسہ اظہر است | وگر مبدء بیرون نادر بود
ہمان واجب بندہ پرور بود | بعلم حضوری بسیط جہان | جدا نیست از پرتو جان جہان
زہی جان جان گوہر ذو الجلال | فروزندہ مہر سپہر کمال | ہمہ پاک و پاکیزہ از عیب و شین
معرّا ز تقیید و از کیف و این | بہ تنزیہ گوہر ز تشبیہ پاک | فروغ جہان گوہر تابناک
بجود و عطا ہمچو باران و بحر | بمہر و کرم چہرہ بالاے مہر | پر و بال بکشا تو اے مرغ روح
بزن حلقہ بر در بزور فتوح | در دولت خسرو کائنات | کہ فرش نہان در شیون و صفات
پر و بال بکشا تو اے مرغ جان | سرا پردہ بکشا بزور توان | سرا پردہ دلبر کائنات
کہ حسنش نہان در شیون صفات | ظہور شیونش بہ پہنای دہر | ز مفہوم اسما بود ہشت نہر
مرید و مکون سمیع و بصیر | زہی حی دانا کلیم و قدیر | بر پایان تقریر ختم کلام
رسد بر نبی ارمغان سلام

محمد صدر الدین خان

گلبرگہ

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ آثار پدیداست صنادید عجم را

گلبرگہ! آہ گلبرگہ! - وہ ملکہ امصار جسے سلاطین دکن نے بڑے ناز و نعم سے پرورش کیا تھا - جو ہر وقت پھولون مین لدی ہوئی حسن دلفریب کے ساتھ لباس ظاہری سے آراستہ رہتی تھی - جسکے حسن کی ضو شیراز و قرطبہ تک پہونچتی تھی - جسکے جذب مقناطیسی نے حافظ ویسے ہی جیسے سحبان وطن کو اپنی جانب مائل کرلیا تھا - افسوس! آج اسکی یہ حالت ہے - ! وہ دکن کا نازک پھول بہمنیون کی زندہ٭ لیکن مردہ یادگار -

اے ملکہ امصار تجھے مردہ کہنے کو جی نہین چاہتا - مگر افسوس - مردہ نہ کہون تو پھر کیا کہون - قالب بیشک تیرا وہی ہے مگر روح نہین اے دکن کی ملکہ - دکن کی جان - دکن کی تصویر خوبی - بہمنیون کے باغ کی گلبرگ تر - تجھے کس بیرحم کی نظر لگی - یا کسی ناکردہ گناہ مظلوم کی آہ نے تیری رعنائی و زیبائی خاک مین ملادی جیساکہ اہل شیراز کہہ گیا ہے - ؎ -

بترس از آہ مظلومان کہ ہنگام دعا کردن اجابت از در حق بہر استقبال می آید

این یہ تیری کیا حالت ہوگئی - کیا زمانہ کو اسیطرح کج رفتاری دکھانا منظور تھی - اسلام کے سینکڑون گھر ایک سے ایک بڑھکر تھے جنکا اب نام و نشان بھی نہین رہا - کاش تو بھی انکی طرح باقی نہ رہتی جو آج یہ حالت دیکھنا نصیب ہوتی - جہان قرطبہ اور اوسکے سلاطین کے نام صرف صفحات کاغذی پر رہ گئے ہین - تیری بھی پرانی عظمت و شان صرف کتابون مین

٭ زندہ اسلیے کہ ابتک چھ سات صدیون کے بعد بھی لپنے بانیون کی یاد ہم سیاہ بختون کے دلون مین تازہ کرتی ہے اور مردہ اسلیے کہ اپنی اگلی شان و شوکت کے مقابلہ مین اب محض قالب بیجان کے مانند ہے جسمین کیڑے لگ گئے ہین - گوشت گل گیا ہے - ہڈیان الگ ہوچکی ہین اور پور پور سے بوسیدگی ظاہر ہوتی ہے -

بڑھکر خوش ہو لیتے لیکن اب امین کیا کہون کہ اب تیری کیا حالت ہی کیا کیا باتین تیرے در و دیوار سے سنائی دیتی ہین۔ کلیجہ منھ کو چلا آتا ہی مگر سننا پڑتا ہی۔ ایک طرف سے یہ آواز آتی ہی کہ حسن گنگو میرا بانی تھا۔ میرا نام حسن آباد تھا۔ بارہ بارہ میل ادھر اُدھر میری آبادی تھی۔ قلعہ ناف شہر مین واقع تھا۔ آبادی تھی کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی علما۔ فقہا۔ شجاع و حسین۔ پریچہرہ۔ سبھی طرح کا جمگھٹ تھا۔ لیکن اب کیا ہی۔ جہان قلعہ تھا وہان صرف اس کے آثار منہدمہ باقی ہین۔ کل حسن آباد زیر زمین ہی۔ کہین کھودیئے تو بنیادین نظر پڑجاتی ہین۔ ہاے! کل جو کچھ بھی ہو مگر اب تو شہر خموشان ہی جہان تل دہرنے کی جگہ نہ تھی وہان اب ایک ہو کا عالم ہی۔ حسن آباد کے بسنے والون کے اب تو نشانِ مرقد بھی باقی نہ رہے۔ دو سو سے زیادہ گنبد ہونگے جنمین امرا و سلاطین کی قبرین تھین۔ مگر اب صرف کہین کہین بوسیدہ قبرین بے کتبہ و نشان۔ ان گنبدون مین رہ گئی ہین اور اکثر جگہ تو محض گنبد ہی گنبدؔ زیر گنبد گردان رہگئے ہین۔ قبرون کا پتہ بھی نہین۔ انمین سلفیٹ آف لائم کی استرکاری تھی۔ اور اُسمین خوشخط آیات قرآنی کندہ تھین۔ انکا بھی اکثر جگہ نشان نہین۔ جہان کہین ایک شاہنشاہ کی قبر تھی جسکی دبدبے سے زمین تھراتی تھی۔ یا کسی بیگم کی قبر تھی جسکے حسن جہان سوز نے نورجہان سے زیادہ نام پیدا کیا تھا۔ اب وہان گائے بیل اور گدھے سرگین کرتے ہین تفو بر تو اے چرخ گردان تفو۔ حسن آباد کے پھاٹکون مین سے اب صرف دو پھاٹک باقی رہ گئے ہین ایک جانب شمال۔ سلطان پور۔ نام قلعہ سے چھ سات میل کے فاصلہ پر اور دوسرا ہیرا پور سلطان علاءالدین حسن گنگو بہمنی کی پیاری بی بی ہیرا کے نام سے ابتک ہیرا پور مشہور ہی۔ اے محبت تیرا بول بالا ہو۔ تیرے زخم آجتک تازے ہین اور ہیرا پور تیرے کارنامون مین سے ایک کارنامہ اس ویرانی و تباہی مین بھی ابتک بیان کر رہا ہی۔ درحقیقت تیرا زخم حیات بخش ہی اور تیرے کشتہ کو حیات ابدی حاصل ہوتی ہی۔

حسن آباد کی سرگذشت ابھی ختم ہی نہین ہوئی تھی۔ اور کیسے ختم ہو سکتی تھی صدیون کی کہانی کہین لمحون مین کہی جا سکتی ہی۔ سمندر کہین کوزے مین سما سکتا ہی۔ خیر مین ابھی انھین باتون مین محو تھا کہ قلعہ نے اپنی داستان شروع کی "سنئے میرا نام قلعہ احتشام ہی جوانی مین میرے بڑے دم خم تھے۔ بڑے بڑے شہزور۔ لاؤ لشکر والی بادشاہون کو مین نے ڈھکیل ڈھکیل دیا ہے۔ بڑے بڑے۔ اُلو العزم سلاطین میرے نام سے کانون پر ہاتھ دہرتے تھے۔ بادشاہ مجھے اپنا مامن و ملجا سمجھتے تھے۔ میرے بانی بڑے اچھے تھے اُنکی شانین اور شوکتین مین اپنی منھ سے کیا بیان کرون۔ تاریخین انکی حالات سے بھری پڑی ہین مگر اب میری حالت کو دیکھو اور عبرت پکڑو۔

بیک گردش چرخ نیلو فری　　نہ نادر بجا ماند و نے نادری

مین خاصکر تمسے مخاطب ہون۔ اے بعد مین آنے والو۔ تمپر مادہ پرستی کا بھوت سوار ہی۔ عیش و عشرت تمھارا شعار ہی زمانہ کی گردش سے کانون مین تیل ڈالے پڑے ہو۔ ڈرو اس سے جو وقت ہی آنے والا۔ مین پہلے کیا کچھ تھا مگر اب ایک منہدم کھنڈر ہون۔ جہان نازنینان ماہ پیکر اور شجاعان شمشیر زن میرے آغوش مین آرام کرتے تھے۔ اب وہان چغد و بوم کا نشیمن ہی۔

پردہ داری میکند بر قصر قیصر عنکبوت　　چغد نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

جہان محلات شاہی تھے اب وہان چپل مین اُگے ہوے ہین اور سانپ اور بچھوون کا گھر ہی۔ میرا بالا حصار جہان ایک زمانہ مین توپونکی گرج سنائی دیتی تھی اب وہان خس و خاشاک کا اتنا ڈھیر ہے کہ راستہ نہین ملتا۔ جہان میرے عنفوان شباب مین بادشاہ بیٹھکر نیچے ہاتھیون کی لڑائی دیکھا کرتے تھے اب وہان اگر ہے تو حشرات کا مسکن ہے۔ میری شان و شوکت کوئی بھیئین کے زمانہ مین دیکھتا۔ اب مین کیا بیان کرون۔ لوگ جھوٹا سمجھنگے۔ مگر ہان جو تباہی ہوئی اسکا حال سنکر شاید کچھ باور کر لین اور کیونکر نہ باور کرینگے

جبکہ مین خود صورت حال بنا ہوا اپنی بیتی آپ کہہ رہا ہون۔ بہمنیون کے زمانہ مین جیسی کچھ میری حالت تھی اب اسکا ذکر ہی کیا۔ ان کے بعد قطب شاہیون نے بھی میری آبرو بہت کچھ قائم رکھی مگر مین اسپر قانع نہ تھا۔ اور آٹھ آٹھ آنسو رویا کرتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آگے چل کر اور کیا کیا بپتا بیتیگی۔ قطب شاہیون کے بعد مغلون نے بے توجہی کی اور مرہٹے میرے کپڑے ہی نہین اتار لیگئے بلکہ بدن کا گوشت تک کاٹ کر لیگئے۔ انکے بعد ریاستین ہوئین خود مختار یان شروع ہوئین۔ بالآخر اب شاہ دکن نے اپنا دست شفقت میرے سر پر رکھا ہے خدا اے بزرگ و برتر اوسکا بھلا کرے۔ ایسکے نام سے کچھ میرا بھی نام ہی ورنہ کہان مین اور کہان حوادث ایام!

مین یہین تک سننے پایا تھا کہ قلعہ کے اندر ایک عالیشان مسجد نظر پڑی اور مین بیساختہ اُدہر جھکا۔ مسجد کی سرگذشت بڑی ہی دردناک ہی مجھسے سنی نہین گئی مگر جو کچھ بھی سن سکا وہ یہ ہی۔ وہ کہتی ہی کہ سلاطین بہمنی میرے بانی تھے۔ مین ہو بہو قرطبہ کی مسجد کی تصویر ہون اُسے دیکھنا ہو تو مجھے دیکھ لو۔ سلفیٹ آف لائم کی استرکاری میرا سفید لباس تھی۔ میرے حسن وخوبی کا ایک عجیب عالم تھا جمعہ تو جمعہ کسی وقت میرا صحن مصلیون سے خالی نہ رہتا تھا۔ مگر اب۔ ہائے۔ مسلمانان در گور۔ و مسلمانی در کتاب۔ نماز پڑھنا۔ !۔ یہ انکے لیے بالکل نئی بات ہی۔ یہان آکر عبادت کیا کرینگے۔ میری سمت ہی راست نہین بتاتے۔ مگر کبھی تحقیق کی توفیق نہین ہوتی خبر انسی میری کیا لڑائی۔ مین اب یہی غنیمت سمجھتی ہون کہ اندرونی اگر نہین تو ظاہری حالت میری کسی قدر درست ہی۔ مرہٹہ گردی کی مصیبت آصف جاہ سادس کے سایہ مین اب یاد نہین۔ مگر ہان۔ اب بھی کبھی کبھی زخم لگ جاتا ہے تو جگر تھام کر بیٹھ جاتی ہون۔ میرے روبرو ایک حوض تھا جسکی نظیر تمام ہندوستان مین نہ ملیگی۔ ابھی آٹھ نو برس ہوئے کہ ایک پارسی بچہ نے جو یہان حاکم تھا اسکے پتھر اکھڑوا کر نیلام کرڈالی اور اب کہین غار اور کہین ڈھیر کے سوا کچھ نہین دکھائی دیتا ع۔

قدیمان خود را بیفزا ئے قدر

کے عوض مین ہم نے مسلمانون سے یہ پایا۔ خیر پھر بھی حالت غنیمت ہی اگر اتنی توجہ بھی نہ ہوتی تو مین کیا کر لیتی"۔

اب اس شہر کی کہانی سنئے جسے اس چودھوین صدی ہجری مین ہم گلبرگہ کہتے ہین۔ یہ در حقیقت قلعہ احتشام کی بیرونی آبادی تھی گلبرگہ دراصل حسن آباد تھا جواب زیر زمین ہے شہر کہتا ہے کہ " ہمارا تمھارا خدا بادشاہ۔ ہم بھی کبھی اپنی جگہ پر ناز کرتے تھے۔ خوش تھے کہ بادشاہون کے پڑوسی ہین۔ قلعہ شاہی کی زینت ہین۔ اور واقعی ایک زمانہ تک یہ کیا اس سے بہت کچھ اچھے رہے۔ مگر جب چلی چلنا شروع ہوئی تو ہم کیونکر بچ سکتے تھے بہمنیون کے ساتھ ہماری عظمت و زینت سب نے خیر باد کہا قطب شاہیون نے ہزار آنسو پونچھے مگر نہ پچھے۔ مغلون نے انکے بعد محض ضرورتاً ہم سے تعلق رکھا اور اب ہم ہین کہ عجب کس مپرسی کی حالت مین پڑے ہین۔ ہماری شرکت ہین کہ گویا پتھریلی زمین ہے جو درست ہی نہین ہوسکتی۔ صفائی ہی کہ اسکا کوئی اسلوب ہی نہین۔ مکانات پر ادبار برس رہا ہی۔ ہمارا ایک باغ ہے۔ محبوب گلشن۔ ہائے۔ ایسی نازک چیز کو کیسی متبذل حالت مین رکھا ہی اس زمانہ کے لوگون مین حسن و قبح کسی کی تمیز ہی نہین رہی سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہین۔ ہان کچھ عرصہ ہوا جب نواب اکرام اللہ خان اور عبد الباقی خان صوبہ دار تھے میری باغ مین ہر طرف فوارے اُڑتے تھے۔ سڑکین نہایت عمدہ تھین۔ جگمگاتی روشنی تھی تالاب کے کنارے سبزہ ہی سبزہ تھا اور نہرین بھی رہتی تھین۔ بازار مین بجلی کی روشنی تھی مگر اب ؟ کچھ مت پوچھئے۔ روشنی کا ٹھیکہ دیدیا گیا ہے۔ باغ سخت بے مرمت ہی تالاب کے کنارے کی منڈیر تک گر گئی ہے۔ بس مین کیا کہون۔ نام کو گلبرگہ ہون۔ دراصل بدنام کنندہ نکونامے چند ہون"۔ یہ باتین سنتے سنتے مین دیوانہ ہو گیا۔ قلب پر ہجوم یاس تھا کہ یکایک پورب سے ایک نسیم جان افزا آئی جسنے دماغ کو عرش معلی پر پہونچا دیا اور

بندہ نواز بندہ نواز کی آواز کانون مین گونجنے لگی - بندہ نواز کی جے - یہ ایسی آواز تھی کہ روح تازہ ہوگئی - کہان یہ فقیر اور کہان حضرت بندہ نواز یہ میرے نصیب تھے کہ گلبرگہ اور اوسکے بندہ نواز کی زیارت کرون یہان شان ہی جدا ہے - یہ شان کبریائی ہے - شان بندہ نوازی ہی - یہ انکی شان ہی جنھین حیات ابدی حاصل ہی - جنکی سلطنت جب بھی تھی اور اب بھی ہی - حضرت بندہ نواز کا نام بچہ بچہ کی زبان پر ہی سے

بادشاہِ دین و دنیا حضرت بندہ نواز

آپکا مزار مقدس گلبرگہ کے شمال و مغرب مین واقع ہی - ایک بڑا احاطہ ہی جسمین خانقاہ مبارک ہی اور حضرت کے تمام اعزا و اقربا اور اکثر وابستہ دامانون کے مزار ہین - آپکا روضہ روضۂ بزرگ کے نام سے مشہور ہے اور آپکے پوتے کا روضہ روضۂ خورد کے نام سے - روضہ کے باہر بھی بہت سے مزار ہین جانب غرب ایک مسجد ہی اور اس سے نیچے اُترکر حضرت بندہ نواز کی پرپوتے کا مزار مقدس ہی - یہ وہ مقام ہے جسے سجدہ گاہ ملائک کہنا چاہیئے - اس سلطان دکن کی سلطنت کا جلوہ اب بھی نظر آتا ہی - سنا جاتا ہی کہ ابتداءً حضرت قلعہ کے پس پشت رہا کرتے تھے - محمد شاہ بہمنی کے کہنے پر آپ وہان سے اُٹھ کھڑے ہوی - ایک جوگی آپکا معتقد تھا اور خود اسی جگہ پر رہا کرتا تھا - جہان اب آپکا روضۂ مبارک ہی - یہ جگہ اسنے آپکے لیے خالی کردی اور خود ایک پہاڑ کی چوٹی پر چلا گیا - اسوقت سے یہ مقام آپکی اولاد و احفاد کا مسکن ہی -

حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب عزم دکن فرمایا اوسوقت ایک جلیل القدر بزرگ حضرت سید نارکن الدین تولہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہان بقید حیات تھی - حضرت رکن الدین کی عمر اسوقت سو سے متجاوز تھی اور اسقدر محویت غالب تھی کہ جلد بدن زمین سے چپک گئی تھی اور آپ اُسی حالت بیخودی مین سرشار و مستغرق تھے - حضرت بندہ نواز جب آپکی خدمت مین تشریف فرما ہوے تو آپ تعظیم کو اُٹھے - اوسوقت

جلد پھٹ گئی اور خون جاری ہو گیا۔ حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے کرتے سے پونچھنا شروع کیا اور تکلیف دہی کی معذرت چاہی۔ آپنے فرمایا کہ تم دنیاداروں سے ملنے مین یہی تکلیف ہوتی ہی۔ اللہ اکبر۔ حضرت رکن الدین تولہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار مقدس کے پاس ایک اور مزار ہی جو ایک برہمن بچہ کا ہی۔ کہتے ہین کہ آپ کی خدمت مین ایک برہمن بچہ رہا کرتا تھا۔ وہ اپنے علوم سنسکرت مین کامل تھا اور آپ سے عربی و اسلامی علوم پڑھتا تھا۔ آپ اسپر بہت مہربان تھے ایک مرتبہ اُسنے کہا مجھی اجازت عطا فرمائیے کاشی جی اشنان کو جاؤنگا۔ آپنے فرمایا۔ اشنان کیسا۔ اسنے کہا وہان گنگاجی مین اشنان کرنے سے آدمی پبتر ہو جاتا ہی۔ آپنے فرمایا پہلے مجھسے بحث کرلو۔ تم ہمارے اور اپنے دونون علوم سے واقف ہو۔ پھر جانا۔ اسنے کہا مین بحث و حث نہین کرتا۔ آپنے فرمایا اچھا اگر بحث نہین کرتے تو میری سنو۔ اگر کاشی جی یہین آجائین تو پھر تو نہ جاؤگے۔ اوسنے تعجب سے کہا اس سے کیا بہتر آپنے اسے اپنی چادر کے اندر لے لیا اور خود دیگر حاضرین سے ہم کلام رہے۔ برہمن بچہ نے چادر کے اندر داخل ہوتے ہی۔ یہ دیکھا کہ وہ گنگاجی مین نہا رہا ہی۔ یہی نہین بلکہ وہ وہان نہایا۔ دریا سے نکلکر کپڑے سوکھائے اور دن بھر شہر مین گشت لگایا اور شام کے وقت پھر نہلنے کے خیال سے دریا مین غوطہ لگایا تھا کہ یہان اپنے تئین حضرت کی چادر کے اندر پایا۔ چادر سے اُسی باہر نکال کر آپنے پوچھا کہ اب تو کاشی جی نہ جاؤگے اُسنے کہا کاشی جی جانا کیسا۔ اب مجھے مسلمان کیجیے مگر ایک شرط سے کہ تمام عمر گوشت نہ کھاؤنگا۔ آپنے فرمایا گوشت کھانا ہمارے ہان جزو مذہب نہین ہی بہت سے بزرگون نے ترک حیوانات کیا ہی۔ اور تم کیا۔ لو آج سے ہم بھی گوشت نہ کھائینگے۔ آپنے بھی اُسکی خاطر گوشت چھوڑ دیا حتیٰ کہ اب بھی جو لوگ آپکی مزار پر زیارت کو جاتے ہین اوسدن گوشت نہین کھاتے اور اتفاق سے اگر کھا لیتے ہین تو نہا کر جاتے ہین۔ حضرت رکن الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے زبردست عالم تھے اوقات عبادت کے علاوہ

درس و تدریس مین مشغول رہتی تھی آخر مین جب ضعف زیادہ ہو گیا تو آپنے اُسی لڑکے کو حکم دیا کہ تم پڑھایا کرو اور خود سنا کرتے تھے۔ آخر کار اسی برہمن بچہ کو اپنا حلقہ گر کے آپنے اوس عالم جاودانی مین رحلت فرمائی۔

جانب مشرق حسن آباد مین ایک اور بزرگ کا مزار ہی یعنی حضرت سراج الدین جنیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ آپ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے اور بڑے ذی علم تھے۔ آپکا کتب خانہ کئی لاکھ کتابون کا اوسیطرح بند رہا اور اب اسمین سے کسی کتاب کا نشان بھی نہین ہی۔ آپ حضرت بندہ نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بہت پہلے یہان تشریف فرما ہوے تھے۔ آپکے بعد آپکے پوتے خلیفہ ہوے جو اتنے بڑے ادیب تھے کہ عبداللہ نحوی نے کئی برس آنکے حضور مین انکی شاگردی تہ کیا ہی انکے علاوہ انکے اچھے شاگردون مین سے حبیب عجمی بھی تھے جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے نحویون مین مشہور ہین۔ یہان ایک مقام ہی جہان حضرت بندہ نواز نے آکر چلہ کھینچا ہی۔ حضرت سراج الدین و حضرت رکن الدین تولہ رحمۃ اللہ علیہما کے مزار حسن آباد مین ہین جہان مکانات کی جگہ اب میدان ہی میدان اور تمام جنگل مین اوگا ہوا ہی۔

اُف ! - اے زمانہ - یہ تیرے انقلابات ہین - یہ تیری گردش کی نمونے ہین - ان باتون پر غور کرو۔ سیکڑون ہم سے ہزارون درجہ بہتر آئے اور چلے گئے اور ہم بھی ایسیطرح چلے جائینگے مگر نام زندہ رہیگا صرف انھین بزرگون کا جنھون نے موتوا قبل ان تموتوا کی حدیث پر پورا پورا عمل کیا اور دنیائے دنی پر لات مارکے اوس عالم علوی کی طرف نظر جمائی ہے جہان کا ادنی مشاہدہ ہمارے قوائے مدرکہ اور واہمہ کی منتہائے پرواز سے بھی بلند ہے۔ انھین حیات ابدی حاصل ہوئی۔ انکا انتقال انتقال مکان ہی مسرت کے ساتھ۔ اس شوق مین کہ حبیب کا وصال حبیب سے ہوگا نہ کہ ہمارا سا حال جنکی موت سرتا سر اندوہ و حسرت ہوتی ہے ایسی موت پر ہمارے عزیز و اقربا ہی نہین روتے بلکہ خود ہم آٹھ آٹھ آنسو روتے ہین - لیکن کوئی دیکھ نہین سکتا جو عبرت پکڑے۔

اے گلبرگہ۔ تیرا بول بالا ہو۔ تیرے بندہ نواز کا بول بالا ہو۔ تیرا بندہ نواز ہمیشہ رہیگا
اور تو بھی اسکی نام پاک کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہیگا اگر تجھ مین شاہان سلف کی شان باقی
نہ رہی نہ سہی۔ وہ سب فنا ہونیوالے اسباب تھے۔ مگر تجھ مین وہ گوہر نایاب پوشیدہ
ہی جسکی آب وتاب زمین کے پردہ سفلی کو قطع کرکے اب بھی اس عالم مین اسی طرح
ضو افگن ہی جسطرح آج سے پانچ چھ سو برس پہلے تھی۔ تیری جے! اور تیرے بندہ نواز
کی جے!

راقم "برگے از گل برگہ"

اثبات واجب الوجود

مینے جو سرخی اوپر لکھی ہی یہ ایک نہایت عمدہ کتاب ہی جسکا وجود علم ادب کے عالم
اور مذاہب کی دنیا مین خدا کی شان دکھا رہا ہی اور جس پر مین اسوقت ریویو کا ارادہ کر رہا ہون۔
مذاہب کا لفظ صیغۂ جمع کیساتھ مین نے اس سبب سے لکھا ہی کہ یہ کتاب صرف مسلمانون
ہی کے خدا سے تعلق نہین رکھتی بلکہ وہ تمام مذاہب جو الہامی کہے جاتے ہون یا نہ کہے جاتے ہون
لیکن خدا کو مانتے ہون۔ ان کے لیے اس کی حالت ویسی ہی ایک ہی جیسی سبھون کے لیے خدا کی
ذات ایک ہے۔

کتاب کے قابل مصنف نے جو ایم۔ اے اور منشی فاضل کی ڈگریان حاصل کیے ہوے ہین۔
خود مولف کا لقب اختیار کیا ہی۔ ہان۔ تالیف کی صفت اس سبب سے ضرور صادق آتی ہی کہ زیادہ
تر حصہ اس کتاب کا سینس اور فلسفہ کے ان یوروپین علما اور حکما کی تصنیفون کا کھنچا ہوا
جوہر ہی جو واجب الوجود کی بحث مین اقرار یا انکار کے ساتھ کوئی نہ کوئی حصہ لے چکے ہین۔ لیکن
مین اون کو مصنف ہی کے لقب سے یاد کرونگا اس لیے کہ کتاب کی ترتیب مین خود قابل مصنف
نے اپنی قابلیت اور دماغی قوت کا حصہ اس قدر صرف کیا ہے جسنے تالیف کے جسم کو تصنیف
کا خوش نما لباس پہنا دیا۔

قابل مصنف کے دماغ مین اس کتاب کے مرتب کرنے کا علمی جوش اس سبب سے پیدا ہوا کہ کسی فاضل اور مشہور واعظ نے اونکی موجودگی مین ذیل کی تقریر کی۔

عقلی دلائل سے اثبات ہستی واجب الوجود ممکن نہین۔ صفات باری تعالی بار ثبوت کی متحمل نہین ہوسکتین ان کو طبیعتہً ماننا چاہیے اور عقیدۃً تسلیم کرنا چاہیے۔ ان مین رد و قدح کی گنجائش نہین ہی۔ یہ باتین اسرار مذہب مین ہین۔ اور اگر ان پر عقلاً بحث کیجائے گی تو انکی تائید کی جگہ تردید اثبات کے بجاے انکار کا زیادہ احتمال ہے"

تالیف اور تصنیف کے جوش کی یہ بنیاد خود اس بات کی شہادت ادا کرسکتی ہی کہ ایک ذی علم شخص نے کتاب کی ظرف کو کتنا کن قوتون اور خوبیون سے بھر دیا ہوگا۔ اور کیسی کیسی مضبوط دلیلون سے واعظ کے اوس خیال کی تردید کی ہوگی جسنے اپنی عقل کی کمزوری سے خدا اور اوسکی خدائی کو مذہب کا ایک بھید قرار دیدیا تھا اور جسکا مطلب یہ نکلتا ہی کہ عقل تو نہین مانتی ہے مگر تم خدا کو عقیدۃً مان لو۔

قابل مصنف نے واعظ کے قول سے اختلاف کرکے ذیل کی عبارت سے اپنے علم کی قوت اور عقل کی ہمت کو "اثبات واجب الوجود" پر متوجہ کیا ہی۔

"ہم کو فاضل مقرر (واعظ) کے قول کے تسلیم کرنے کی ضرورت نہین مین چاہتا ہون کہ محض دلائل عقلی سے ذات واجب الوجود کی ہستی کا ثبوت دون۔ کیونکہ میرے نزدیک فی الحقیقت خدا کو ہم مانتے ہی اس لیے ہین کہ عقل سلیم ہمکو اوسکے ماننے پر مجبور کرتی ہی اور تجربۂ صحیح، وہ تجربہ جس پر تمام علوم وفنون انسانی کی ترقی مبنی ہی جو عقلی دلائل کے سوچنے اور ان پر غور کرنے کی قابلیت پیدا کرتا ہی۔ وہی ہم سے اوسکی ازلیت کا اقرار کراتا ہی"

اس عبارت مین "ہم" کے لفظ کا اطلاق جمہور خدا کے ماننے والون پر ہی۔ اور "مین"

کا اطلاق صرف مصنف کی ذات پر۔ قابل مصنف نے "ایمان" پر جو بحث لکھی ہی اوس مین سے مین صرف یہ ایک چھوٹا سا لطیف جملہ نقل کرتا ہون۔

"اگر ایمان یا اعتقاد کے معنی یہی ہین کہ کوئی بات خلاف عقل اور خلاف تجربہ تسلیم کر لی جاے تو یہ کہنا چاہیئے کہ ایمان ایک بے معنی لفظ ہی جو دنیا کی کسی شئے پر صادق نہین"۔

یہ چند الفاظ اپنے وسیع مطالب کے لحاظ سے "اثبات واجب الوجود" کے فلسفیانہ خیالات کو اس جملے مین اوسی طرح لیے ہوئے ہین جسطرح خدا کا ماننے والا خدا کی ذات اور صفات کے یقین کو اپنے قلب مین لیے ہو۔

باب اول مین صفحہ ۱۱ سے صفحہ ۳۰ تک قابل مصنف نے جو بحث "مذہبی اثر" اور جسمانی اثر" پر کی ہی اسکو کہان تک نقل کرون۔ اسکا لطف ذی فہمون کے دیکھنے ہی کا طالب ہی۔ یہان صرف دو سوال اسکے مین لکھے دیتا ہون جن سے بحث شروع ہوئی ہی اور جنکو ملاحظہ فرما کر ارباب ذراست اندازہ کر لین کہ "جسمانی اثر" کی تحت مین وہ تمام محسوسات خارجی داخل ہین جنکو انسان کی کوئی نہ کوئی حس محسوس کرتی ہی۔ خواہ وہ لامسہ ہو یا باصرہ یا اور کوئی۔ ان محسوسات خارجی کو (اگرچہ یہ یقینی ہین) فلسفیانہ حجتون سے اوسی طرح مشتبہ قرار دیا ہے جسطرح مذہب کے منکرون نے "مذہبی اثر" کو۔

"تم مجھ سے کہتے ہو کہ "تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ تمھارے مذہبی اثر محض وہم نہین ہین"
اسکے جواب مین مین تم سے کہتا ہون کہ "تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ تمھارے "جسمانی اثر" محض وہم نہین ہین"

آخری سوال مذہب کے منکرون سے فلسفیانہ بحث کر کے یہ نتیجہ نکالتا ہی۔ کہ یا تو تم "مذہبی اثر" کو تسلیم کرو یا "جسمانی اثر" کے بھی منکر ہو۔

صفحہ ۱۳ مین اثبات واجب الوجود کے واسطے کتنی معقول یہ منطقی دلیل معہ ثبوت کے پیش

کی ہی کہ دنیا کی بہت سی باتون کو ثابت کرنے کے لیے ہمکو پہلے مفروضات عقلی سے کام لینا پڑتا ہی۔ وہ لکھتے ہین۔

''دنیا مین کوئی شے بھی ایسی نہین ہی کہ اوسکی بابت کسی قسم کا علم حاصل کرنے سے پہلے ہم کو بہت سی باتین بلا ثبوت صحیح نہ مان لینی پڑین۔ اقلیدس جسمین ایک خط بھی بے دلیل عقلی نہین کھینچا جا سکتا اس مین بھی بہت سی تعریفون۔ علوم متعارفہ اور اصول موضوعہ کو پہلے سے فرض کرنا پڑتا ہی۔ اسی طرح ہر ایک محسوس یا غیر محسوس شے کی بابت کچھ جاننے کے لیے پہلے بہت سے علوم متعارفہ کی ضرورت ہے''

اس جگہ مجھ اتنا ظاہر کر دینا چاہیئے کہ غیر محسوس شے کے واسطے تو علوم متعارفہ کی ضرورت فوراً خیال مین آسکتی ہی لیکن محسوس شے کو علمی دلائل کی قوت سے مشتبہ قرار دیکر اوسی علوم متعارفہ کی تحت مین لانا قابل مصنف ہی کا کام تھا اور اس سے جو نتیجہ نکالا ہی اوسکا وسیع نقشہ ریویو کے قلم سے جسکا میدان بہت تنگ ہی۔ نہین کھینچ سکتا ہی۔ ارباب فہم نظارے اور دماغ سے کام لین۔ البتہ۔ مین مختصر الفاظ مین اتنا بتائے دیتا ہون کہ اس فلسفیانہ بحث کا حاصل مذہب کے اثر اور خدا کے وجود کا اون لوگون کو عقلاً قبول کرا دینا ہی جو لامذہب بنکر سوا محسوسات ظاہری کے محسوسات باطنی کے منکر بنے بیٹھے ہین۔

صفحہ ۹۲ سے اس کتاب کا دوسرا باب شروع ہوا ہی جسکا حاصل مطلب یہ ہی ''احساس قدرت باری تعالیٰ'' قابل مصنف نے اس باب کو جس عبارت سے شروع کیا ہی۔ اوسکو مین ذیل مین لکھتا ہون جس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہی کہ پہلے باب مین کس قدر علمی قوت سے یہ بات ثابت کی گئی ہی کہ دنیا کی ہر شے کا وجود احساس ہی سے مانا جا سکتا ہی۔ یعنی۔ چاہے وہ احساس باطنی ہو چاہے احساس ظاہری۔ اور یہ اندازہ بھی ہو سکتا ہی کہ دوسرے باب مین ''احساس قدرت'' کی مضبوط اور وسیع عمارت کی تعمیر کے لیئے کس قدر علم کا خزانہ اور عقل کا سامان صرف کرنا ہوگا۔ وہ لکھتے ہین۔

گذشتہ باب کی تقریر سے یہ امر ناظرین کے دلنشین ہوگیا ہوگا کہ دنیا کی ہر ایک چیز کی تصدیق ہمارے چند حواس کی شہادت پر مبنی ہی اور اسی شہادت کی وجہ سے ہم تمام باتون کو بلا ثبوت عقلی اور بلا حجت منطقی تسلیم کرنے پر مجبور ہین۔ اگرچہ خود اس شہادت کی صحت کا اوسکے قابل عمل ہونے کے سوا اور کوئی ثبوت کبھی بھی ممکن نہین۔

قابل مصنف نے "علت معلول کے اہم مسئلے پر جان اسٹیورٹ مل۔ ہیوم۔ اور ڈاکٹر وارڈ کی فلسفہ سے بحث کرتے ہوے صفحہ ۳۴ و ۳۵ مین خود نہایت ہی معقول بحث کی ہی جس کے ایک بہت چھوٹے سے ٹکڑے کو یہان نقل کر کے مین نتیجے کا پتا دیے دیتا ہون۔ وہ لکھتے ہین۔

"علت و معلول کے مسئلے کی متعلق ہم کو کچھ غلط فہمی الفاظ کی غلط استعمال کی وجہ سے بھی ہو گئی ہی۔ عوام ہمیشہ اس بات کا خیال نہین رکھ سکتے کہ اپنی روزمرہ کی گفتگو مین جو لفظ وہ بول رہے ہین وہ اپنی فلسفیانہ پہلوؤن اور منطقیانہ حیثیتون سے بالکل درست ہون۔ عوام ہی پر موقوف نہین۔ یہ غلطی بعض اوقات اہل فلسفہ بھی کرجاتے ہین۔ اور اس سے اکثر معاملات پیچیدہ ہوجاتے ہین۔ مثلاً کسی سے پوچھین کہ پتھر اچھالو تو پھر کیون آپڑتا ہی وہ چھوٹتے ہی کہیگا کہ کشش ثقل کیوجہ سے۔ سوال کیجیے کہ عطر کی خوشبو اتنی پھیلتی کیون ہی وہ جواب دیگا کہ قانون انتشار اہویہ the law of diffusion of gases کی سبب سے۔ مگر حقیقت مین یہ اوسکی غلطی ہی کہ کشش ثقل یا انتشار اہویہ کے قانون کو ان فعلون کی علت فاعلی دیتا ہی۔ یہ درست ہی کہ یہ فعل ان قانون یا ان قاعدون کے مطابق واقع ہوتے ہین مگر ان کی وجہ سے واقع نہین ہوتے۔

یہ بحث علمی دلیلون اور عقلی مثالون کے ساتھ جتنی بڑھتی گئی ہی اتنی ہی پر زور اور دلچسپ ہوتی گئی ہی۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا ہی کہ ان افعال کی فاعل حقیقی اور ان قانون اور قاعدون کی مرتب کرنے والی کوئی زندہ قوت ارادی ہی نہ کہ ذی سوح اشیاء کی کشش وغیرہ۔ اس قوت ارادی کو زندہ اور افعال حقیقی تسلیم کر لینے پر چاہو۔ علت العلل قرار دو چاہو خواہ واجب الوجود یا خدا۔

اسی دوسرے باب مین آگے چلکر سینس اور فلسفہ ہی کی دلیلون سے مادے اور مادئین کے عقائد کی تردید کی گئی ہی جس سے نشو کا مسئلہ باطل اور خلق کا مسئلہ ثابت ہوا ہی۔ فی نفسہ یہی خلق کا مسئلہ ہی جس سے خدا کی خدائی ثابت ہوتی ہی۔

صفحہ ۷۰ سے تیسرا باب شروع ہوا ہی جس مین "حس اخلاقی" کا فطرتی ہونا ثابت کیا گیا ہی اور "یوٹیلیٹی" (Utilitarianism) یعنی مسئلہ افادہ کے حامیون کے خیالات باطل کیے گئے ہین جنکی فلسفہ افعال انسانی کے حسن و قبح کو صرف اون افعال کے مفید یا مضر ہونے پر مبنی کرتی ہے۔

اسی باب مین مل کے خدا پرستانہ اقوال کو جو بہت ہی پر جوش اور دلاویز ہین۔ استدلال مین لاکر "حس اخلاقی" پر جو عالمانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہی اور جا بجا مسئلہ ارتقاء۔ خدا کی حب خیر۔ خدا کی نیکی اور احسان پر جو فلسفیانہ حجتین قائم کی گئی ہین۔ وہ اپنی لطافتون کا جادو ڈالکر دلکو مسخر کر رہی ہین۔

"حس اخلاقی" کے فطرتی ہونے مین کچھ شبہ نہین۔ اور اخلاق کو وسیع معانی مین مذہب بھی اخل ہی۔ اسی بنا پر مینے اون "طالب علم صاحب" کی تحریر کو حیرت سے دیکھا جو مولانا شبلی کی کتاب "الکلام" پر تنقید لکھ رہے ہین اور جنھون نے مذہب کو سطحی نگاہ سے دیکھکر شاید اونھین کتابون کے دائرے مین محدود خیال کیا ہی جو الہامی اور سماوی کہی جاتی ہین۔ حالانکہ مذہب کے معانی بہت وسیع ہین۔ انڈمن کی صحرائی باشندے جو برہنہ پھرتے ہین وہ بھی بود و باش کے طریقون اور شادی و غمی کی رسمون مین کسی نہ کسی اخلاقی اصول کے پابند ہین اور وہی انکا مذہب ہی۔ "طالب علم صاحب" جو اگناسٹک (Agnostic) یعنی شک کے ساتھ خدا کے وجود سے منکر) بن بیٹھے ہین وہ بھی (Agnosticism) کے وصف سے مستثنے نہین ہوسکتے۔ اور یہ بھی ایک مذہب ہی۔

چوتھا باب صفحہ ۱۰۰ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۱۱ پر ختم ہوا ہی۔ اور یہی اس کتاب کا آخری حصہ ہی

اس مین "مصائب دنیوی کی ماہیت" سے بحث کی گئی ہے ۔ اس بحث کی ضرورت "اثبات واجب الوجود" کے لیے ۔ اس سبب سے پیش آئی کہ مسٹر ونوڈرچ بکسلے ۔ اور مل کی فلسفہ جو خدا کے وجود سے انکار کر رہی ہی اوس مین انکار کی ایک یہ دلیل بھی اختیار کی گئی ہی کہ دنیا کے مصائب کو دیکھکر یہ نہین کہا جاسکتا کہ اسکی حکمران طاقت (یعنی خدا) رحیم ہی۔

قابل مصنف نے اس باب مین منکرون کے فلسفہ کو رد اور بعض دوسرے مذاہب کے اون ناقص عقائد کو جو اسی بحث سے تعلق رکھتے ہین ۔ باطل کرتے ہوے جبر و اختیار کے اہم مسئلے کو زیر بحث لیا ہے اور برائیون کا بار انسان کے اختیار پر ڈالا ہے ۔ جہان گناہ اور تکلیف کے فرق امتیازی پر عقلی دلائل سے بحث کی ہے ۔ اور تکلیف کو گناہ سے بہتر ثابت کیا ہی ۔ وہان بے ساختہ دماغ اور دل لطف کے جوش سے بھر جاتے ہین ۔

اب مین اس ریویو کو ان الفاظ پر ختم کرتا ہون کہ فی الحقیقت اس کتاب کی فلسفیانہ بحثین اور اردو کے بہتے ہوے دریا کی صاف اور شفاف لہرین دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہین یہ ریویو کی چھوٹے سے ظرف مین کہان تک سما سکین ۔

اس عمدہ اور یہ کار آمد کتاب کے مصنف حضرت مفتی محمد انوار الحق صاحب ۔ ایم ۔ اے منشی فاضل ہین جو بالفعل ریاست بھوپال مین چیف سکرٹری کے معاون اور صیغہ تعلیمات کے اعلی کارکن ہین ۔ حق یہ ہی کہ اون کو اس کتاب کی تصنیف مین پوری کامیابی ہوئی ہے اور قوم اون کے اس احسان سے سبکدوش نہین ہوسکتی کہ انھون نے اپنی دماغی قوت اور علمی جودت سے خدا کی قدرت کا کرشمہ دکھا کر اردو علم ادب کے خزانے مین ایک انمول موتی کا اضافہ کیا ہی ۔

کتاب مطبع آگرہ کی چھپی ہوئی بہت صاف ۔ کاغذ سپید نہایت عمدہ اور قیمت فی جلد عمر ہے تاج محل بھوپال کا پتا لکھکر حضرت مصنف سے مل سکتی ہی ۔

راقم احمد علی شوق ۔ قدوائی ۔

غزلیات

ہوگا حبیب خالق سمجھا یہ راز تیرا — کیون تجھ پہ یون ہے مفتون وہ پاکباز تیرا
اسریٰ کی شب کو تجھسے کی دید کی تمنا — گو حاجتون سے اب ہی وہ بے نیاز تیرا
مخلوق مین ہوا انسان تیری سبب مشرف — دین مین کیا ہوا ہی یہ سرفراز تیرا
ہی انتہائی شفقت اُمت پہ اے شہ دین — خالق سے کم کرانا وقتِ نماز تیرا
کیونکر نہ ہوگی ہمکو بخشش مین کامیابی — تو کارساز امت حق کارساز تیرا
طوفانیان بحر قہر و عتاب حق کو — تو ناخدا ہے برتر دین ہے جہاز تیرا
تو ہی مشیر خالق دیتا ہی یہ شہادت — شاہا پئے شفاعت ہونا مجاز تیرا
تیرے سبب ہوا ہے یہ افضل الممالک — ہوگا نہین منت ملک حجاز تیرا
ذہن بشر کو کیونکر وان تک ہو پھر رسائی — رتبہ کیا ہی حق نے غیر امتیاز تیرا
زیر لوائے محمود اوسکو خدا اٹھاتا — ہوتا کہین جو اے شہ بندہ ایاز تیرا
اسریٰ کی شب کو پوری تیری ہر آرزو کی — اللہ نے اُٹھایا کیا کیا ہے ناز تیرا
کیا بیم حشر جسکا اُمت نواز تو ہے — او رغا فِر الخطایا بندہ نواز تیرا
شکر خدا فصیحا ہی نعت مصطفےٰ مین — توصیف کا نرالا طرز و طراز تیرا

ہمارے سامنے بلبل نواسنجِ فغان کیون ہو — چمن مین بے زبان اہلِ زبان کا ہمزبان کیون ہو
تکلم خیز ہے ہمدم مرا انداز خاموشی — بیان دردِ دل منت کشِ تابِ بیان کیون ہو
تماشائے مظاہر ہے گل دامان نظارہ — عیان ہو جو چمن پیرا وہ آنکھون سے نہان کیون ہو
ہوا جو خاک جلکر آگ آتش مزاجی سے — رہین برق وہ سوز آشنائے جاودان کیون ہو
نہین جب اعتبار انکو مرے افسانۂ غم کا — یہ قصہ امتیاز آرائے ظرفِ رازدان کیون ہو

ستم بھی مشترک ای وائے غیرت اور ناکامی
عدو کو آزمانا ہی تو میرا امتحان کیون ہو

جسے بیتاب کر دی اک نگاہِ ناز کی بجلی
وہ دل رہنِ فریبِ عشقِ صبر آزما کیون ہو

حرم اور دیر کیا کم ہین عدو کی جبہہ سائی کو
یہ داغ اے بت لگی جسکو وہ تیرا آستان کیون ہو

نہین جب کوئی مطلب خرمنِ ہستی سے حاسد کو
تو نذرِ برقِ نالہ کشتِ زار آسمان کیون ہو

کوئی پہلو جفا کا ہو نہو اسمین بھی ہی مضمر
یہ آج امید پہ آخر تم اتنے مہربان کیون ہو

نہ آئیگی مجھے زیر لحد بھی نیند راحت کی
کہ بعد از مرگ بھی اک فکر باقی ہی قیامت کی

یہی حالت رہی گر حشر مین بھی دستِ وحشت کی
عجب کیا دھجیان اوڑجائین دامانِ قیامت کی

دیا ہی غسل ہم کو آبِ تیغِ قاتل نے
ہماری لاش کو حاجت نہین ہی غسلِ میت کی

مین وہ دردآشنا ہون کچھ جگہ پاتا اگر دلمین
خدا سی اور حاجت پیش کرتا داغ حسرت کی

کفن سے منھ چھپا کر لوگ کیا جاتی ہین دنیا سے
پس مردن اگر سوجھی تو کیا سوجھی ندامت کی

مریضِ عشق ای عیسیٰ اب اچھا ہو گیا مر کر
لحد مین دیجئے جا کر مبارکباد صحت کی

ہری ہو تیر باران بلا سے کشتِ دل اپنی
اگر مانگون مین رو رو کر دعائین ابر رحمت کی

تجلی طورِ سینا کی ہی تیرے مستفیضون مین
ترے نقشِ کفِ پا پر ید بیضا نے بیعت کی

مثالِ شیشۂ فانوس ہی سنگ مزار اپنا
اوجالا ہی لحد مین روشنی سی شمعِ تربت کی

طوافِ کعبہ وسعیِ صفا مین سخت چکر ہے
تری کوچے سے سیدھی راہ ہی گلزارِ جنت کی

درِ مسجد پہ نا و نوش کی محفل جو قائم ہے
ترشح ہو رہی ہی دو پہر سے ابر رحمت کی

جہان ملتے ہو خنجر ہاتھ کے بدلے اٹھاتی ہو
کہان سیکھی ہی تم نے یہ ادا صاحب سلامت کی

غلام احرار ہوتے ہین خصوصاً پیشہ سنی سے
عجب اعجاز رکھتی ہی ادا صاحب سلامت کی

شہیدِ عشق کو ہر وقت نظارہ ہی جنت کا
کہ ہر زخم دل صد چاک اک کھڑکی ہی جنت کی

کسی کی ابروئے پرخم نے زاہد مجھکو مارا ہے
مری مٹی سے ہو تعمیر محراب عبادت کی

دفورِ ضعف سے اُلجھا رہا ہی گریبان مین | وہ جوشِ جنون کرنا ہمارے دست وحشت کی
طریقے پر چلے کسدن نہین ہم قیس وامق کے | بتاؤ ہم نے شرع عشق مین کس روز بدعت کی
بتا واعظ کہان پائینگے ایسے خوبرویوں کو | اگر حورین بھی ہونگی تو نہونگی ایسی صورت کی
ترقی تو نہین ہوتی طبع تمنا مین | مگر ہان روز افزون ہو رہی ہی تنگ طبیعت کی

لیڈیز کانفرنس

ذیل کے مضمون کے لیے ہم الناظر کے ہموطن کرمفرما مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم کے ممنون ہین کہ اونھین کی توجہ اور توسل سے یہ بیش بہا خیالات الناظر کی زینت افزا ہوے ہین - مولانائے ممدوح نے اس مضمون کو بھیجتے ہوے اپنے گرامی نامہ مین مسز حیدر جنگ کا تعارف ان الفاظ سے فرمایا ہی -

"مین آپ کو ایک ایسا مضمون روانہ کرتا ہون جو رشحات قلم بانوے محترم مسز حیدر جنگ بہادر ہے جنکی علمی لیاقت پر خاتونان اسلام فخر کرین تو بجا ہے - انگریزی و اردو کے علاوہ عربی و فارسی زبان مین بھی دست و قلم ہین - ادب انشا مین کامل دستگاہ ہونیکے علاوہ علوم سیاسی و تمدنی مین بھی صاحب رائے ہین اور حدیث و تفسیر مین بھی صاحب نظر جس طرح ہکسلے اور ڈارون - اڈیسن اور میکالے کی تحریرات سے واقف ہین - اوسی طرح سعدی - خیام اور ابوالفضل کے مقولات پر بھی عبور رہے مستورات مین کون ایسا ہوگا جو شیکسپیر اور میرانیس کی ٹریجڈی مین موازنہ کرسکے اور فردوسی اور امرؤ القیس کی نواسنجی سے بھی بیگانہ نہو - رسالہ الناظر مین جو مستورات کی تہذیب اخلاق و ترغیب علوم و فنون کے [illegible] مین اکثر نظر سے گذرے اس سبب سے اس بحث مین تفصیل خامہ فرسائی کرنا [illegible]

جناب من آپکا قابل قدر رسالہ وصول ہوا جسکے مطالعہ سے نہایت سرور ہوا تاخیر جواب کی وجہ یہ ہی یہان چھوٹے بڑے سب علیل تھے کسی کو ز کام کسیکو بخار میری تو وہ مثل ہی کہ ع اے گرفتار پائے بند عیال ؛ دگر آزادگی مبند خیال ؛ جب تک انسان دنیا کے جھگڑون مین نہین پڑتا اُسکا دماغ صاف رہتا ہی۔ اور عقل مکروہات کے گرد و غبار سے پاک رہتی ہی مگر جس وقت خانہ داری کے بکھیڑے مین پڑا پھر لون تیل لکڑی کے سوا کچھ نہین رہتا۔

آپکی کانفرنس قائم کرنیکی تجویز بیشک بہت قابل تحسین ہی اسمین بیشمار فائدے ہین۔ یہ کہنا چاہیئے کہ ایک قسم کا حج ہی

جسطرح شارع اسلام نے حج کے قیام مین ایک بہت بڑا اصول یہ رکھا ہی کہ ہر سال تمام دنیا کے مسلمان ایک جگہ جمع ہون جس سے مسلمانونکی تعداد کا کچھ اندازہ ہو اور باہم اخوت اور محبت قائم ہو۔ اور صدہا طرح کے اور فوائد بھی اسی قسم کے اس سے حاصل ہون۔ میرے خیال مین اسیطرح عورتونکا بھی کانفرنس مین شامل ہونا اور انکی واسطے علیحدہ انتظام ہونا ایک بڑا قدم ترقی کی راہ مین بڑھنا ہی اور ایک چھوٹے سے حج کا قائم کرنا ہی۔ جو تعلیم یافتہ بی بیان ہین اگر اس کو ایک تمدنی رسوشل) حج سمجھکر سال مین ایک دفعہ جمع ہوا کرین تو بلا شبہہ بڑی ترقی کا باعث ہوگا اور آپسمین عورتونکو بھی ایک دوسرے کی ملاقات سے بڑا فائدہ ہوگا اور بہت کچھ اخلاق پر اسکا اچھا اثر پڑیگا ہر ایک دوسرے سے کچھ سیکھے گا۔

ہمارے یہان کا دستور تو آجتک یہی رہا ہی کہ مردون مین کتنی ہی دوستی کیون نہو عورتون کی آپسکی ملاقات وہی گاہے ماہے ہوا کرتی ہی کسی تقریب شادی یا غمی کے سوا ایک دوسرے کے یہان جانا ایک قسم کا ہلکا پن سمجھا جاتا ہی۔ اس قسم کی پابندی مین اگر کانفرنس کی بنا ڈالی جائے اور عورتین سفر کر کے ایک شہر سے دوسرے شہر کو قومی کام کے لیے جائین تو سبحان اللہ بیشک یہ بات انکے دلون مین قومی جوش پیدا کریگی اور انکو اپنے نسبت بھی خیال بہتر پیدا ہوگا

ابھی تک تو ہمارے خیر خواہ اور پیارے بھائیون نے ہمکو یہی سمجھا کر گوشہ نشین کر رکھا ہی کہ تمکو خدا نے کھانا پکوانے اور کھلوانے کو پیدا کیا ہی اور یہی چار دیواری تمھاری دنیا ہی اب اگر ہمارے سامنے یہ کہا جاے۔ جیسے آپ فرما رہے ہین کہ چار دیوار کو چھوڑ کر باہر قدم رکھو اور قومی و تعلیمی مسئلون مین اپنی رائے بھی ظاہر کرو تو بیشک اس خوشخبری سے ہم پھولے نہ سمائینگے اور سمجھینگے کہ ہم بھی کچھ ہین جسکا اثر ظاہر ہے کہ طبیعت پر بہت کچھ ہوتا ہے۔

یہ عجیب بات ہی کہ انسان کی طبیعت پر دوسرون کے حسن ظن کا بہت بڑا اثر ہوتا ہی دو بچون کو لے لیجیے ایک کو اگر ہر وقت میان صاحبزادے کہکر پکارا جائے اور دوسرے بیچارا چھوکرا کہلایا جائے اور حقیر سمجھا جاے تو پہلا اپنے کو معزز اور دوسرا اپنے کو حقیر سمجھے گا۔ یہی حالت عورتون کی بھی ہی قرنون سے وہ اپنی برائی سنتے سنتے اسکی ایسی عادی ہو گئی ہین کہ اب اگر انکو کوئی بطفیل انگریزی تعلیم کے اچھا بھی کہتا ہی تو وہ سمجھتی ہین کہ انکو بناتا ہی۔ اور خودداری کا مادہ انکا اسقدر زایل ہو گیا ہی کہ اپنی مذمت خود کرنے مین انکو کوئی تامل نہین ہوتا غلامون اور کنیزون مین جو خاص ناپسندیدہ صفات پیدا ہو جاتے ہین انکا بھی یہی باعث ہے۔

عورتون کی تعلیم ہو یا نہو اس سوال کا تو ایک ہی جواب ہر ذی عقل کے نزدیک ہو سکتا ہی کہ ہو اور ضرور ہو۔ مگر مشکل مسئلہ یہ ہے کہ کسی قسم کی تعلیم ہو یونیورسٹی کا کورس مثل مردون کے انکو بھی پڑھایا جاے یا صرف تھوڑی سی انگریزی فارسی پر اکتفا کیجاے میری رائے ناقص مین قبل اسکے کہ کوئی تصفیہ تعلیم کی نسبت کیا جاے۔ تربیت کی طرف پوری توجہ ہونا چاہیے۔ عورتون کے لیے بڑی چیز تربیت ہی ہی اور اسکی خوبی یا برائی پر انکی آئندہ زندگی کا دارومدار ہے۔ اور اچھی تربیت ماں باپ کے اختیار مین ہے سچائی۔ رحمدلی۔ نمگساری۔ بے غرضی۔ نیکی یہ سب باتین بچہ دیکھکر سیکھتا ہی۔ اور یہی

اصل بنیاد ہی۔ یہ اگر اچھی ہو تو سبحان اللہ ورنہ تعلیم کچھ اثر نہین کرتی۔ تھوڑی سی انگریزی فارسی پڑھکر تعلیم یافتہ کہلانا۔ نیم حکیم خطرہ جان کا مصداق بنتا ہے۔ یونیورسٹی کی تعلیم میرے خیال مین عورتون کے لیے موزون نہین۔ اسلیے کہ میرے خیال مین وہ ایک ایسا کورس ہی جو نہایت پریشان کنندہ خاطر ہے جسمین بہت اصلاح کی ضرورت ہی۔ عورتین جو ابھی تک علم و فضل کی عادی نہین ہوئی ہین تھوڑی سی نوشت و خواندمین "ہم چو من دیگرے نیست" کے خیال مین اکثر غلطان و پیچان ہو جاتی ہین اور ان مین وہ عیوب پیدا ہو جاتے ہین جنکو مین یہان بیان کیے بغیر نہین رہ سکتی مگر مین امید کرتی ہون کہ میری ذی فہم بہنین اس صاف گوئی سے برا نہ مانینگی ع من انچہ شرط بلاغ است باتو می گویم: تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال۔

ایک تو یہ کہ اپنے سے کم لیاقت بی بیونکو بنظر حقارت دیکھنا ادنی سی باتون پر نکتہ چینی و اعتراض کرنا۔ مثلاً کوئی بہن جو سادہ مزاج ہی یا آجکل کے حسن افزا طریقون سے ناواقف اور بناؤ سنگھار کے فن سے بے بہرہ یا سادہ پسند طبیعت ہونے کی وجہ سے ایسی چیزون سی تنفر ہی اوسکی سادگی پھر معترض ہونا اور کسی کی باتون اور کسی کے کپڑون کی نسبت اس قسم کی نکتہ چینی کرنا جو باعث اذیت و رنجیدگی خاطر ہو۔ اس قسم کے سوال کرنا کہ آپ ایک ہی لباس کیون ہمیشہ پہنتی ہین یا ایک ہی زیور مین کیون ہمیشہ نظر آتی ہین۔ یا کسی کلب یا مجمع مین کم معاش و متوسط الحال لوگون کی بی بیان مالدار بی بیون کی حرص کرکے لباس و زیور مین زیادہ اپنی حیثیت سے خرچ کرین اب مسلمانونکی مالی حالت ایسی نہین ہی کہ دوسری متمول۔ دولتمند فارغ البال قومونکی روش کو اختیار کرین۔ سیکڑون ہزارون صرف نمود اور ظاہرداری مین خرچ کرڈالین۔ اگر ہم مہذب طریقے اختیار کرکے اس قسم کا اسراف کرین تو پھر پرانی رسمونکا رونا کیون روئین۔ پرانی رسمون مین پھر بھی اقتصاد و کفایت کا اصول مدنظر ہے ہر گھرانے خاندان کے میراثی صدہا سال سے نسلاً بعد نسلاً ہوتے آتے ہین جیسے

چوڑی والی۔ درزی۔ لوہار سنار کمہار جنکو شادیون مین امید لگی رہتی ہو اور سبھون سے ان سب کا فائدہ ہوتا ہی۔ مثلاً کمہار سے ضرور ہی سیکڑون گھڑے ٹھلیان طباق ساچق کی رسم کے لیے لینا ہوتا ہی جسمین کمہار غریب کا بھلا ہوجاتا ہی۔ اسیطرح اور سب رسمین ہین کسی چیز کو صرف اسلیے اختیار کرنا کہ دوسرے کرتے ہین محض عامیانہ تقلید ہی۔ ممکن ہی۔ جو دوسرون کے لیے مفید ہو ہمارے لیے مضر ہو۔ ہمکو اپنی اصلاح تمدن میں اپنے ملک کی آب وہوا اور رسم و عادات کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اور ہمیشہ اپنی مالی حالت کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ ہمارے اوپر ہمارے غریب بھائی بہنونکا حق ہی۔ ہمکو اسراف کرنا کسیطرح جائز نہین۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْن۔ اگر خرچ سے بچے تو بطور زکوٰۃ ہم تعلیمی امداد مین دین اور اپنی قوم کی حالت کو بہتر کرین نہ کہ عیش و عشرت مین اوڑائین۔

سب سی اہم سوال جو غور طلب ہی وہ پردہ ہی۔ بیشک پردہ مین بہت سے نقصان ہین مگر بےپردگی و آزادی کے بارے مین کہا جاسکتا ہی کہ اثمہما اکثر من نفعہما۔ جیسا کہ شراب اور جوے کے بارے مین خدا نے فرمایا ہی۔ ہمارے یہان کی مستورات ابھی آزادی کی عادی نہین۔ اور دفعۃً آزاد ہونے مین انکا چندان فائدہ نہین۔ اس لیے کہ ہمارے یہان کوئی قاعدہ بےپردگی کیساتھ پھرنے کا بندھا ہوا نہین ہی۔ پہلے ہم اپنے لیے ایک دستور العمل بنالین اور اوسکی سختی کے ساتھ پابند کرائین۔ پھر پردہ چھوڑنیکا نام لین انگریزونکے یہان بہت سخت قاعدہ کی پابندی ہی۔ کبھی لڑکیان کسی بن بیاہے شخص کے گھر مہمان نہین رہتین اور اسیطرح کی ہزار باتین ہین بن بیاہی لڑکیان مردون کے ساتھ بلاکسی بوڑھی بڑی عورت کے نہین بیٹھتین یا ساتھ نہین نکلتین۔ آزادی اختیار کرنا اور ان سب قواعد کی پیروی نہ کرنا۔ اس مثل کا مصداق ہوگا۔

زاغے روش کبک دری مے آموخت

لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ کے نقص برحق ہین ایک بہت بڑا حکیمانہ نکتہ مخفی ہی حقیقت مین اگر مسلمان قرآن کو سمجھین اوراس سی فائدہ اٹھائین تو اس سی بہتر کوئی دستور العمل نہ اونکے نہ اور کسی قوم کے لیے ہوسکتا ہی۔ کوئی حکم اور کوئی حرف قرآن کا ایسا نہین ہی جس مین رد وبدل کی ضرورت ہو۔ کوئی مذہب دنیا مین ایسا نہین ہی جسنے انسان کے نفس کو یہ عزت بخشی ہو اور انسان کو فرشتہ سے بڑھ کر درجہ دیا ہو۔ کل مذاہب کا یہ طریقہ رہا ہی کہ انسان کے نفس کو ناپاک اور بدتر از سگ سمجھین۔ اور اسکے دبانے اور زیر کرنے کے لیے طرح طرح کے ریاض کرین ہندو ایک پاؤن پر کھڑے رہتے ہین اور صدہا طریقے نفس کشی کے اختیار کرتے ہین بدھ مذہب والے نصاریٰ اور یہود سب کا یہی حال ہی مگر اسلام نے برعکس اسکے یہ سکھایا ہی۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه
عورتون کے حقوق کو سب سے پہلے اسلام نے سمجھا اسلام سے ساری دنیا نے سیکھا
مہر خود ایک بہت بڑی چیز ہے جو عورتون کے واسطے اسلام نے مقرر کی۔ خواہ وکسی درجہ کی کیون نہو ایک رقم اسطرح کی ملجاتی ہی جو خاص اسکی ہی کسی مذہب مین تارک الدنیا ہونا ثواب ہی۔ خانقاہون مین گوشہ نشینی اختیار کرنا شادی نہ کرنا دنیا کی کام مین جی نہ لگانا۔ مگر ہمارے مذہب مین یہ سب ثواب ہی شادی کرنا بی بیونکو آرام سے رکھنا بچے پالنا بچون اور بی بیونکے دلون کو خوش کرنا گھر کو آراستہ کرنا عطر لگانا پھول پہننا دعوت کرنا تعلیم مین عمر صرف کرنا یا علم سیکھنا ایک ساعت تحصیل علم مین بسر کرنا ستر برس کی عبادت کا ثواب رکھتا ہی۔ من اوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا حق ہمسایہ صلة الرحم اور قول الزور سے پرہیز دشمن کے ساتھ بھلائی کرنا ماں باپ کے حقوق کو پہچاننا اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ۔

کس کتاب مین اور کس مذہب مین یہ مضمون صاف لکھا ہی لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اہل اخلاق سے قوم کی عزت ہی قوم کی ترقی ہی

اور آخرۃ مین مغفرۃ ہی اور خاص منشا اسلام یہی ہی -

غرض کہ ہمکو لازم ہی کہ قرآن کیطرف توجہ کرین غور کرین اور اپنے لڑکے لڑکیون کو شروع سے اوسکا پابند بنائین اور اوسکے احکام سی آگاہ کرین اور مذہبی تعلیم کو اُس اصول پر جاری کرین جو دراصل منشا اسلام تھا نہ یہ کہ سارا دن تسبیح بدبدانا منہ کو غوث دینا ہم لوگ منشا اسلام سے کسقدر دور آپڑے ہین بہ بین تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا - ہمارے کل مشکلات کا حل قرآن مین ہی - اور ہمکو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور اوسپر عمل کرنا چاہیئے ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ -

مسز خدیو جنگ

قرض

قرض بھی دنیا مین ہی اک بلا — کون کہتا ہی بھلا اسکو بھلا

اس کا چسکا پڑ گیا جس شخص کو — اس برائی کو وہ سمجھا بھلا

قرض لینے کی جو عادت پڑ گئی — اپنے ہاتھون سے پھنسایا خود گلا

کچھ نہ آیا ہاتھ جز شرمندگی — گو کفِ افسوس بھر برسون ملا

لے لیا جو کچھ ملا بے دغدغہ — دیدیا سودی تمسک بر ملا

بند کرلی آنکھ لیتے ہی سکے — کوئی ساہو مل گیا جب منچلا

مال موروثی کی کچھ سمجھے نہ قدر — قدر کیا ہو جبکہ بے محنت ملا

ہنڈیان لکھ لکھ کے قرضہ لے لیا — پھر تو بگٹٹ سود کا گھوڑا اچھلا

رات دن بڑھتا گیا آندھی کی طرح — بادِ صرصر ساتھ کیا دے گی بھلا

قرض مین گو بندہ گیا ہو بال بال — اور تقاضے سے ہمیشہ دل جلا

دل نئے فیشن پہ لیس اہلوٹ ہے — گھر کا فرنیچر ہو گو اچھا بھلا

آنکھ مین کھبتا نہین کوئی لباس — گر نہو فیشن کے سانچے مین ڈھلا
ہو تو ہو ٹھنڈا۔ نہ لب تک آسکا — برف مین جبتک نہو ساغر بھلا
فیشن ایبل لکڑیان لندن کی لین — رہن رکھی تیغ بیچا [illegible]
گھر مین دین گو گیسان ہر قسم کی — شوق موٹر کا نہ ٹالے سے ٹلا
گہنہ کا زیور بیچ ڈالا بیدریغ — تاپنے کیواسطے سب گھر جلا
دل مین ٹھنڈک پڑ گئی چین آگیا — جب ڈریور تیز موٹر لیچلا
کان پر جون بھی نہ رینگی آپ کی — خیر کا ان حرکتون سے دل جلا
کون ہے جو قرض لیکر خوش رہا — قرض کا لینا بھلا کسکو پھلا
حیف ہے کسوقت مین آنکھین کھلین — قرضخواہون نے دبایا جب گلا
نالشین ہونے لگین گھبرا گئے — نام سے وارنٹ کے تھرا گئے
ہو گئے دعوون پہ دعوے بے شمار — لگ گئی سمن پہ سمن کی قطار
خاندان سے نام تھا مشہور خلق — اب عدالت مین لگی ہونے پکار
پھر رہے ہین اب تو بغلین جھانکتے — دل ہی سینہ مین نہایت بیقرار
بات بھی کوئی نہین اب پوچھتا — چند دن پہلے جمے رہتے تھے یار
دوستون کو روز دیتے تھے ڈنر — وعدے ہوتے تھے پئے سیر و شکار
جمگھٹے باغون مین تھے احباب کے — ناچ گانے مین کٹے لیل و نہار
تھے درختون مین کہین جھولے پڑے — اور بیفکری سے گاتے تھے ملار
تھاپ طبلے پر پڑا کرتی تھی روز — قصر مین ہر روز بجتا تھا ستار
ہارمونیم ارغنون فونوگراف — دل کی بہلانیکو تھے سامان ہزار
جب خزان آئی ہوے ناساز ساز — ختم آخر ہو گئی فصل بہار
تھی بٹیرون کی کہین پالی جمی — جنگجو مرغون کی تھی اک سو قطار

روز اوڑاتے تھے کبوتر شام تک
تھے کبوتر باز نوکر بے شمار

بچپنے سے تھا جو کنکوے کا ذوق
بے بدی میدان نہ آتا تھا قرار

گھر کی دولت اور اثاثہ پھونک کر
رہگیا تھا قرض ہی پر بس مدار

تھانہ لینے کے سوا دینے کا نام
اک خزانہ غیب کا سمجھے اور ہار

ساہوکار والون نے بھی دعوے کردیے
قرقیان آنے لگین انجام کار

تھی جو مرہونہ بکی وہ جائداد
پھر بھی قرضہ رہگیا ہے بے شمار

رنج وغم کا ہر گھڑی ہے سامنا
اپنی حالت پر ہوئے آپ اشکبار

قید ہوجانے کی نوبت آگئی
فائدہ کیا اب ہوے گر شرمسار

کون ہے ڈھارس جو دے اس وقت مین
قرض خواہون کا ہی نرغہ بیشمار

روز بد آخر دکھایا قرض نے
قعر ذلت مین گرایا قرض نے

قرض ہی ہی ذلت وخواری کا گھر
قرض کی راہین ہین پر خوف وخطر

الحفیظ اے قرض تجھسے الحفیظ
الحذر اے قرض تجھسے الحذر

قرض ہے مقراض الفت لا کلام
قرض ہی تو قرض سے ہر وقت ڈر

راستہ کو قرض کے کترا کے چل
قرض کے جادہ مین ہین لاکھون خطر

قرض کا انجام ہے شرمندگی
قرض ہے تخم اور ندامت ہی ثمر

آج قرضہ سے چھڑا پن کیا
کل یہی قرضہ ہے اور خون جگر

نام دہرنے کون تجھکو آئے گا
پاون پھیلا اپنی چادر مین اگر

تو دوشالہ اوڑھے قرضہ سے آج
کل تو ہی ہی اور کمل دوش پر

ٹھو کرین کھاتا پھرے گا کو بکو
بھیک منگو لئے گا قرضہ دربدر

قرض ملتی ہو اگر لیلےٰ تجھے
تو نہ مجنون بن خدا کو مان کر

آپڑے آپے سے گذر جائے گا تو
قرض نے مفتون کیا تجھکو اگر

؎ دکھن کی محاورہ مین سوداگر کی سجی ہوئی دکان۔

پھر کہین کا تجھکو رکھے گا نہ قرض دین و دنیا سے رہیگا بے خبر
اپنے سر پر ہاتھ رکھکر روئے گا رہن ہو جائے گی جب دستارِ سر
قرض شیرین دیکھنے مین ہو تو ہو تو سر فرہاد ہے اور وہ تبر
قرض کو جان آتشِ صد خانمان ہے تماشا دیکھنا گھر پھونک کر
کس نظر سے دیکھتا ہے قرض خواہ منصفی سے اپنے دل مین غور کر
جب تقاضا قرض کا تجھسے کیا سچ بتا گذری جو تیرے قلب پر
قرض کی نعمت کو تو پھر کر نہ دیکھ دے خدا نانِ جوین تو شکر کر
کر قناعت قرض سے رہ دست کش ہر طرح ہو جائے گی آخر بسر
دیکھ اے غافل بہت پچھتائیگا قرض گر لیتا رہا تو بے خطر
قرض سے اپنے تئین آزاد رکھ دیکھ یاور کی نصیحت یاد رکھ

مرزا محمد بہادر یاور خیرآبادی وکیل ہائیکورٹ

تعلیم نسوان

تعلیم نسوان کے اہم مسئلہ پر کثرت کے ساتھ ملک کے قابل اور لایق انشا پردازون نے قلم اٹھایا اور بہتر سے بہتر تجویز اور عمدہ سے عمدہ خیال ظاہر کیا۔ لیکن یہ بھی ملک کی ایک طرح کی بدقسمتی سمجھنا چاہیئے۔ کہ ملک نے اون مضامین کی کچھ قدر نہین کی۔ گو اپنی بے قدری کے خیال پر یہ قیاس بھی ہوتا ہی۔ کہ جس تجویز کا پیش کیا جانا ملک کے سامنے ظاہر کیا جاتا ہی حقیقتاً وہ تجویز ملک اور قوم کی نگاہ سے گذری بھی یا نہین پس ایسی صورت مین ملک کی بے قدری قدردانی پسندیدگی و ناپسندیدگی دونون ایک صورت اور شکل مین آجاتی ہین لیکن علم اس سے کہ کوئی بھی وجہ کیون نہ پیش آئی ہو یہ مسئلہ ابھی تک صاف طور پر طے اور حل نہین ہوا ستمبر ۱۹۱۰ء کے الناظر مین قابل انشا پرداز مولوی عزیز مرزا صاحب بی اے کے قلم سے بھی ایک مراسلہ اسی بحث پر نکلا ہی۔ اور کچھ شک نہین ہے کہ لایق انشا پردازنے

جس قابلیت کے عنوان سے تعلیم نسوان کے مسئلے پر لکھا ہے - وہ حد درجہ قدر کے قابل ہے اور سچ یہ ہے کہ جتنے خوبصورت پہلو اس مراسلہ مین دکھائے گئے ہین - بہت کچھ قبولیت کی قابلیت رکھتے ہین - پس اس آسانی پر بھی اگر قوم کے متعصب حضرات بیخبری کی نیند مین پڑے ہوئے خراٹے لیتے رہین - تو حیرت کے ساتھ افسوس - افسوس کے ساتھ قلق - اور قلق کے ساتھ قوم کی جہالت پر بے انتہا رنج کرنیکی بات ہے - اس مضمون کے تمہیدی فقرہ خصوصیت کے ساتھ کچھ شک نہین ہے کہ ایسے بہتر ہین کہ اون کو اس جگہ بغیر نقل کیے ہوے ہم نہین رہ سکتے "زمانہ کی ضرورت اور مغربی خیالات کی اشاعت نے یہ خیال عام کر دیا ہے کہ قومی ترقی اسوقت تک ممکن نہین ہے جبتک کہ قوم مین سے ہر فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت اوس مین حصہ نہ لے - اور یہ عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ قوم مین زندگی اور زندہ دلی ہونے کے لیے تعلیم نسوان بھی اوسی قدر ضروری ہے جسقدر مردون کے لیے تعلیم" چنانچہ اس تمہید کا ہر فقرہ اپنی جگہ پر واقعات سے اسدرجہ ملتا جاتا ہے کہ جسکی وجہ سے ہم اس تمہید کو ایک حد تک واقعہ کہہ سکتے ہین لیکن جو لوگ عام تعلیم کے موافق ہین مگر تعلیم نسوان کی جانب کسی قدر اختلافی پہلو سے دیکھتے ہین - اور یہ کہتے ہین - کہ ہم تعلیم کا شور شغف تو عرصہ سے سن رہے ہین لیکن ابھی تک قوم اور ملک نے مردون ہی کی تعلیم کے لیے کچھ نہین کیا نہ تعلیمی حالت سنبھالی نہ ہزارون اور لاکھون گریجویٹ پیدا کیے - بلکہ ابھی تو قوم کے ہزارون اور لاکھون بچے جہالت کی تاریک کوٹھری مین پڑے سسک رہے ہین پس جب تک ان سسکتے ہوے بچون کا گور و کفن ہو جاے - تعلیم نسوان کی بابت کوئی بنیاد ڈالنی موجودہ زمانہ مین گھنا قبل از وقت ہے - موجودہ صدی مین جسقدر تعلیم نظر آ رہی ہے - زمانہ کی رفتار کا اثر ہے - مگر اکثر براے نام مصلحان قوم ذاتی حکومت ذاتی ناموری ذاتی شہرت کے متعدی مرض مین اس درجہ مبتلا ہین کہ انکا مرض لاعلاج ہو گیا ہے - اور نیز بعض ایسے لوگ ہین جو بڑے بڑے وجیہ اور لایق بھی ہین اور صرف خود غرضی کی عینک ہی آنکھون پر نہین چڑھائے ہوے ہین - بلکہ خود غرضی کے رنگ مین از سر تا پا ڈوبے ہوے ہین - اور بے غرضی سے کسی قومی کام مین حصہ لینا نہین چاہتے آے دن انھین جھگڑون سے غرض اور بحث رہتی ہے - پس ایسی حالت مین تعلیم نسوان کا اہم اور نازک مسئلہ اسوقت تک ہرگز ہرگز نگاہ بھی ڈالنے کے قابل

نہین ہی۔ جبتک کہ کوئی قومی ہمدرد اور لیڈر اپنی آپ کو خاص اسی کام کی لیے وقف نہ کردی۔ اس صورت مین شاید یہ خیال کچھ بیجا نہین ہی۔ کہ یہ مسئلہ آج کوئی اہم اور ضروری مسئلہ نہین تسلیم کیا جاسکتا ہی چونکہ زمانہ اور زمانہ کی ہر چیز۔ ہر شی کو خود اپنی موافق بنالیا کرتی ہی اس لیے اگر آج عورتونکو اپنی تعلیم کی ضرورت خود محسوس ہوئی ہی۔ تو ہماری کوششون سے بڑہکر اونکی ضرورت اونھین تعلیم یافتہ ہونیکی بابتہ خود متوجہ کریگی۔ اور بلا ہماری کوشش کی وہ تعلیم یافتہ ہوجائینگی۔

کون بتا سکتا ہی کہ آج جسقدر تعلیم یافتہ لڑکیان ملک مین موجود ہین کیونکر تعلیم یافتہ ہوگئین اور کیونکر تعلیم یافتہ ہوتی جاتی ہین جسکی بہت سی صورتین اور شکلین اور وجوہ ہین۔ بعض خاندانون نے اپنے طور پر خود پڑہایا۔ بعض نی اوستانیون کی ذریعہ سی اور بعض نی اپنی عزیزون اور رشتہ دارون کے ذریعہ سی تعلیم دلای اور اونھین تعلیم یافتہ بنا دیا ہی جس سے اور تو جو کچھ فائدہ ہوا ہو وہ ابھی ہم کو محسوس نہین ہوا۔ لیکن اسقدر ضرور معلوم ہوگیا۔ کہ لڑکیون مین عام طور پر خودسری اور خود آرائی نی ایسا گھر اور تکلیف دہ مادہ جمع کردیا۔ جو حقیقتاً بڑی انتہا تکلیف دہ ہی اور جسکو ہم فائدہ کی نام سی تعبیر نہین کرسکتے۔

مردون مین عام طور پر روشن خیالی خود اونکی تعلیم کا اثر اور مردانہ تعلیم کا ایک بڑا جزو ہے اسلیے خاص طور پر لایق انشاپرداز سے خیال کی کسیطرح تائید نہین کرسکتے۔ کہ "چونکہ ہم تعلیم یافتہ ماؤن کی شفقت آمیز۔ ابتدائی تربیت سی محروم رہی ہین۔ اسلیے ابھی تک وہ صفات ہم مین پیدا نہین ہوے ہین جو اعلی تعلیم یافتہ لوگون کی خصائص مین داخل ہین" اگر اس فقرہ سی لایق انشاپرداز کا یہ مفہوم ہی کہ واقعی جن صفات کا ذکر اس موقعہ پر کیا گیا ہی۔ وہ وہی صفات ہین۔ جو آج مسلمانون کی کسی اعلی سے اعلی سوسائٹی مین نہین پائی جاتے۔ اور اگر یہ صفات پاے جاتے ہین۔ تو صرف اونھین قومون مین جو تعلیم یافتہ ہین۔ تو ہم بھی اپنی جگہ پر اسکا تصفیہ کرچکے ہین کہ ان اوصاف کی کمی ہماری قوم کی لیے کچھ بھی تکلیف دہ نہین ہی دوسرا قابل قدر خیال جو لائق انشاپرداز نی ظاہر کیا ہی۔ کہ لڑکیان بیجا اسلیے کہ چھ سال کی عمر مین پردہ مین بٹھا دیجاتی ہین۔ اب گیارہ سال تک پردہ مین نہ بٹھائی جائین اور انھین اجازت دیجائے۔ کہ وہ معمر اوستادون کی پاس اور مدرسہ مین جاکر تعلیم حاصل

کرسکین کچھ قبل از وقت ہے۔ عورت مین شرم ایک ایسی فطرتی شے ہے۔ جو اوسکی
عمر اور سن کے ساتھ رفتہ رفتہ قدرتی طور پر ترقی کرتی جاتی ہے۔ پھر کوئی ایسا
خیال جو بچپن سے کسی دل مین قایم ہوتا ہے۔ یا خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے۔ وہ
جوانی کی عمر تک پہونچکر اور بھی پختگی پر آجاتا ہے۔ اور پھر وہ خیال کسیطرح مٹائے سے
مٹ نہین سکتا۔ پس جو بچے معمر اوستادون کے پاس بیٹھکر او رمدرسہ مین جاکر تعلیم حاصل
کرین گے اون مین پردہ کا قایم رہنا یقینی غیر محال بلکہ غیر ممکن ہوجائیگا اس طریقہ سے
تعلیم کی آڑ مین پردہ اُٹھ جانا یقینی ہی۔ اور جب پردہ قایم نہین رہیگا۔ توجسطرح آج
ہم بعض مہذب اقوام کی۔ آزادی پر جنمین پردہ نہین ہی اپنی جگہ پر مضحکہ کیا کرتے ہین
اوسیطرح کے مضحکہ کے لیے ہمکو بھی ابھی سے طیار ہو رہنا چاہیئے۔ اِسکے علاوہ موجودہ
تجویز مین یہ خیال بھی آج ہمکو کچھ کم تکلیف دہ نہین ہی۔ کہ ہم اپنے بچون کو ایسے مردون
کے پاس تعلیم کی غرض سے بیٹھنے اُٹھنے کی اجازت بہت رضامندی اور خوشی سے
دیدین۔ جنکے چال چلن۔ اطوار حرکات۔ عقیدہ اور خیال۔ پایۂ اعتبار کی بابتہ ذرہ
برابر تجربہ اور واقفیت ہمکو نہین ہی۔ اور نہ جنکی بابتہ ہمکو کوئی ذاتی واقفیت ہی۔ کہ
حقیقت مین وہ معمر ہین بھی یا نہین۔ اور ان بچون کے لیے محرم ہونے کی کوئی استطاعت
اون مین ہی یا نہین دوسری چیز مدرسہ کی تعلیم ہی۔ ظاہر ہی۔ کہ ایسے تمام مدرسہ یقینی بلا قید
مذہب اور قوم کے قائم ہونگے۔ اور جب کہ یہ صورت ہوگی تو ہمکو کیا امید ہو کہ مختلف اقوام
کا خلط صحبت ایسی مدارس مین نہ ہوگا۔ اور ہمارے بچے جن کی اخلاقی حالت آج کل قوم کی
نگاہ مین بہت بی قدری کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ مگر ہماری نگاہ مین اوس حالت سے
جسکا نقشہ ہماری نظر مین ابھی سے قائم ہے۔ ہزار درجہ اچھی ہی اور زیادہ بد تر لیاقت
مین نہ ہوجائینگے ایسی صورت مین ہم کسیطرح یہ فیصلہ نہین کرسکتے ہین۔ کہ ان بچون کا اخلاق
موجودہ صورت کی مقابلہ مین کسی اچھے اسکیل پر قائم ہوسکے گا۔ مگر زمانہ کی موجودہ روش آج

اس بات کی ضرور محتاج ہی۔ کہ تعلیم نسوان ہو۔ لہذا اس تعلیم کو ہم اسی حد تک مزید کا خیال کرتے ہین۔ جس حد تک۔ کہ پردہ کی حد حائل رہے۔ اور استقلال اور مضبوطی سے قائم بھی رہ سکے۔ لیکن اگر تعلیم ہوئی۔ اور پردہ قائم نہ رہا تو ایسی تعلیم ہمارے کسی کام مین آنے والی نہین ہے۔ اور ہمارے تمام اطوار اور افعال جو آج بعض دوسری قومون کی نگاہونسے پوشیدہ ہین۔ اور جن سے دوسری قومون کے لوگ اچھی طرح سے واقف بھی نہین ہین۔ پردہ کے ساتھ ہی نکتہ چین نظرون مین مورد ملامت ٹھہر جائینگے۔ اور ہماری اچھی سی اچھی بات ہمارا عمدہ سا عمدہ خیال بھی نکتہ چینی اور اعتراض کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ اور بجائے اس کے کہ ہم اپنی قوم کی اصلاح کی جانب متوجہ ہون۔ ہمپر اس قدر نکتہ چینیان ہون گی۔ جو ہمارے اٹھانے سے بھی نہ اٹھین گی۔

پس پردہ کا قایم رہنا ہماری قوم کے لیے اوسیطرح ضروری ہے جسطرح پردہ کا نہ قائم رکھنا بعض روشن خیالون کے لیے۔

راقم ع۔ ر۔ علوی اثر

۱۔ بیوقوف لوگ سایہ کے پیچھے دوڑتے ہین۔

۲۔ بیوقوفونکو بکنے دو۔ علم کی ہمیشہ اتنی ہی قیمت رہتی ہی۔

۳۔ پوشاک بدل جاتی ہی لیکن انسان کا دل تبدیل نہین ہوتا۔

۴۔ شادی کا پھل اکثر محبت ہوتی ہی۔

۵۔ اپنا کام کرو اور اپنے آپ کو پہچانو

۶۔ بدنصیبی گھوڑے پر سوار ہو کر آتی ہے مگر پیدل چلی جاتی ہی

۷۔ وہ شخص جو اپنی بی بی کو عزت سے نہین دیکھتا اپنی تن کی بے عزتی کراتا ہی۔

۸۔ پیٹ بھر کر بھوکے کے سامنے وعظ کرنا بہت آسان ہی۔

پنجاب سے ایک نئے علمی و ادبی رسالے کا اجرا

"اُردو"

آجکل اُردو زبان مین جتنے رسالے شایع ہو رہے ہین اُن مین اکثر ایسے ہین کہ قطع نظر اس سے کہ نہ اُنکا موضوع معین ہے نہ وہ کسی اصول پر جاری ہین الفاظ کو دیکھو تو غلط اور رکیک عبارت کو دیکھو تو غیر فصیح و بے لطف محاورات کو دیکھو تو نادرست و بخیف مضامین کو دیکھو تو پست و مبتذل یعنی بجای اسکے کہ اُن سے زبان کو فائدہ پہونچے اُلٹا نقصان پہنچ رہا ہے - حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسکی تصحیح و تہذیب مین کوشش کیجائے - ایسے حالات پر نظر کرکے ارادہ کیا گیا ہے کہ ایک ماہوار رسالہ جاری کیا جائے جو ہر حیثیت سے زبان اُردو کے لیے نافع ہو اور اُسکی شستگی و آراستگی مین تا حد امکان سعی کرے

اس مین نظم و نثر دونون طرح کا کلام ہوگا مگر نفیس و پاکیزہ اور انتخاب و برگزیدہ -

کلام منظوم طرح کی قید سے آزاد ہوگا -

اسکا نام اُردو اور اسکا اجرا ذیل کی مقاصد کے لیے ہوگا -

(۱) اُردو کے علم ادب کو ترقی اور وسعت دینا -

(۲) اُن اغلاط و مستعلم کی جن سے زبان بگڑتی اور اسکی صحت و فصاحت دور ہوتی ہے اصلاح و تصحیح کرنا اور شائقین اردو کو صحیح و فصیح اردو سکھانا -

(۳) کتابون پر نقادانہ ریویو کرنا یعنی بلحاظ اصول فن ان کی تنقید کرنا -

(۴) زبان اُردو کی مسائل مختلف فیہا اور قابل نظر پر محققانہ نظر کرنا -

(۵) محاورات تحقیق طلب کی تحقیق اور فصیح و غیر فصیح پر بحث کرنا اور اسکی نسبت قول فیصل لکھنا

قیمت سالانہ مع محصول تین روپیہ ہوگی اور خدا نے چاہا تو پہلا نمبر نومبر ۱۹۱۰ء مین شایع ہوگا -

فتح محمد خان مصنف مصباح القواعد وغیرہ
شہر جالندھر (پنجاب)

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی فصلی بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا چھتیس برسون سے ہندوستان مین استعمال کیجاتی ہی۔ اگر آپ بخار مین مبتلا ہون اور سب قسم کی علاج کر کے تھک گئے ہون تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ منگا کر ضرور استعمال کیجیے۔ اس دوا مین چند فائدہ لاجواب ہین۔ یہ ملیریا کے کیڑون کو مار دیتی ہی اس لیے اسکی چار پانچ خوراک پیتے ہی بخار آنا بند ہو جاتا ہی اور یہ خون کو گاڑھا کرتی اور اسکی خرابیون کو مٹاتی ہی اور تلی کو گلاتی ہی۔

قیمت ۔ بڑی شیشی چودہ آنہ ۱۴ ؍ محصولڈاک ۶ ؍ دو شیشی تک آٹھ آنہ ۸ ؍

قیمت ۔ چھوٹی شیشی آٹھ آنہ ۸ ؍ محصولڈاک ۵ ؍ دو شیشی تک چھ آنہ ۶ ؍

جناب پرہن راج گوپال بھاوی ہیڈ ماسٹر مرہٹی اسکول بیلا گاؤن کا پیا پارسی لکھتے ہین کہ آپکی بخار کی دوا مین اپنی دوستون اور طالب علمون کو دو برس سے دے رہا ہون بڑی خوشی کی بات ہی کہ کہین بھی یہ ناکامیاب نہین ہوئی اسکی یہی تعجب خیز صفت ہی۔ مفصلات کی غریب آدمیون کیلیے آپنے گویا آبحیات بنایا ہی جناب پنڈت شیام لال ہیڈ ماسٹر اسکول ہنڈور ضلع باندہ سے لکھتے ہین۔ چار شیشی جو آپکی بھیجی ہوئی دوا آئی اس سے بہت مریض اچھے ہوئے جناب بابو لچھمن نرائن اسٹیشن ماسٹر سکندرہ راؤ علی گڈہ سے لکھتے ہین کہ آپکی دوا سے بہت فائدہ ہوا جناب بلدیو پرشاد مدرس کناسی ضلع فرخ آباد سے لکھتے ہین شیشی آپ تلی کی آپکے یہان سے منگوائی تھین اس سے دونون مریض اچھے ہو گئے جو قریب مرگ تھے۔ دوا سے جان بچگئی آپکو مریض دعا دیتے ہین۔ جناب شیودت پرشاد ہیڈ ماسٹر اسکول ہردے نگر سے لکھتے ہین بخار جاڑی کی دوا جو مین نے منگوائی اپنی مریض کو جو تین تین مہینے سے مبتلا تھے دی۔ تین خوراک دوا کھانی سے فائدہ نظر آیا اور سات خوراک مین مریض مرض سے نجات پا گئے۔ اسمین شک نہین کہ یہ دوا بخار کے دفع کرنے مین قابل تعریف ہی۔ آپ ایسی نیکی کرنے والے کا از بسکہ شکر گزار ہون جناب کالی رام نند برہمن بھدرون ضلع مندسور سے لکھتے ہین آپنے جو فصلی بخار کی دوا بھیجی بہت فائدہ مند ہی۔ ہم کہانتک تعریف کرین جناب رام پرشاد انسپکٹر آفس مرزاپور سے لکھتے ہین مین آپکا از بسکہ شکریہ ادا کرتا ہون کہ میرا دو سال کا چوتھیا بخار تھا وہ صرف دو ہی دن مین جاتا رہا۔

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ ۔ ۶ تارا چند اسٹریٹ کلکتہ

اڈیٹر ظفر الملک

نمبر ۱۸	یکم دسمبر سنہ ۱۹۱۰ عیسوی	قیمت سالانہ ۶ عہ

فہرست مضامین

عورت کی عزت	مسٹر امیر احمد علوی بی اے	۱
فضا (نظم)	منشی احمد علی شوق - قدوائی	۲۱
علم الشہب	مفتی محمد انوار الحق ایم - اے	۲۲
فلسفۂ خیال	سید علی اصغر بلگرامی - ایم - آر - اے - ایس	۲۹
شخصی سلطنت مین سازش کا اثر	سید میر محمد طبا طبائی خلف سید علی حیدر	۴۱
سبزہ زار کی شام (نظم)	منشی محمد حسین محوی لکھنوی	۴۵
غزل	ڈاکٹر عبد الحکیم بسمل	۴۶
مسئلہ ازدواج	مولوی رشید احمد ارشد تھانوی	۴۷
خبرین		۵۹

منشی سخاوت علی کی الناظر پریس مین باہتمام شفاعت علی علوی
طبع ہو کر دفتر رسالۂ الناظر - فلا ورملز - لکھنو سے شایع ہوا

نمبر ۱۸ یکم دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء

عورت کی عزت

مندرجۂ ذیل مضمون ہمارے پاس اوس زمانہ مین آیا تھا جبکہ الناظر نے اپنی پہلی ششماہی بھی نہ ختم کی تھی اور ہمنے دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء کے پرچہ کے لیے اوسکو چھپوا لیا تھا بعد ازان مصلحت اسکی مقتضی ہوئی کہ اوسکی اشاعت ملتوی کی جائے۔ نہ اس خیال سے کہ اس مضمون مین جو خیالات ظاہر کیے گئے ہین وہ نتیجۃً اوس پالیسی کے بالکل خلاف ہین جسکی تصریح ہم نے بسلسلہ تمہید الناظر کے پہلے نمبر مین اوس کے اجرا کی تیسری غرض کے ذیل مین کی تھی بلکہ اس بنا پر کہ ہمین اندیشہ تھا کہ الناظر کے

ناظرین عموماً اور اوسکی ناظرات خصوصاً اوس طرز تحریر کی تاب نہ لاسکین گی جو اس مضمون مین بعض مقامات پر اختیار کیا گیا ہی اور چونکہ ہمین اوسوقت تک اپنی محدود دیگر موقر پبلک کا تجربہ نہوا تھا اس لیے ہم بمشکل یہ امید کر سکتے تھے کہ وہ اس مضمون کو ٹھنڈے دل سے پڑھکر رواداری کے بہترین اصول پر قایم رہ سکیگی - ہم اس موقعہ پر اپنے اون احباب کو بھی یاد کیے بغیر نہین رہ سکتے جنھون نے اوسکی اشاعت ملتوی کرانے مین خاص انہماک ظاہر کیا -

یہی اسباب تھے کہ ان مطبوعہ اجزا سے ہم ابتک الناظر کے اوراق کو مزین کرنے سے محروم رہے مگر اب چونکہ صورت حالات بہت کچھ بدل گئی ہی - الناظر کے قدردانون کے حلقہ مین ہمین معلوم ہو گیا ہی کہ عموماً ایسے ہی بزرگ ہین جو اپنی روشن ضمیری کی وجہ سے ہر مسئلہ کے متعلق موافق اور مخالف کہنے والون کی سن سکتے اور نکتہ چین کے سخت سے سخت حملون کو اپنی کوہ وقاری اور دلیرانہ بردباری سے نیچا دکھا سکتے ہین - فرقہ اُناث کے بہی خواہون پر ہماری پالیسی بصراحت و تکرار واضح ہو چکی ہی جسکی وجہ سے کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہونیکا خطرہ نہین رہا - تو کوئی سبب نہین کہ ہم اس دلچسپ اور مفید مضمون کی اشاعت کو مزید زمانہ تک معرض التوا مین رکھین -

سلسلۂ نوع انسانی کی سلک اول "آدم و حوا" تھے - اون کا باغ بہشت سے کرۂ ارض پر ایک ممنوعہ شئے کے کھالینے کی پاداش مین بھیجا جانا اگرچہ بروایات مختلفہ تمام الہامی کتابون مین مسطور ہے لیکن ان مذاہب کے ماننے والون کا اس بارہ مین اتفاق کلی ہی کہ اون کا اخراج اسی قسم کی عدول حکمی کے باعث ہوا تھا - ہندوستان کا طوطی بیان شاعر اپنے خاص طرز ادا مین اس نکتہ کو یون بیان کر گیا ہی -

میری تعمیر مین مضمر ہی ایک صورت خرابی کی
ہیولی برق خرمن کا ہی خون گرم دہقان کا

چنانچہ اسی غلطی اول پر انگلستان کی مشہور ناولسٹ اور قابل انشا پر دانہ مس میری کاریلی نے دو سبق آموز مضامین لکھے ہین جو اوس کے مجموعہ مضامین مین شایع ہو گئے ہین۔ ایک مین ارتکاب جرم کی اصلی اور ساری ذمہ داری "بزدل آدم" کے سر منقوب کر کے یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے۔ کہ تمام لغزشون۔ خطاؤن اور جرمون کا منبع مرد کی ذات شریف ہے اور دوسرے مین "خود غرض حوا" پر الزام کا بار ڈالکر یہ باور کرایا گیا ہے کہ ہر قسم کی برائیون۔ کمزوریون اور گناہون کا سرچشمہ عورت کی ناپاک طینت ہے۔

ہمارے لایق انشا پردازنے قدیم و جدید گروہ کے درمیان فرقۂ اناث کے متعلق اسی قبیل کا مجادلہ کرایا ہے جس مین افسوس ہے کہ عورتون کا فریق مخالف جادۂ اعتدال سے گزر کر اوس انتہائی حد پر پہونچ گیا ہے کہ اگر اوس گروہ کو اپنے دعاوی مین کامیابی ہو جائے اور نظم و نسق عالم اوس کے ہاتھ مین ہو تو لکھوکھا سال کی ارتقائی جدوجہد کے کارنامے ایک دم مین حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے محو ہو جائین اور ہیئت اجتماعیہ کا شیرازہ ہمیشہ کے لیے بکھر جائے۔ مگر شکر ہے کہ ایسا ہوتے نظر نہین آتا۔

روانی مضمون اور سلاست بیان سے جو انشا پردازی کی جان ہے اس مضمون کی ادبی حیثیت نہایت ارفع ہو گئی ہے اور صاحب مضمون کی سحر نگاری اور جادو بیانی کا اعتراف کیے بغیر نہین رہا جا سکتا لیکن ہمارے کرم فرما کی جولانی طبع سے بعض مقامات پر ایسے نشتر بار جملے نکل گئے ہین کہ متانت اور سنجیدگی کا

خرمن اون کی زد سے محفوظ نہین رہ سکتا اور ثقاہت و پاکیزگی کے دربار سے وہ کبھی سند قبول نہین حاصل کر سکتے۔

حامیان فرقۂ نسوان کے غور و خوض کے لیے اس مضمون مین کافی سے زیادہ سامان ہے لیکن جدید تعلیم یافتہ گروہ کے مذہبی رجحانات پر جو تیز روشنی ڈالی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ بزرگان ملت اوسکے اُجالے مین اپنی بے خبری اور لاپروائی کی تصویر کا نہایت صاف عکس دیکھ لین۔ کیونکہ اگر اس قسم کے خیالات کی روز افزون اشاعت کا معقول طریقہ پر سد باب نہ کیا گیا تو اوس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہب کی شاندار عمارت کی بنیادین ایسی متزلزل ہو جائینگی کہ پھر اس رفیع الشان قصر کا مسمار ہونا اور اس عالی منزلت محل کا انہدام خیالی پلاؤ رہے گا۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتین افسانۂ کہن اور قصۂ ماضی ہون تو ہون مگر مذہب کی حکومت کا اُٹھنا ایک ایسی قیامت برپا کریگا کہ بغداد کے پردیسی طالب علم کی روح تازہ ہو جائے گی اور اوس کے جوف مزار سے یہ نغمہ پھر سنائی دیگا کہ

حق بود گر آسمان ہم خون ببارد بر زمین

اس مضمون کی وجہ سے اب کی پرچہ کی ترتیب و نظم مین جو اسقام رہ گئے ہین اونکے لیے صراحت کی حاجت ہے نہ غالباً عذر خواہی کی ضرورت۔

ایڈیٹر

یہ سب دوائین فقیرون کے مجربات سے ہین

دواخانہ مجربات جڑی بوٹی لکھنؤ

کی

ادویہ اپنے سریع الاثر اور کثیر المنفعت ہونیکی وجہ سے ہر حصہ ملک مین مشہور ہین

عرق ممیرہ - امراض چشم کے واسطے اکسیر الخاصیت - دافع نزول ماء - جاذب رطوبات جالی - مقوی بصر - ہر طرح کی شکایات متعلقہ بصارت کا قطعی علاج اور ہر عمر کے آدمی کو یکسان مفید ہے - حالت صحت مین بھی اسکا استعمال بیحد فائدہ دیتا ہے - قیمت فی تولہ عہ/

سفوف سامری - مقوی معدہ و اعصاب و دماغ و مولد خون صالح ہے - مثانہ اور گردہ کی بیماریون مین مفید ثابت ہوا ہے اور سرفہ کہنہ ضیق النفس اور اختلاج قلب کا دافع (خوراک ۲ رتی سے ۲ ماشہ تک) قیمت فی تولہ للعہ/

حبوب بخار - تپ فصلی کے واسطے اکسیر کا کام کرتی ہین - بخار کی حالت مین بھی استعمال ہو سکتی ہین (خوراک ایک گولی) فی ڈبیہ جسمین ۱۲ گولیان ہوتی ہین ۴/ ۳۰ گولیان ۸/

حبوب تپ کہنہ و سرفہ کہنہ - یہ ایک نہایت بیمثل چیز ہے - مگر اسکے استعمال کیوقت سخت پرہیز کی ضرورت ہے کیسی ہی مزمن تپ ہو گیارہ دن مین اکسیر کا کام کرتی ہے اور ایک عجیب قوت پیدا کر دیتی ہے (خوراک ایک گولی) گیارہ گولیان ایک ڈبیہ مین فی ڈبیہ عللہ/

حبوب نادرہ - بواسیر کو مفید - دافع قبض - مصفی خون - اخلاط فاسد کی دافع چند روز کے استعمال سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے یہ حکیم صاحب کی گولیان اور اس قسم کی سب ادویات کو مات کرتی ہے (ایک گولی سے پانچ گولی تک خوراک ہے) فی ڈبیہ ۳۲ گولیان قیمت عہ/

روغن حیات نادر الوجود چیز ہے - دافع قبض - مفرح - مفتح - مقوی معدہ

اس اشتہار کا مضمون بلا اجازت نقل کرنا منع ہے

نقل اشتہار کرنیوالا مستوجب سزا ہوگا

مقوی گردہ ومثانہ - مقوی اعصاب - مقوی دماغ - مولد خون صالح
مقوی جگر - دافع سلسل بول - عام طور پر تمام اعضاے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے
۲ قطرہ سے ۴ ماشہ تک انتہاے مقدار ہے قیمت فی تولہ صہ

روغن بواسیر - بواسیر خونی و بادی دونون کے حق مین اکسیر - مسے پھولے ہوے ہون لگاتے ہی فوراً مرجھا جائین گے اور مرض دفع ہو جائے گا - قیمت فی تولہ عہ

روغن دافع امراض گوش ایک قطرہ ڈالنا چاہیئے - کان کے تمام امراض دانہ اور درد کے واسطے نہایت مفید ہے - اکسیر کی خاصیت رکھتا ہے قیمت ایک تولہ عہ دو تولہ ۱ تین تولہ عہ پانچ تولہ سے

ان چند ادویات کے علاوہ کارخانہ مین صدہا قسم کے اعلی سے اعلی مجربات تیار رہتے ہین - اور چونکہ اکثر ادویہ مریض کی حالت پر لحاظ کر کے تجویز کی جاتی ہین - لہذا جو صاحب خط وکتابت کے ذریعہ سے اپنے مفصل حالات سے مطلع فرمائین گے مرض انکا چاہیئے کیسا ہی سخت اور کٹھن کیون نہ ہو ہم دعوے کیساتھ ان کو اپنے مجربات سے فائدہ پہونچانیکے واسطے تیار ہین - نمونہ کے طور پر محصول ڈاک جملہ ادویہ صرف ۱ر ٹکٹ آنے پر روانہ کی جا سکتی ہین -

ترکیب استعمال و پرہیز ہر دوا کے ہمراہ روانہ ہو گی - محصول ڈاک و وی پی ہر صورت مین ذمہ خریدار رہے گا -

پروپرائٹر - جناب منشی محمد احتشام علی صاحب رئیس و مالک کارخانہ اسنس فلاور اینڈ آئیل ملز لکھنؤ -

جملہ فرمایشات - منیجر دواخانہ مجربات جڑی بوٹی - لکھنؤ کے پتہ سے آنا چاہئین -

نمبر ۶ — یکم دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء

عورتون کی عزت

(شہزادہ ظلمت اور فرشتہ نور کا مکالمہ ۔ جدید تعلیم یافتہ گروہ کا ایشیا کی عظمت سے انکار ۔ اس بنا پر کہ ایشیا مین فرقہ نسوان کو وہ آزادی نہین دی گئی جو آج یورپ مین اس جنس کو حاصل ہے ۔ قدامت پرستون کا مسکت جواب ۔ عورتون کی سچی حالت)

فلسفہ جدید کی گھنگھور گھٹا چھائی ۔ مغربی تہذیب کا بادل گرجا ۔ نئی روشنی کی بجلی چمکی اور اعلی تعلیم نے گلستان ہند مین نشہ کا سا عالم پیدا کر دیا ۔ بزرگون کی نصیحتین اگلے وقتون کی کہانیان ۔ مقدس کتابون کی ہدایتین سب فراموش ۔ اب اسی مین شبہہ ہے کہ ایشیا والے کبھی تہذیب کے اس درجہ تک پہونچے بھی تھے کہ اُن کے اقوال یا افعال قابل استنا د اور لایق تقلید ہون ۔

”ایشیا[1] کے باشندون مین سے زمانۂ قدیم مین ہندون نے سب سے پہلے ترقی کی ۔ پتھرون کو کاٹ کر راجاؤن کے محل بنائے ۔ اپنے خداوندون کو

---

[1] ہندوستان کی تعریف قدامت پرستون کی طرف سے ہو اور اُسمین نقائص نکالنا نئے تعلیم یافتہ گروہ کا کام ہو چین ۔ ایران وغیرہ کے متعلق بھی یہی قیاس کرنا چاہیئے ۔

ہوائی جہاز یا بمان (بیلون) پر اڑایا۔ موسیقی مین کمال حاصل کیا۔ ریاضی اور حساب مین مہارت پیدا کی۔ جوتش اور نجوم مین دستگاہ بہم پہونچائی۔ جزیرہ لنکا پر عجیب و غریب پل بناکر چڑھائی کی اور کورکشیتر کے مشہور میدان مین فنون جنگ کا تماشہ دکھایا۔ مگر عصمت و وفاداری جو عورت کے فطرتی جوہر ہین اُنکی آزمایش کے وحشیانہ طریقے ایجاد کئے اور اس معصوم جنس کی دانشمندی اور زیرکی کو تریا چرتر کے ذلیل نام سے موسوم کیا۔ غنیمت ہے کہ اُن کے وحشیانہ تمدن کا اثر ہندوستان کی چار دیواری سے باہر نہین پہونچا ورنہ ستی اور دختر کشی کی ظالمانہ رسمین نصف عالم کو برباد کر دینے کے لئے کافی تھین۔ ایسی نامہذب قوم کی طرف بھگوت گیتا کی عالی منزلت فلاسفی منسوب کرتے بھی شرم آتی ہے اُسکے فرسودہ اقوال اور بیہودہ نصائح پر کوئی تعلیم یافتہ روشن خیال ہرگز ہرگز توجہ نہین کر سکتا۔

" ایشیائی قومون مین سے میدان ترقی مین ہندوستان کے بعد چین کا نمبر ہے جسنے صناعی اور کاریگری مین درجہ کمال حاصل کیا۔ ریشم کے کیڑے کی پرورش تمام دنیا کو سکھائی۔ اپنے ملک کی مٹی کو شیشے سے زیادہ قیمتی بنایا۔ کاغذ سازی کی ایجاد سے تمام عالم کو زیر بار منت کیا۔ ازمنہ مظلمہ کی دھندلی تاریخ مین روشنی کے مینار قائم کئے۔ ڈرامے تصنیف کئے۔ نظمین لکھین۔ اور کنفیوکس کا سا دانشمند فلاسفر پیدا کیا " مگر تہذیب و شایستگی کی رفیع الشان منزل سے اُنکا لشکر بہت دور خیمہ زن رہا کیونکہ بقول یوروپین سیاحون کے جو قوم بلی۔ چوہے اور گلہری کا گوشت لذت سے کھائے۔ ابابیل کا گھونسلا نعمت سمجھے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ وزنی لوہے کے کڑے پہناکر عورتون کے پیر چھوٹے بنائے اُسکی تقلید سوائے وحشیون کے کوئی نہین کرسکتا۔

" اچھا۔ اسکو بھی جانے دو۔ ایران کی ترقی تو مسلم ہے جسنے تاج کیانی اور درفش کاویانی کی آب و تاب سے چار دانگ عالم مین اپنی ہیبت و جبروت کا غلغلہ ڈالا۔ دولت

وحشمت۔ عظمت و وقار کے دبدبہ سے قیاصرۂ روم کو آب آب کیا۔ مصر سے خراج لیا۔ فلسطین پر حکومت کی پنجاب کو باجگزار بنایا۔ ترکستان کو مسخر کیا۔ بخت نصر کے محسود عالم دارالسلطنت کا نام ونشان مٹا دیا اپنے ایک شاہنشاہ کا جشن اور دوسرے تاجدار کا عدل تمام ایشیا اور اُسکے زیراثر ممالک مین ضرب المثل بنایا۔ رستم وسام کے سے شیر افگن اور زردشت و بزرجمہر کے سے مقنن وحکیم پیدا کئے۔ علم مجلس۔ اخلاق وآداب مین تمام دنیا کو شاگرد کیا اور کلیلہ دمنہ کی بے نظیر اخلاقی داستان سے اصول جہانداری اور رعیت پروری کا تمام حکمرانون کو سبق دیا" مگر جس قوم نے ضحاک کا سا شریر ظالم پردۂ ہستی پر ایک مدت تک زندہ رہنے دیا۔ جسکے ایک نامور تاجدار نے ذرا سے شبہہ پر اپنی باعصمت۔ نازکبدن۔ اور شیرین گفتار ملکہ کو قید خانہ کی مصیبتون مین گرفتار کیا۔ اور ان سب کو چھوڑ کر جسنے مان بیٹی۔ اور بہن کے ساتھ شادی بیاہ مذہبًا اور قانونًا جائز قرار دیا۔ اُسکا وحشیانہ عروج کسی شایستہ گروہ کے سامنے نظیر کے لئے پیش کرنا اُس سوسائیٹی کی سخت توہین اور ہتک عزت ہی۔

" خیر۔ اس سے بھی قطع نظر کرو۔ بنی اسرائیل کی عظمت سے تو انکار نہین ہوسکتا جسنے معرفت وحق شناسی کے سربستہ راز تمام عالم پر آشکارا کردیئے۔ دنیا کی پہلی مستند تاریخ تیار کی۔ اصلاح اخلاق کے وہ مقدس اصول قائم کئے جو " خداوند کے دس احکام" کے نام سے یاد کئے جاتے ہین۔ موسیقی اور شاعری مین وہ درجۂ کمال حاصل کیا کہ اُسکے راگ اور غزلین طاقت بشری سے اعلیٰ اور الہامی متصور ہوتی ہین۔ آلات حرب سے عمالقہ کی زبردست حکومت کو برباد کیا۔ حکمت عملی اور ہوشمندی سے یمن کے زرخیز صوبے پر تصرف کیا۔ اپنے دارالسلطنت کو مسجود عالم بنایا اور اُسکی وہ عظمت اقوام عالم کے قلوب مین راسخ کردی کہ سلطنت کی تباہی کے بعد بھی وہ قریب قریب نصف دنیا کا قبلہ ہی۔ جسنے ہوا اور پانی۔ وحوش وطیور پر حکومت کی ـــــــــــ" بس بس

یہ لفاظی موقوف کرو - ہوا اور پانی پر حکومت ممکن ہے کہ ایک نازک شاعرانہ خیال ہو لیکن زمین پر تو اس قوم کا رقبہ حکومت اسقدر محدود تھا کہ اُسکو ترقی یافتہ قوم کے نام سے یاد کرنا بھی غلطی ہے - چند ایکڑ زمین اُسکے تصرف مین تھی جسکو ہر طرف سے بابل مصر اور روم کی عظیم الشان سلطنتین گھیرے ہوے تھین اور تاریخ قدیم سے کوئی زمانہ ایسا دریافت نہین ہوتا جسمین اس مختصر ریاست نے عروج و اقبال کا کوئی قابل لحاظ مرتبہ حاصل کیا ہو یا تہذیب و تمدن مین کوئی نمایان ترقی کی ہو - ظاہر ہے کہ جو قوم رسم و رواج کی سخت زنجیرون مین جکڑی ہو - قانوناً عورت کو صرف افزایش نسل کا آلہ سمجھے - دنیا کو خلاف وضع فطری جرائم کی تعلیم دے تعدد ازدواج کو مستحسن خیال کرے اور جسکے تمام اصول اخلاق و معاشرت کی بنیاد ایسے ریفارمرون[1] کے اقوال و افعال پر ہو جنکا وجود ہی مشتبہ ہے - وہ تہذیب و شایستگی کے اعلیٰ مدارج تک کیونکر پہونچ سکتی ہے -

" خیر - اسکو بھی الگ کرو - مسلمانون کی تہذیب سے کیونکر انکار کرو گے جنکی عجیب و غریب ترقی نے تمام شایستہ دنیا کو متحیر و مبہوت کر دیا - کہتے ہین کہ جب فارس کے نامور شاہنشاہ اور عاشق مزاج تاجدار خسرو پرویز نے قیصر روم کو شکست دی - ایشیائے کوچک - شام - فلسطین و مصر کو برباد کیا - اور بے شمار مال غنیمت ہمراہ لیکر اپنے دار السلطنت کو واپس چلا - تو ایک روز دریائے گراسو کے کنارے اُس کے

---

[1] - لندن کے اخبار ٹائمس نے ابھی حال مین دنیا کی ایک ضخیم تاریخ ۲۵ جلد ون مین شایع کی ہے - اُسمین ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا وجود خیالی ہے کیونکہ بابل مین زمانہ قدیم سے ایک کہانی جسکے چند واقعات قصہ ابراہیم سے ملتے ہین مشہور چلی آتی تھی اور اُسکو بنی اسرائیل نے اپنی مذہبی کتاب مین شامل کر کے اپنے سلسلہ نسب کا آغاز ابراہیم سے کیا - ! !

حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ سے اسلئے انکار ہے کہ مصر کے قدیم کتبے جو اسوقت تک دستیاب ہوے ہین اُنمین نہ تو کوئی یوسف نام وزیر ہے نہ کوئی ایسا فرعون ہے جو دریائے نیل مین غرق ہوا ہو اور نہ بنی اسرائیل کا مصر میں غلام بنایا جانا ثابت ہے -

لشکر کے ڈیرے تھے۔ بادشاہ فتح و ظفر کے نشہ مین جھوم رہا تھا کہ ایک خستہ حال قاصد نے ایک خط پیش کیا جو حجاز کے ریگستان سے ایک گمنام اور غیر مشہور باشندے محمدؐ نام نے بھیجا تھا اور جسمین کاتب نے ادب کے خلاف فرستندہ کا نام سلطان عالم کے القاب سے پہلے تحریر کیا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ محمدؐ کو خدا نے دنیا کی ہدایت کے لیے مامور کیا ہے اور شاہ ایران کو لازم ہی کہ اُس مجہول الاحوال مرسل کے جدید مذہب مین داخل ہو۔

نازک مزاج بادشاہ یہ گستاخ خط دیکھکر آگ ہو گیا۔ نامہ کو پرزہ پرزہ کر کے دریا مین پھینک دیا اور حجاز کے گورنر کو حکم دیا کہ اس بے ادب کو گرفتار کر کے فوراً دارالسلطنت کی طرف بھیجدے تاکہ اُسکو ایسی عبرت انگیز سزا دیجائے کہ کوئی دوسرا مجنون ایسی گستاخی کا مرتکب نہو۔ محمدؐ نے یہ سخت جواب سنکر کہا کہ خدا خسرو کی سلطنت سے ایسا ہی سلوک کرے گا جیسا اُسنے میرے خط سے کیا ہے۔ ان واقعات کے چند ہی روز بعد خسرو اپنے بیٹے کے ہاتھ سے ہلاک ہوا اور چند سال کے اندر نہ فارس کی سلطنت رہی نہ اُسکا تخت و تاج۔ عراق و عجم و عرب کی جمہوری حکومت کے صوبے بن گئے۔

ایک صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ مغرب مین قرطبہ اور مشرق مین سندھ ان کے دارالاقامت کہلائے اور ان دونون کے وسط مین ایک تاجدار دمشق کی جامع مسجد مین بیٹھا ہوا شائستہ دنیا کے تمام فرمانرواؤن کو کٹھ پتلی کیطرح اشارونپر نچاتا تھا۔ ایشیا۔ شمالی افریقہ۔ اور جنوبی یوروپ کے ہر ایک حصہ مین اُنکی تہذیب و تمدن کا اثر پہونچا بلکہ بیشتر معتدل اور زرخیز جزائر مین بھی خواہ بتدابیر آشتی یا بقنون حرب انہون نے رسائی حاصل کی اور چونکہ حکومت کرنے کے قابل دماغ اور رعیت پروری کے لایق دل قسام ازل سے لیکر آئے تھے اسلئے جہان رہے مخدوم

ومعظم - معزز و مقتدر بنکر حکومت کرتے تھے لیکن اپنے قوانین کے خود محکوم تھے سلطنت کرتے تھے لیکن سید القوم خادمہم اُنکا نقش خاتم تھا - ملک گیری اور جہانداری کی ہوس پوری کرکے تحصیل علوم کی طرف توجہ کی تو یونان - ہند - فارس اور مصر کے قدیم فنون مین نئی روح پھونکدی - ریاضی اور ہندسہ مین مہارت پیدا کی - منطق مین کمال حاصل کیا - فلسفہ و ہیئت مین حیرت انگیز نکتے ایجاد کئے - اپنے فتوحات کی ضخیم تاریخین لکھین دنیا کا جغرافیہ مرتب کیا - ابن رشد - بو علی سینا - اور غزالی کے سے فلاسفر و حکیم ابن خلدون اور ابن اثیر کے سے مورخ و محقق - فرزدق و متنبی کے سے شاعر و شیرین گفتار پیدا کئے - اور الف لیلہ کی وہ دلچسپ کہانی شایع کی جسکی عظمت کے آگے اسوقت تمام تہذیب یافتہ دنیا سر تسلیم خم کرتی ہی - غرض علوم و فنون مین اُس درجہ کمال تک پہونچے کہ بقول حالی پانی پتی کے

"وہ قومین جو ہین آج ترہ سب کی کنوندی رہینگی ہمیشہ عرب کی"

مگر سیدھے اور بھولے مسلمان اپنی خیالی عظمت و شوکت کا درد انگیز مرثیہ پڑھتے وقت بھول جاتے ہین کہ وہ شرمناک صدیان جنہین اُنھون نے اتفاقات زمانہ سے کسیقدر عروج پایا تاریخ کے صفحون پر خون کے حرفون سے لکھی ہوئی ہین - جس نامبارک تاریخ سے اُنکی شخصی اور جابرانہ سلطنت کا آغاز ہوا ہر طرف فساد - بغاوت ظلم و جور - کشت و خون کا بازار کھل گیا اور تمام تاریخ اسلام مین آغاز سلطنت سے تباہی دہلی تک کوئی دس ورق بھی ایسے بتائے نہین جاسکتے جن مین خون کے بدنما دھبے موجود نہون ہر ایک متمدن قوم اور مہذب سلطنت کا پہلا کام امن قائم کرنا ہے اور یہ ضروری خدمت جس جماعت سے سرانجام نہ ہوسکے وہ ہرگز حکومت کے قابل نہین اور ترقی یافتہ گروہون مین اُسکا شمار کسیطرح نہین کیا جاسکتا -

مسلمانون کی قومی ترقی کی داستان سنتے سنتے کان پک گئے مگر جب نظر غور

بتحقیق سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ مختلف اقوام کے افراد اور مختلف ممالک کے مختلف اللون اور مختلف اللسان باشندے اگر بوجہ اتحاد مذہب کے ایک قوم کہے جا سکتے ہین تو مسلمانون کی "قوم" نے کبھی کوئی قابل یادگار ترقی نہین کی - ممالک اور صوبے جو اندرونی نزاعون اور خانہ جنگیون سے کمزور ہوگئے ہون اُنپر سرعت سے تصرف حاصل کر لینا کوئی کمال نہین ہے اور اگر ہے تو ونڈال اور گاتھ مسلمانون سے زیادہ قابل تعریف ہین کیونکہ اونھون نے وسط ایشیا سے چلکر چند سال کے اندر رومۃ الکبریٰ کے دھوئین اوڑا دیئے - برخلاف اسکے مسلمان اپنی تمام قوت قسطنطنیہ کی فصیلون پر صرف کر کے اور اُسکی دیوار آہنی مین آٹھ سو برس تک سرمو کے برابر بھی رخنہ نہ کر سکے - یا تاتاری مغل ان سب سے زیادہ قابل قدر ہین جنھون نے چشم زدن مین عرب کی سلطنت کا چراغ گل کر دیا اور دار السلام بغداد مین وہ قیامت برپا کی کہ وہان کا ایک پردیسی طالب علم آجتک غل مچا رہا ہے کہ

دیدہ بردار اگہ دیدی شوکت بیت الحرام	قیصران روم بر سر خاک و خاقان بر زمین
خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ	ہم بران خاکے کہ سلطانان نہادندی جبین
اے محمد گر قیامت را برآری سر ز خاک	سر برآور وین قیامت در میان خلق بین

الغرض - مصر و شام کا فتح کر لینا دربارہ تہذیب مین جگہ پانے کے لئے کافی نہین ہے کیونکہ مسلمانون سے پیشتر اور بھی بہت سی غیر مشہور قومون نے وقتاً فوقتاً اُنپر حکومت کی تھی - اگر مسلمانون نے ان ممالک مین رفاہ خلایق کے کوئی خاص ذرایع پیدا کئے ہون - اشاعت تہذیب کی کوئی نمایان کوشش کی ہو - تجارت کی ترقی مین کوئی خاص حصہ لیا ہو - آبپاشی اور زراعت کے آلات مہیا کرنے مین کوئی قابل ذکر امداد کی ہو یا کم سے کم یہ کہ اگلی [1] بہ نسبت زیادہ امن و امان اپنے مقبوضہ ممالک

[1] یہ محاورہ اب متروک ہے اور از روے قواعد غلط ہے لیکن نئی روشنی والے کہتے ہین کہ جو الفاظ اساتذہ قدیم نے استعمال کئے ہین اُنکو ترک نہین کرنا چاہیئے - اس سے وسعت زبان مین خلل پڑتا ہے -

مین قائم کیا ہو تو بیشک کہا جا سکے گا کہ اس قوم نے متمدن اور مہذب بننے کی سعی کی تھی مگر لفاظی اور شاعری چھوڑ کر تاریخ کے سچے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون کے صرف تین دلچسپ مشغلے تھے۔ لوٹ مار (یا ملک گیری) عیاشی۔ اور یاد خدا۔ جب ایک سے جی گھبراتا تھا دوسرے کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور اسی دائرہ کے اندر گردش کرتے کرتے ازمنہ متوسطہ کی تمام صدیان گذار دین۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی   تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

عراق و مصر کے زرخیز صوبے جو سلاطین بابل اور فراعنہ کے عہد مین دولت و فراغت کے معراج کمال تک پہونچ چکے تھے اِن کے جبر اور ظلم سے کنگال ہو گئے۔ شام و فلسطین کے سبزہ زار جو قیاصرۂ روم کی حکومت مین تہذیب و شائستگی کے جواہر سے مالامال تھے ان کی خونریزی سخت گیری اور زیادہ ستانی سے تباہ ہو گئے۔ ایشیا ر کوچک کا گلزار ان کے صوایف یا سالانہ حملون کا نشانہ بنا۔ اور ارمن و گرجستان عصمت فروشی کی دوکان مشہور ہوے۔ دور کیون جاؤ۔ عرب جو انکا آبائی وطن اور اُن کے مذہب کا سرچشمہ تھا ہمیشہ تباہ و برباد رہا۔ نہ اسکے رفاہ و فلاح کے تدابیر سوچنے کی مہلت ملی اور نہ وہان غارتگری۔ بردہ فروشی۔ قزاقی۔ اور قطاع الطریقی کے عام پسند پیشے مسدود کئے جا سکے۔

یہ تو وہ جگہ تھی جہان آفتاب تیز بتایا جاتا ہے۔ علوم و فنون کو دیکھو تو انکی حالت اس سے زیادہ شرمناک ہے۔ یونان اور مصر کی چند کتابین ترجمہ کر لینے سے کوئی قوم عالم نہین بن سکتی۔ جسطرح سفارت خانہ کا ترجمان کانسل جنرل نہین کہا سکتا اُسیطرح کوئی مترجم۔ مصنفون اور موجدون کے اعلیٰ طبقہ مین جگہ نہین پا سکتا ایجاد اور تصنیف کو پیش نظر رکھو تو مذہب کا محدود دائرہ چھوڑ کر انھون نے نہ کوئی ایسی حیرت انگیز ایجاد کی جس سے دنیا کو نفع پہونچتا اور نہ کوئی ایسی عجیب و غریب تصنیف کی

جسمین دیگر اقوام کے خیالات سے سرقہ نہ ہوتا۔ یہین سے بعض دانشمندون نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عرب کے دماغ مین ایجاد کی قابلیت ہی نہ تھی اور عربی النسل قومین ہمیشہ تقلید کی مہلک آفت مین گرفتار رہینگی۔

تاریخ جسپر مسلمانون کو سب سے زیادہ ناز ہے۔ اُسکی یہ حالت کہ عرب کے ایام جاہلیت سے دنیا کا آغاز ہوتا ہے اور سوا بنی اسرائیل یا پیغمبرون کی کہانیون کے ازمنہ مظلمہ کا کچھ پتا ہی نہین۔ ابن خلدون کو فلسفۂ تاریخ کا امام بتاتے ہین جو دیگر ممالک کا کون ذکر کرے یونان اور روم کے اُن واقعات سے بھی آشنا نہین جو آج بچہ بچہ کی زبان پر ہین۔ اصول سیاست اور آئین حکومت کی کتابین یونانی زبان مین بے شمار موجود تھین لیکن اُنکا ترجمہ دلچسپ نہین سمجھا گیا۔ کاش یونان کے قصون اور ڈرامون ہی کا ترجمہ کیا ہوتا تو ان ممالک کی عظمت و بزرگی سے کسیقدر آگاہی ہو جاتی اور عربی علم ادب فنون لطیفہ مین ویسا ناقص نہ ہوتا جیسا کہ اِس وقت ہے۔

جس قوم نے علم و فضل سے اسقدر بے توجہی کی ہو اُس سے کون شکایت کرے کہ بابل و نینوا کے کھنڈرون مین قدیم آسیریا کے وہ وہ قیمتی دفینے موجود تھے کہ اگر اُن مین سے ایک بھی مسلمانون کی کوشش سے دریافت ہو جاتا تو دنیا کی تاریخ اولٹ جاتی۔ بادشاہ ہیسڈر و پال کا کتب خانہ جسمین عہد اسلام سے کئی ہزار برس پیشتر کی مکمل تاریخ موجود ہے اسی بابل کے کھنڈرون سے ابھی حال مین یوروپ کے سیاحون نے حاصل کیا ہے۔

مصر پر تیرہ سو برس تک حکومت کی لیکن کبھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ فراعنہ مصر کی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش کرتے جسکا کافی مصالحہ قدیم کتبون اور پُرانے قبرستانون مین موجود تھا اور آج لندن کے برٹش میوزیم مین جمع کیا جاتا ہے۔

ابتدائی عہد مین مسلمانون کے دیندار خلیفہ بابل کے قریب ہو کر گذرتے ہین تو لشکر کو حکم دیا جاتا ہی کہ یہان سے دور خیمہ زن ہو کیونکہ یہ جگہ مغضوب الٰہی ہے - اخیر زمانہ مین عیش پسند حاکم قبرستانون کے قریب ہو کر نکلتے ہین تو ساقی و مطرب کو حکم ہوتا ہی کہ یہان سے دور مجلس نشاط قائم کرو کیونکہ یہان قبطیون کے مدفن عیش کو منغص کرتے ہین دولت کی طمع اور خزانہ کی لالچ مین اہرام مصری کے کہدوانیکا حکم صادر ہوتا ہی لیکن علوم و فنون کے لازوال دفینون کے لئے نینوا کی سرزمین مین ہاتھ نہین لگایا جاتا - شرم - شرم - شرم - یہی وہ قوم ہے جسکے علم و فضل کے تم ثناخوان تھے اگر غیرت دار ہو تو آج سے اس جھوٹی عظمت کا نام نہ لینا !!!

اصول اخلاق اور طرز معاشرت کو دیکھو تو پردہ کی وحشیانہ اور ظالمانہ رسم اسی قوم نے ایجاد کی - بردہ فروشی کی عام اجازت اور لونڈیون کی غیر محدود تعداد سے مردون کے لئے عیاشی مباح کردی اور انکو اختیار دیا کہ ایک ہی وقت مین تین چار بیویان رکھ سکین لیکن عورتون کو اس لطف سے محروم رکھا کہ وہ ایک ہی وقت مین تین چار مردون کی خانہ آبادی کرسکین -

غرض مساوات حقوق جو ہر ایک مہذب قوم کی پہلی خدمت ہونا چاہیئے مسلمانون نے قطعاً فراموش کی اور عورتون کے متبرک گروہ کو جو نوع انسانی کا نصف غالب ہی بہایم - مویشیون اور چوپایون کے برابر سمجھا -

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ - نتیجہ اب ظاہر ہوا - مسلمانون سے بیزاری کی وجہ صرف یہ ہی کہ انکے یہان عورتون کی عزت یوروپ سے کم کی گئی ہندوستان چین - فارس فلسطین - اور عرب کے تمام کارنامے میزان عمل مین صرف اسوجہ سے سبک ثابت ہوئے کہ وہ یا تو ایسے رسوم کے پابند تھے جو آج یوروپ مین نہین پائے جاتے یا انھون نے عورتون کو مطلق العنان کرکے دریائے ٹیمس مین غرق کشتی

کے لئے نہین بھیجا۔ اُنپر یہ الزام لگانا کہ وہ علم و فضل۔ ایجادات و اختراعات مین اُس درجہ سے دور رہے جسپر آج یورپ اور امریکہ کی رسائی ہے۔ ویسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ قدیم ایشیائی قومین دھوین کی طاقت سے ناواقف تھین۔ ریل کی سواری اُنھون نے ایجاد نہین کی۔ تار برقی کی اُنکو خبر نہ تھی۔ کوئی ڈریڈناٹ (جدید جنگی آہن پوش) اُنھون نے نہین بنایا۔ کوئی چھاپہ خانہ اُن کے پاس نہ تھا۔ روزانہ اخبارات اُنھون نے جاری نہین کیے یا ہوٹلون کے دلکش مناظر قدرت سے وہ محروم رہے۔ آج سے پانچسو برس بعد جو قومین شایستہ اور سربرآوردہ کہلائینگی وہ یورپ کی موجودہ مکمل تہذیب مین اس سے بھی زیادہ نقائص بتا سکینگی۔

"مین جنگ ٹرائے کے ہیرو ایکیلیز کی قبر پر دیر تک کھڑا رہا اور سنا کہ لوگ ٹرائے کی لڑائی کو افسانہ بتاتے ہین۔ زمانہ رومتہ الکبریٰ کے وجود مین بھی شک کریگا"

البتہ یہ مسلم ہو کہ ایشیا مین عورت کو وہ غیر معمولی عزت اور نامناسب آزادی کبھی نہین دیگئی جو فی زماننا یورپ مین اس دلچسپ فرقہ نے حاصل کرلی ہے ہمنے تو اس خیال سے کہ یہ نازک اندام جنس آرام سے گھر بٹھانے کے لئے وضع کیگئی ہے نہ کہ جنگلون اور چراگاہون مین دھوپ کی سختیان برداشت کرنے کیلئے اور اس مجبوری کو پیش نظر رکھکر کہ اُنکی مجموعی تعداد دنیا کی مردم شماری مین مردون سے زیادہ بتائی جاتی ہی اس کمزور جماعت کے لئے یہ جائز سمجھا کہ دو دو تین تین ملکر اپنی آسایش کا بار ایک مرد پر ڈالدین اور اس اندیشہ سے کہ عورت جسکو فطرت نے کمزور اور مرد کا ماتحت بنایا ہی نوع انسانی مین آتش رقابت مشتعل کرا کے تنازع للبقا سے بالکل فنا نہو جاے مردون کو اس کم عقل جنس پر شفیق حاکم قرار دیا تاکہ وہ اس نحیف و ناتوان نوع انسانی کی ویسی ہی پرداخت کرین اور ویسی ہی دلدہی اور دلجوئی کا برتاؤ اس فرقہ سے کرین جیسا کہ وہ اپنے پرورش

جانورون - یا چھوٹے اور ناسمجھ بچون - یا بوڑھے اور قریب مرگ مغلوج بزرگون سے کرتے ہین اور انھین اسباب کا نتیجہ تھا کہ ہمنے مردون کو اجازت دی کہ وہ عورتون کے کل افعال و حرکات کی ویسی ہی سخت نگرانی کرین جیسی کہ شفیق اوستاد اپنے شاگرد کی - ہمدرد حاکم اپنی رعایا کی یا مدبر پرنسپل بورڈنگ ہوس کے طالبعلمون کی کرتا ہے -!!

تم کہوگے کہ عورت مرد کی ماتحت کیون قرار دیگئی کیونکہ ہندوستان کی یہ ایک شامت ہے کہ یہان کے باشندے سکھانے اور تعلیم دینے پر مستعد ہوجاتے ہین قبل اسکے کہ وہ خود کسی علم و ہنر مین کافی پختگی حاصل کرچکے ہون اور اسطرح عورتون کے حقوق اور اُنکی آزادی مین مساوات پیدا کرنے کی کوشش کرنے والے بیشتر وہی لوگ ہوتے ہین جنکو یا تو عورتون کا مطلقاً تجربہ نہین ہے یا جنھون نے ایک خاص قسم کی عورتونکی جزوی حالت دیکھکر تمام فرقۂ اناث کے لئے کلیہ قواعد بنانیکی کوشش کی ہے - تمکو اس مجبور و محکوم جنس کے سچے حالات کی جستجو ہے تو کسی واقف کار عورت سے پوچھو - وہ بتلائیگی کہ کن کن ضروریات جسمانی مین وہ مرد کی تابع ہے اور اس اعلیٰ جنس کا اتباع نہ کرنے سے اُسکو کسقدر سخت مضرت رسان تکلیفین پہونچتی ہین اور آسکا جسم کیسے مہلک آلام و امراض مین گرفتار ہوجاتا ہے - یہ تو بدیہی امر ہے کہ نوع انسانی کی دو مختلف جنسین بنانیکی ضرورت صرف توالد و تناسل ہے ورنہ دنیا مین فقط مردون یا صرف عورتون کا بغیر دوسری جنس کے زندگی بسر کرسکنا ممکن تھا - اب دونون جنسون کا اجتماع کرو تو بغیر مرد کی رضامندی کے عورت کی پیدائش کی علت و غایت پوری نہین ہوسکتی برخلاف اسکے عورت پر جبر کرنا ممکن ہے اگرچہ ایسی حالت مین جدید تحقیقات کے موافق صرف اولاد ذکور پیدا ہوگی -

یہ دلیل زیادہ روشن اور واضح اسوقت ہوجاتی ہی جب معلوم ہو کہ مرد اور عورت دونون راغب اور راضی ہین لیکن جنس اعلیٰ کے ناگہانی ضعف سے فرقۂ محکوم حصول شادمانی سے محروم رہا اور عورت کی کمزوری سے حاکم جابر کے رعب و دبدبہ مین کچھ خلل پیدا نہ ہوسکا !!

یہ قوی دلائل زیادہ صاف الفاظ مین بیان کرنا مناسب نہین لیکن جنکو خدا نے عقل دی ہو وہ ان اشارون سے سمجھ سکتے ہین کہ عورت کو کم رتبہ اور ذلیل بنانا فطرت کا قصور ہی نہ کہ ایشیا کا اور اگر یورپ عورت کو مرد کے برابر عزت دینا یا اوسکو مردونکی حکومت سے آزادی عطا کرنا چاہتا ہے تو وہ فطرت کا قانون شکست کرنیکی ہمت کرتا ہی۔

جو نحیف و ناتوان جنس ہر مہینہ اور ہر سال مین کچھ عرصہ کے لئے دوڑ دھوپ کو دھاندر۔ اور محنت مشقت کے ناقابل ہوجاتی ہو جس کمزور اور بے بس گروہ مین فطرتاً یہ طاقت نہ ہو کہ دشمنون سے سینہ سپر ہوکر لڑسکے۔ جو ضعیف مخلوق نازک چمڑا اور کمزور دل قسام ازل سے لیکر آئی ہو اور فنون شہسواری اور سپہ گری سے خلقتاً معذور ہو۔ وہ قوی الجثہ۔ شجاع۔ جفاکش اور دانشمند حکمرانون پر کسی طرح کسیوقت اور کسی حالت مین غلبہ نہین پاسکتی۔ اگر مساوات حقوق ان فاتح و مفتوح غالب و مغلوب حاکم و محکوم جنسون مین قائم کروگے تو اسکا یقینی انجام رقابت ہے اور رقابت سے وہ عظیم فتنہ و فساد پیدا ہوگا جو فلسفۂ تمدن کی الواح زبرجد پر خون کے حرفون سے لکھا ہوا ہے اور جسکا نام لیتے میرا دل لرزتا اور روح کانپتی ہے۔ وہ کیا ہے۔ انقطاع نسل آدم یا دنیا کی دائمی موت !!!

یہ کوئی شاعرانہ خیال یا معنی آفرینی نہین ہے بلکہ فرانس و امریکہ کی اموات و پیدایش کے نقشے جو وقتاً فوقتاً انگریزی اخبارون مین شایع ہوتے رہتے ہین

اس دعوے کے شاہد ہین کہ عورت کی آزادی سے ترقی نسل مین کمی شروع ہوگئی ہے اور یہی کمی ایک دن ترقی یافتہ دنیا کو نسل آدم سے بالکل خالی کرکے رہیگی " اے آسمانی باپ تو ہمکو اس قوم سے بچا جو تیری پہلواری کو برباد کرین"

المختصر جب مرد کا مغلوب ہونا غیر ممکن ثابت ہوا اور مساوات حقوق سے جنگ و رقابت کا اندیشہ پیدا ہوا تو اسی فرسودہ رسم کی طرف مجبوراً آنا پڑا کہ عورت مرد کی محکوم ہے اور معاشرت انسانی میں اُسکا مرتبہ مرد سے کمتر ہے ۔

اس بدیہی اور فطرتی واقعہ کو تسلیم کرنے کے بعد پردہ کو ظلم قرار دینا ایسا ہی لغو ہے جیساکہ کسی عاقبت اندیش باپ پر یہ الزام لگانا کہ وہ اپنے عزیز بیٹے کو ہمسایہ کے آوارہ لڑکون سے بچانے مین اُسکی آزادی غصب کرتا ہے جب یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچگیا اور متواتر تجربات و مشاہدات سے اسکی تصدیق ہوگئی کہ کہ دنیا مین کوئی عورت ایسی موجود نہین ہے جو عصمت کی خاطر سے باعصمت ہو اور موقعہ پاکر اپنے دل پر جبر کرے تو اس بے حیا گروہ کو باہر نکلنے کی اجازت دینا دراصل اُسکی عصمت فروشی مین امداد کرنا ہے اور کوئی غیرت مند مرد ایک لحظہ کیلیے بھی اسکو جائز نہین رکھ سکتا ۔ مینے کیا کہا ؟ عصمت ۔ عصمت ۔ عصمت کہان ہے !!! بلکہ عصمت کا نام زمانۂ حال کی عورتون کے ساتھ لینا فی الحقیقت اس شائستہ اور متین لفظ کی سخت ذلت ہے ۔ !!

ہندؤن کے مقدس رشیون کا قول ہے کہ " دنیا مین عصمت دارونکی تین قسمین ہین ۔ اول تو وہ جو سوائے اپنے شوہر کے تمام دنیا کے مردون کو ناقص اور ناکارہ سمجھین اور اُنکو یقین کلی اور اعتماد واثق ہو کہ جو لطف اُنکو اپنے شوہر کی بدولت میسر ہے وہ کسی دوسرے انسان سے ممکن ہی نہین ہے ۔

دوسرا درجہ عصمت کا یہ ہے کہ اپنے سوامی کی محبت مین اسقدر مستغرق ہوجاوین

کہ جو مرد اُس سے سن و سال مین بزرگ نظر سے گذرے اُسکو اپنا باپ سمجھین اور جو
اُس سے چھوٹا ہو اُسکو اپنا حقیقی بھائی یا بیٹا خیال کرین۔ اور تیسرے درجہ کی
عصمت یہ ہے کہ شوہر کی الفت کا نشہ ایسا تیز ہو کہ اُسکی تصویر خیالی ہر وقت پیش نظر
رہے اور سفر و حضر۔ خلوت و جلوت مین ہر لحظہ اور ہر ساعت خاوند کو اپنے پاس حاضر
اور اپنے اقوال و افعال حرکات و سکنات کا نگران تصور کرین ۔ شوہر کے سوا ہر ایک
مرد کو بہائم اور چوپایون برابر سمجھین بلکہ بعض اوقات اپنے عزیزون سے بھی
بات چیت کرنے مین تامل ہو اس اندیشہ سے کہ اتنی دیر تک سوامی ساجن کی یاد سے
غفلت ہوتی ہے اور زندگی کی وہ ساعت بے کار اور بے مزہ گذرتی ہے۔

ان تین کے سوا جو عورتین چار بھائی بندون کے ڈر سے یا موقعہ نہ ملنے
کی وجہ سے یا خطرناک انجام کے اندیشہ سے یا پسند کے قابل مرد دستیاب نہونے
سے یا ان دلچسپ امور کی طرف خیالات منعطف کرنے کی فرصت نہ ملنے سے اپنی
شرم اور آبرو کی حفاظت کرین اُنکی نگرانی موت کے وقت تک کرو کیونکہ جب تک
سانس باقی ہے اور آنکھ مین دم ہے اُنسے بدکاری کی آس اور توقع رکھنا چاہئے"

اب بتاؤ۔ اس زمانہ مین وہ کون عورت ہی جو مندرجہ بالا آخری اسباب
کے سوا اور کسی وجہ سے اپنی عصمت و حیا کی حفاظت کرتی ہو۔ دنیا کا تجربہ کیا
ملکون ملکون کی سیر کی - قریون قریون کی خاک چھانی اور ہمیشہ یہی جستجو رہی کہ
کوئی عورت پردہ عالم پر ایسی دستیاب ہو جاے جو فی الحقیقت عصمت کی خاطر
سے باعصمت ہو تاکہ نوع انسانی کی اس معظم جنس کے چہرے سے بدکاری
کا داغ دھل جاے مگر افسوس ہے کہ ایک جوان عورت بھی ایسی دریافت نہوئی
جو موقع پاکر انکار کرتی اور جسکے فتح کرنے کی باقاعدہ کوشش بیکار ثابت ہوتی
آنکھون سے دیکھا کہ حسین عورت اپنے جان نثار شوہر کی گود مین بیٹھی

ہوئی اغیار سے نظرین لڑا رہی ہے - ظاہر مین تو ہنس ہنس کر شوہر سے باتین کرتی
ہے لیکن دراصل آشنا سے نظرون مین سو طرح کی حکایات ہو رہی ہے -
چشم دید واقعہ ہے کہ ایک عورت حیا اور وفاداری کی دیبی سمجھی جاتی
ہے - ناز بردار شوہر اُسکے پانو دھو کر پیتا ہے لیکن ایک مسافر ہمسایہ مین فروکش
ہوا اور تین ہفتون کے اندر عصمت وحیا کا ہلکا برف عشق جدید کی تیز نگاہون سے
پگھل گیا -
کل کی بات ہے کہ ایک جفاکش نوعمر نوجوان فاقہ کشی کی زحمتین برداشت
کرکے اپنی خوبصورت بیوی کی آرام وآسایش کا نگران رہتا تھا - صبح سے شام تک
وہ محنت شاقہ کرتا کہ دیکھنے والون کو اُسپر ترس آتا تھا - اور یہ بوجہ اس امید پر
ہلکا ہوجاتا تھا کہ سورج ڈوبنے کے بعد گھر پہونچکر معشوقہ کی ایک مسکراہٹ سے
یہ سارا غم غلط ہوجائیگا - بیوی نے ایک آرسی کی فرمایش کی تو معمول سے زیادہ دیر
تک محنت کرکے اپنے مختصر کیسہ کو تعمیل ارشاد کے قابل بنایا گھر پہونچا تو معلوم ہوا کہ
ایک خوبصورت اور قیمتی چاندتارے کی جگمگاہٹ سے بیتاب ہوکر وہ ناپاک
عورت فرار ہوگئی - !!!

زن دوست بود وے زمانے تا جز تو نیافت مہربانے
چون در بر دیگرے نشیند خواہد کہ ترا دگر نہ بیند

بیشک عورت کو دو بہت بڑے کمال حاصل ہین - اول تو یہ کہ وہ اپنی
بدکاری شوہر سے خوب چھپاتی ہے اور دوسرے یہ کہ مردونکی شناخت مین اُسکو بڑا ملکہ ہے
پہلے وصف کے متعلق تو انگلستان کی ایک معزز لیڈی کی شہادت ہے کہ وہ شوہر
کو کبھی اپنی عورتکی آوارگی کا یقین آہی نہین سکتا - وہ ہمیشہ اسی دھوکے مین مبتلا

ساے - دیکھو گبن حاشیہ تاریخ دوم -

رہیگا کہ اسکی بیوی باعصمت اور حیادار ہے بشرطیکہ عورت فریب دینے کی ذلت برداشت کرنا گوارا کرے " اور دوسرے کمال کی یہ کیفیت ہے کہ عورت چند نقرون چند ساعتون اور چند لمحون مین شناخت کرلیتی ہے کہ جس مرد سے وہ گفتگو کررہی ہے وہ کس طبیعت اور کس پایہ کا آدمی ہے - یہ دنیا کا ایک مسلمہ ضابطہ ہے کہ کوئی عورت رنگین مزاج اور عاشق تن مرد سے کبھی نفرت نہین کرتی - اُسکے فتوحات اور تسخیرات کی داستانین سنکر وہ ظاہر مین ممکن ہے کہ خاموشی اختیار کرے لیکن دل مین اُسکی عظمت و وقار کی زرخرید کنیز بنجاتی ہے اور جب اُس سے ملاقات کی نوبت آتی ہے تو اپنے حسن عالم افروز کا سب سے بہتر جلوہ اُسکو دکھاتی اور اپنی ادا و نکاسب سے اعلی ذخیرہ اُسکے سامنے صرف کرتی ہو"

"دیوانہ - بدکار - بدنگاہ - اور خطرناک" - یہ پہلے الفاظ تھے جو لیڈی میلبورن نے بائرن کے متعلق اپنے روزنامچہ مین تحریر کئے لیکن جب وہ فیشن ایبل اپالو[۵۱] ملاقات بازدید کے لئے میلبورن ہوس مین آیا تو فوراً اُسنگار مینز کی طرف دوری تاکہ زیبایش اور آزمایش سے اپنے حسن کو وہ چند بنا کر ولایتی کنھیا کے سامنے جائے برخلاف اسکے جو شریف مرد اپنی آنکھونکی حفاظت کرنیوالے اپنی حیا کی نگہداشت کرنے والے اور دامن عصمت کو آلودگی سے پاک رکھنے والے ہوتے ہین یا جنسے بوجہ قریبی رشتہ داری کے رسم و راہ مین بے باکی مناسب نہین ہوتی اونکے سامنے یہ مکار فرقہ ایسی خوبصورتی سے گربۂ مسکین بنجاتا ہے کہ وہ اسکے خبث نفس سے سالہاسال مین بھی آگاہ نہین ہوسکتے -

دیکھو روما کے ایک مدبر شہنشاہ نے اپنی بی بی کو مسجود عالم بنوایا اور عصمت کی دیوی کا خطاب دیکر تمام شرفا سے اسکی پرستش کرائی اور دوسرے

[۵۱] - سورج کا دیوتا - دیکھو نکلس لاف آف بائرن -

اولوالعزم قیصر نے اپنی صاحبزادی کو مقدسہ کے باعزت لقب سے سرافراز کیا اور مذہبی عبادتگاہون مین اُسکے سنگین بت نصب کرائے حالانکہ انکی آوارگیونکی شرمناک داستانین آج تاریخ روم کو گندہ کر رہی ہین اور اسوقت بھی سوائے باپ اور شوہر کے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان دونون کی بدکاری سے آگاہ نہ ہو۔

ہندوستان کی بدقسمتی سے آج ایسے ہی ناواقف اور ناتجربہ کار عورتون کے ساتھ حسن سلوک کے مشیر یا واعظ یا ناصح مشہور ہوتے ہین۔ ہمدرد نسوان عالم کا خطاب منظور فرماتے ہین اور ظریفون کا یہ چھبتا ہوا قول ان کو بالکل یاد نہین رہتا کہ عورتون کے لئے مساوات حقوق کی کوشش کرنے والے پچھلے جنم مین خود عورت تھے ورنہ اس بدکار فرقہ کی اسقدر حمایت نہ کرتے۔ کل شیئ یرجع الے اصلہ۔

غرض اس نجس اور ناپاک جنس کی مکاریان۔ بدکاریان۔ بے وفائیان اور بے حیائیان کہان تک بیان کی جائین۔ دنیا کی تاریخین ان کی گندہ کہانیون سے بھری ہین۔ فلسفہ اخلاق کی کتابین ان کی شرمناک داستانون سے پر ہین اور معاشرت انسانی کے صحیفے ان کے بیہودہ افسانون سے لبریز ہین بلکہ عالم کے تمدن مین قابل اعتراض خامی باقی رکھنے کا باعث یہی بے شرم فرقہ ہے کیونکہ ابتداے افرینش آدم سے اسوقت تک دنیا مین جتنے فسادات جتنے نقایص۔ جتنے عیوب جتنی برائیان۔ جتنی لڑائیان۔ جتنی خونریزیان اور جتنے گناہ سرزد ہوئے ہین اُن سب کی سچی اور پوشیدہ تاریخ دریافت کرو تو ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک بدی کی علت العلل عورت ہی کی ذات والاصفات ہے۔

وان مد بلاغت بہ سحبان رسید ... نہ در کنہ بیچون سبحان رسید

حقیقت یہ ہے کہ مشرق مین عموماً اور ہندوستان مین خصوصاً عورتون
کی عزت اس سے بہت زیادہ کی گئی جبتنی کہ اس ناپاک جنس کی کرنا
چاہیئے تھی ۔ مناسب تھا کہ ہم اسکو لوہے کی زنجیرون سے باندھکر رکھتے ۔
اس کے پیرون مین ایسے وزنی کڑے ڈالتے کہ اسکو حرکت کرنا محال ہوتا ۔
اسکی آنکھون کی خطرناک اور مہلک چمک دہکتے ہوے لوہے کے
انگارون سے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیتے ۔ اسکے گلابی رخسارون پر نیل
کے بدنما اور ڈراونے ٹیکے لگواتے ۔ اسکے نازک ہونٹھ جنکا قیامت خیز تبسم
زاہد صد سالہ کو تسبیح و مصلا فراموش کرا دیتا ہی سوئی اور ڈورے کی مدد سے
ہمیشہ کے لئے بند کر دیتے ۔ اسکی مشکین زلفین جو آج نوجوانون کے کلیجون
پر سانپ کی طرح لوٹتی ہین مقراض سے تراش کر آگ مین جلا دیتے اور
اسکے منڈے ہوے سر پر صبح شام روزمرہ گرم لوہے سے داغ دیتے تو
بیشک ہم عورت کے حقوق سے کسیقدر سبکدوش ہوتے اور دنیا تہذیب
و شایستگی کی سر بفلک منازل کو نہایت سرعت سے طے کرتی ۔ مگر ہمنے
غلطی سے اس مہیب دیونی کو پری سمجھا ۔ معشوق بنا کر رکھا ۔ سر اور آنکھون
پر جگہ دی ۔ اسکی بے حیائیون کو فراموش کیا ۔ بیوفائیون پر خاک ڈالی ۔
لڑکپن مین ماں سمجھکر تعظیم کی ۔ بہن خیال کر کے پیار کیا ۔ جوان ہوے تو محبوبہ
اور یار غمگسار اسی جنس سے تلاش کیا ۔ بڑہاپے مین بیٹی بنا کر سینہ سے
لگایا ۔ غرض مدت العمر اسکو آنکھونکا نور ۔ دل کا بہلاؤ ۔ اور کلیجہ کی ٹھنڈک
سمجھتے رہے ۔ جو خود کھایا وہ اسکو کھلایا جو آپ پہنا اس سے بدرجہا بہتر
ہمیشہ اسکو پہنایا بلکہ یہی فکر دامنگیر رہی کہ اس کمزور جنس کو کسی قسم کی
کوئی ایذا نہ پہونچنے پائے ۔ اور اسکو یہ حسرت خیز خیال نہ پیدا ہو کہ

معاشرت عالم مین فی الحقیقت وہ نہایت ہی ذلیل اور کم رتبہ سمجھے جانے کے قابل ہے۔

مثل ہے کہ جھوٹ پر جھوٹ سچ ہوتا ہے۔ ہمنے غلطی پر غلطی کی کہ اس بد دماغ گروہ کو روشن خیال بنانے کے لئے لکھنا پڑھنا بھی جائز قرار دیا۔ پہلے تو مذہبی عقائد اور ضروری مسائل پر اکتفا تھا اب میدان اجازت کو یہانتک وسیع کیا کہ تاریخ و جغرافیہ۔ ریاضی وطب کی تحصیل بھی بشرط فرصت وموقع مباح کر دی لیکن اس مکرر غلطی کا انجام یہ ہوا کہ مساوات حقوق کا خیال پیدا ہونے لگا اور کمینہ عورتین ہماری ہمسری کا دعوی کرنے لگین ۔ کس نیاموخت علم تیر از من + کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد۔ خیر کیا مضائقہ ہے ۔ ہمنے بھی سمجھ لیا ہے کہ ہانڈی پھوٹی تو پھوٹی۔ اب اسی فلسفیانہ تعلیم پر کار بند ہونا چاہیئے ۔ جو شیخ شیراز نے چھ سو برس ہوے سکھائی تھی جسپر اگر ہم برابر عمل کرتے رہتے تو آج یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا ۔ یعنی ۔

اگر نیک بودے سر انجام زن زنان را مزن نام بودے نہ زن

بس ۔ بس ۔ جناب یہ گفتگو موقوف کیجیئے ۔ بندہ رخصت ہوتا ہے۔ اب آپ مار پیٹ پر تیار ہو گئے تو مین آپ سے کچھ بحث نہین کرسکتا۔ عورتون کی طرف سے صرف اسقدر جواب دئے جاتا ہون کہ

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے بایں ہمہ

ذکر میرا مجھسے بہتر ہے کہ اوس محفل مین ہے

بقلم امیر احمد علوی ۔ بی ۔ اے
لکھنؤ ۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء

راقم
نہ ستایش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہ خوش ہو مری تحریر سے کوئی نہ سہی

فضا

سماں کیا شب کو دلکش ہی فضائی آسمانی کا ہی کون اوڑھی ہوئے آبی دوپٹا کامدانی کا

دوپٹا تو نہین ہی، قمقمے چھت مین لٹکتے ہین چراغان یا کسی گھر مین ہی، یا جگنو چمکتے ہین

نہین دیکھی مگر اس قد کی جگنو آج تک مین نے بہت دیکھی مگر ان مین نہ دیکھی یہ چمک مین نے

ارے توبہ ستارون پہ ہوئی کیا کیا گمان دیکھو خیالات ایشیا کے لے گئے مجھکو کہان دیکھو

تو کیا صرف ایشیا ہی نے فلک کا سقف مانا تھا وہ ہی یونان جسکے سینس نے ایسا ہی جانا تھا

یہی قصے زبانون پر یہی علمی بیانون مین کہ سب تارے نگینے سے جڑے ہین آسمانون مین

وہ شیشی کی سی اک چھت ہی فلک ہی گرچہ نام اسکا نہ ممکن خرق ہو سکتا ہی نہ ممکن التیام اسکا

یقین یہ تھا کہ گردش فطرتی ہی چرخ کی سر مین زمین ساکن ہی اور ہی چرخ اسکے گرد چکر مین

یقین یہ تھا کہ تارے چرخ کے ہمراہ پھرتے ہین فقط تارے ہی کیا ہین بلکہ مہر و ماہ پھرتے ہین

وہ ناواقف کہ سیارون کی گردش ہی خلا ہی مین معلق زور قانون کشش سی ہین فضا ہی مین

وہ ناواقف شہابون سے کہ کیا کیا ان مین اجزا ہین ستارے ٹوٹتے کیونکر ہین شعلے جن سی پیدا ہین

بڑا تارا اگر کوئی زمین تک ٹوٹ کر آیا تو اسکے مادی اجزا سے لوگون نے حجر پایا

نظر آتا ہی تارا ٹوٹتا پھر اس مین شک کیا ہی کہان وہ گرز ملا کا ہی جو شیطان پہ چلتا ہے

جو گرز آتشین ہی پر کرو تم ضد تو لا حاصل بدیہی امر سے مذہب پہ حرف آئی تو کیا حاصل

نظر تارا کہے، تم گرز سمجھو، ہی خرد حیران یقین سے ضد تو مشکل ہی مگر تاویل ہی آسان

فضا مین سیکڑون دُم دار سیارون کی کثرت ہے ہین شکلین جنکی نظرون مین دلون پر انکی ہیبت ہے

کرورون میل طول انکا ہی لاکھون میل عرض ان کا مٹے دنیا، جو ٹکرا کر زمین کو ہو گذر انکا

قوی ہین بعض ایسی جنکی قوت رہتی ہی غالب نہین آتی ہین بس مین گو کشش سی شمس طالب

وہ گرد شمس پھرتی ہین کشش غالب ہی جنپر کشش مین جو نہ آئی وہ الگ ہی کھاتی ہین چکر

بہت ہی فاصلہ رہتی ہین دور آنکھون سے اکثر وہ — بطی رفتار جن کی ہے نظر آتے ہین کمتر وہ
کبھی نیچے، کبھی اوپر جو گردِ شمس تارا ہو — تو سقف آسمان کا کس طرح قائل نظارا ہو
نظر جو سر کے اوپر ہمکو نیلی رنگت آتی ہے — شعاعون سے ہوا ملتی ہے تو یہ رنگ پاتی ہے
کُرہ ہی ماہ اُسی گرد زمین گردش خلا مین ہے — پہاڑ اُس مین نظر آتی ہین لیکن خشک ہوا مین ہے
برودت کی نہین کچھ حد، یہ ہی اک طرفہ بات آئی — یقین یہ ہے کہ رہتا ہو نہ کوئی ذی حیات اُسمین
مگر ہے بیچ مین دنیا کی حالت پائی جاتی ہے — وہ ایک ایسا کُرہ ہی جسمین خلقت پائی جاتی ہے
فضا کتنی ہے اسکو عقل انسان پا نہین سکتی — نظارے کی احاطہ مین حد اسکی آ نہین سکتی
جو ہین دم دار سیارے فضا مین دور نظرون سے — تو ممکن ہے کہ ہون افلاک بھی مستور نظرون سے
نہین اے شوق لیکن نیلگون رنگت مسقف سے — فلک ہو تو کہین ہو، یہ فضا ہی ہی ہوا سے

احمد علی۔ شوق۔ قدوائی

علم الشہب

آج ہم نہایت فخر کے ساتھ جناب مفتی محمد انوار الحق صاحب ایم۔ اے منشی فاضل کا ایک مضمون "الناظر" میں درج کرتے ہین جو مثیارک اسٹرانومی یعنی "علم الشہب" پر ہے۔ جناب ممدوح صرف الصدر اور اونکی علمی قابلیت سے لوگون کو واقف کرنے کی زیادہ ضرورت نہین ہے اسلیے کہ "اثبات واجب الوجود" اور "قوت خیال" ان دونون کتابون نے اون کو علمی دنیا کی دنیا مین آفتاب کیطرح چمکا دیا ہے۔

"اثبات واجب الوجود" پر حضرت۔ شوق۔ قدوائی کا ریویو اسی نومبر کے "الناظر" مین شایع ہو چکا ہے اور "قوت خیال" پر بھی انھین کا ریویو نظارہ طلب ہے۔ اب تو حضرات ناظرین اور بھی جناب مفتی صاحب کی علمی عظمت اور قلمی قوت سے واقف ہو گئے ہونگے۔

"الناظر" کے صفحے "علم الشہب" کے اس بلند پایہ مضمون سے ایسی بلندی پر پہونچے ہین جو گویا شہابون سے بھی اوپر نکل گئے ہم جناب مفتی صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے بعد یہ امید کرتے ہین کہ آیندہ بھی "الناظر" اون کے عالمانہ قلم اور فاضلانہ مذاق سے عزت پاتا رہیگا۔

ایڈیٹر

منجنیق فلک سنگ فتنہ می بارد
من ابلہانہ گریزم بہ آبگینہ حصار

شاید یہ بات عرفی نازک خیال کے وہم وگمان مین بھی نہ گذری ہوگی کہ اسکا وہ مضمون جو آج اپنے مجازی معنون مین بھی مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہی۔ ایک دن مشاہدہ اور تجربہ ثابت کردیگا کہ وہی مضمون حقیقت مین حقیقت کے ادا کرنے سے بھی قاصر ہی۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر اہل مغرب انصاف کو ہاتھ سے ندین تو جو بات انکے علما وفضلا آج ہزارون کوششون اور لاکھون محنتون کے بعد ثابت کرتے ہین وہ بات مشرقی شعراے بلند پرواز کے خیال مین سیکڑون برس پہلے گذر چکی ہے۔ مثال کی طور پر اسی ایک مسئلے کو لیجئے۔ ایشیا والے تو خیر بیچارے جاہل نادان ہین۔ مگر یورپ کے اہل علم بھی کتنے ہین جو اس شعر کی بلا مبالغہ صداقت اور لغوی معنون کی سچائی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہین۔ اور فی الواقع یہ بات بھی اتنی عجیب معلوم ہوتی ہی کہ اگر ایسٹرانومی۔ یعنی موجودہ علم نجوم کے فاضلون کے مشاہدے ہماری تائید کے لیے مستعد نہ ہوتے تو ہم خود بھی ہرگز اسکو صحیح نہ مان سکتے۔ مگر موجودہ علوم وفنون کی روزافزون ترقی نے جہان اور بہت سی نئی نئی باتین معلوم کی ہین۔ وہان ایک یہ بھی ہے۔ اسکی توضیح کے لیے ضرور ہے کہ ہم ان مشاہدون کا اجمالی ذکر کرین جو ہمارے بیان کے لیئے شاہد صادق ہین یہ تو ظاہر ہے کہ خدا نے اس چھوٹے سے کرۂ زمین کے ننھے ننھے آدمیون کے حوصلے بڑے اور دماغ عالی بنائے ہین۔ اور یہان والون کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اس عظیم الشان آسمان اور اسکے بیشمار چمکتے ہوئے تارون کا حال دریافت کرین۔ اسی فراخ حوصلگی اور عالی خیالی نے علم نجوم کو شروع ہی سے دلپسند بنا رکھا ہی اور اگرچہ آجکل اسکے بہت سے نتائج جو ایک زمانے مین صحیح اور مستند مانے جاتے تھے غلط اور ناقابل

اعتبار سمجھے جانے لگے ہین - مگر انکی بجائے اور بہت سی نئی دلچسپیان پیدا ہو گئی ہین - جنکی وجہ سے اسکی مقبولیت مین اِسکے سوا اور کچھ فرق نہین آیا کہ اب اسکا مرکز مشرق سے مغرب اور ایشیا سے یورپ بنگیا ہی - بہرکیف اس علم کی معلومات اب بھی بہت کچھ دلکش ہین اگرچہ وہ ہماری آیندہ زندگی کے حالات کی نسبت خاموش ہین - ان معلومات مین شاید نہایت عجیب و غریب مشاہدے علم نجوم کے اس شعبے مین کیے گئے ہین - جسکا تعلق شہابون سے ہے اور ہماسی وجہ سے علم الشہب (میٹیارک اسٹرانومی) کہا جاتا ہی - اور یہی مشاہدے یہان ہمارے بیان کی تصدیق بھی کرتے ہین -

علم الشہب کے محققین کا سب سے عجیب مشاہدہ پہلے ہی بیان کر دینا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ کرۂ ارض اپنے دورہ شمسی مین بے انتہا شہابون مین سے ہوتا ہوا گزرتا ہی - اور انمین سے کثیر التعداد شہابے اس ناخوش آیند اور ناخواندہ مہمان کو نشانہ بنایا چاہتے ہین - لطف یہ ہے کہ انکا نشانہ گویا نشانۂ تقدیر ہی کہ کبھی بھولکر بھی خطا نہین کرتا - وجہ ظاہر ہے - خود زمین کی کشش ثقل ہی اس فضائے جو مین پروازکنان اجرام کو اپنی طرف کھینچتی ہی - اور وہ بی تحاشا اس سے بغلگیر ہونے کے لیئے دوڑتے ہین ع اے روشنئی طبع تو بر من بلا شدی - یہ بھی نہین ہے کہ وہ محض کرۂ ہوا کو چھوتے ہوے نکل جاتے ہون - جیسا کہ چند دنون پہلے خیال کیا جاتا تھا - بلکہ وہ سیدھے زمین کی طرف آکر یہان کے رہنے والون سے ملنا چاہتے ہین - اُنکی رفتار اگرچہ اجرام فلکی کی تیزگردیون کے سامنے گرد ہے - مگر پھر بھی انسانی صنعت کے تیز سے تیز گولون سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے - جسم مین اگرچہ انمین سے اکثر بہت چھوٹے ہوتے ہین - یہان تک کہ بعض معمولی توپ کے گولون کی برابر بھی نہین ہوتے - مگر یہ امر کچھ تسلی بخش نہین - کیونکہ انکی سرعت رفتار اس

کوتاہ قامتی کی تلافی کر دیتی ہے۔ اور ان مین سے چھوٹے سے چھوٹے شہاب ثاقب کی قوت صدم بھی کس طرح بڑی سے بڑی توپ کے گولے سے کم نہین ہوتی۔

یہان پہونچکر دل مین ان آسمانی گولون سے کچھ ڈر سا پیدا ہونے لگتا ہے۔ تاہم ابھی تک ایک وجہ تسلی کی باقی ہے۔ ہر شخص خیال کرتا ہے کہ ٹوٹنے والے تارے ایسے کثرت سے نمایان ہوتے ہین۔ چاندنی رات مین آسمان پر نظر ڈالیے تو کبھی گھنٹے آدھ گھنٹے مین ایک آدھ تارا ٹوٹتا نظر آتا ہے۔ اور وہ بھی کبھی سیدھا گرتا معلوم نہین ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ ایک طرف کترا تا ہوا نکل جاتا ہے اور دم بھر مین نظرون سے غائب ہو کر ان او جھل ہو جاتا ہے۔ اس طرح اگر رات بھر مین دو تین یا سارے دن رات مین تمام آسمان پر سو پچاس تارے ٹوٹ کر گرے تو کیا ہوا۔ زمین وسیع ہے اور بیچارے انسان کا حیف البنیان توان تودون پر چھوٹے چھوٹے حصون مین پڑے ہوئے ہین۔ گرتے ہوئے تارون کی آماجگاہ بننے کے لیے پانی کی گہرائیون اور سطح کھلی پڑی ہی۔ گرینگے تو زیادہ تر وہین گرینگے اگر کچھ وہان سے بچے خشکی پر آگرے بھی تو سوڈان جیسے بہت سے صحرا اور میدان ویران پڑے ہین۔ بلا سے آسمان ٹوٹ پڑے دل کا چین وہین علی التعیین سے گوشہ عزلت مین دبکا پڑا رہنے دے۔ خدا تعالےٰ دل کو تسلی کے لیے یہ استدلال بہت کافی ہے۔ مگر ان مشاہدہ کرنے والون کو کیا نہ کہین۔ انھون نے اطمینان کی یہ وجہ بھی نہ چھوڑی۔ حقیقت مین ان ٹوٹنے والے تارون کی تعداد کا صحیح اندازہ ہم لوگ تو کیا۔ زیادہ سے زیادہ مبالغہ کرنے والے ایشیائی شاعر کے تصور سے بھی زیادہ ہی۔ بلکہ بہت دنون تک محققین علم الشہب بھی انکی کثرت پر حیران رہے۔ او سچ بھی ہے۔ آدمی کا قیاس کہان تک جائے گا دن بھر مین سو پچاس نہین ہزار سہی۔ اچھا یہ شمار بھی اگر کم ہی تو لاکھ سہی۔ اب تو

ہمنے بے انتہا بڑھا دیا بیشک بہت بڑھا دیا۔ مگر ابھی تک واقعی تعداد کے عشر عشیر تک بھی نہین پہونچے۔

امریکہ کے ایک نامور پروفیسر سائمن نیوکومب نے نہایت یقینی اور ناقابل شک طریقے سے یہ تخمینہ کیا ہے کہ ہر سال زمین پر ایک کھرب ۴۶ ارب شہابے گرتے ہین۔ یا یون کہیے کہ روز چالیس کرور۔ اس مین کلام نہین کہ انہین سے اکثر ایسے ہین کہ دوربین کی غائر اور تیز نظر کے سوا نظر نہین آسکتے مگر یہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہین کہ مور را شبنم طوفان۔ آدمی کی جان لینے کے لیے انہین سے کوئی بھی ملکسم توپ کے گولے سے کم نہین ہی۔

یہان طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ ان آسمانی گولون کی اس بہتات کے باوجود بھی کیا وجہ ہے کہ کئی برسون مین بھی یہ بات سننے مین نہین آتی کہ آج فلان شخص ایک شہابے کے گرنے سے مرگیا۔ حالانکہ انکی تعداد اسقدر زیادہ بتائی گئی ہے۔ کہ اگر سو مین سے ایک بھی آدمیون پر گرتا تو ایک ہی سال [illegible] صفحہ زمین پر سے انسان کا نام حرف غلط کی طرح مٹ جاتا۔ آخر یہ عظیم الشان کرہ جو اپنے گرد و پیش کے [illegible] کو ایسی برق و باد کی رفتار سے فضائے بسیط مین اڑا جاتا ہو جس سے نہ دن کو قیام ہے نہ رات کو قرار ہے جب اس پر چوبیس گھنٹون مین آسمانی گولہ انداز چالیس کرور فیر کریگا تو اسکے رہنے والون کا کہان پتہ ملے گا بیشک یہ سوال بجا ہے۔ مگر جو کچھ ہمنے کہا ہے وہ بھی غلط نہین۔ ہان یہ ہے کہ سنگ نشتہ کی دھوان دھار بوچھارون کا تو ذکر ہوا۔ مگر ابھی آبگینہ حصار کا بیان نہین آیا۔

جس صناع لایزال ولم یزل نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان ضعیف کی چشم [illegible] آتشباری کی پیچان کی ہے

اُسی خلاق ذو الجلال و بے بدل نے اپنی حکمت بالغہ سے اسکے گرد ایک ایسی عجیب ڈہال قائم کی ہو کہ کوئی بحری جہاز اپنے ایک گز کے دل کی فولادی چادر مین بھی اتنا محفوظ نہ ہوگا - یہ ڈہال واقعی ایک عجیب چیز ہے - اور وہ ہے کیا - کرہ باد - کیا شان ایزدی ہے کہ اسنے ہوا جیسی رقیق اور بے جسم شئے کو اجرام فلکی اور اجسام سماوی کی روک کے لیے دیوار بنا دیا ہے - اور کرہ خاک کو اس حصار سے مضبوط کیا ہی - بات یہ ہے کہ ہوا اگرچہ نہایت رقیق اور لطیف چیز ہے - مگر سریع السیر اشیا کی سخت مخالفت کرتی ہی - اور جسقدر رفتار تیز ہوتی جاتی ہی - اسیقدر اسکی یہ طاقتِ مقابلہ بڑھتی جاتی ہے - اب یہ تو ہم کہہ ہی چکے ہین کہ ان ٹوٹنے والی تارون کی رفتار توپ کے گولون سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہی - چنانچہ اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ اجسام کرہ باد مین اگر زمین کا رخ کرتے ہین تو انکی رفتار عموماً ۲۰ اور ۴۰ میل فی سیکنڈ کے درمیان ہوتی ہی - پس جب یہ گولے کرہ ہوا مین داخل ہوتے ہین تو ہوا کی مخالفت اور رگڑ سے حرارت پیدا ہوتی ہی - جو آناً فاناً بڑھ جاتی ہے -
اور چونکہ اجسام کا زیادہ تر حصہ آتشگیر مادون اور بخارات کا بنا ہوا ہوتا ہے - اس لیے فوراً ان مین آگ لگ جاتی ہی اور انکی وہی سرعت رفتار انکو فنا فی النار کر دیتی ہی یہ شہاب اکثر ہوا کی بیس پچیس میل سے زیادہ موٹے پرت کو نہین چیر سکتے اور بالعموم سب کچھ کام ایک دو سیکنڈ مین ہو جاتا ہے - زیادہ تر یہ ستارے زمین سے ستر میل کی بلندی پر اگر مشتعل ہو جاتے ہین اور نظر آنے لگتے ہین - اور پچاس میل تک آتے آتے جل بھسکر خاک ہو جاتے ہین -
انکی زمین سے دور ہی دور فنا ہو جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ چونکہ ان پر کشش ثقل کی طاقت کے علاوہ خود انکی رفتار کی سمت کا بھی اثر ہوتا ہے - اس لیے انکا گرنا بالکل عمودی نہین ہوتا - بلکہ وہ کرہ ہوا کو ترچھا کاٹتے ہوے جاتے ہین

اور اس طرح اپنے بتیس تینتیس میل لمبے سفر زندگی مین وہ ۸۰-۱۰۰ میل سے زیادہ نیچے نہین اُترتے۔ ہان کوئی کوئی شہابہ جو بہت بڑا ہوتا ہے اور جس مین کچھ فلزاتی اجزا بھی زیادہ ہوتے ہین۔ اُسکی روشنی بڑی تیز اور اکثر اوقات رنگین ہوتی ہے برسون مین کبھی کوئی شہابہ بھی گر جاتا ہی۔ جسکے اجزا اتنے سخت ہوتے ہین کہ وہ اس آگ مین بالکل بھسم نہین ہونے اور آخر زمین پر گر پڑتے ہین لیکن ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ اور عموماً یہ کثیر التعداد ٹوٹنے والے ستارے کرہ ہوائی مین جل بھنکر خاک ہو جاتے ہین۔ انکی خاک چونکہ نہایت ہی باریک ہوتی ہے اس لیے بہت آہستہ آہستہ نیچے اُترتی ہے۔ لیکن اُترتی ضرور ہے۔ اور آخر کار فرش زمین پر اس کا نہایت باریک اور نیلا سا پرت جم جاتا ہے۔ علمائے سائنس نے بعض بلند مقامات کی خاک جمع کی ہے اور اُسکا کیمیائی امتحان کرنے پر ثابت ہوا ہی کہ وہ بعینہ انھی اجزا یعنی نکل۔ کوبالٹ لوہا اور فاسفورسس سے مرکب ہے۔ جن سے شہابے بنے ہوے ہوتے ہین اور جن کی ترکیب ان پتھرون سے دریافت کی گئی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً زمین تک پہونچتے ہین۔

بہرکیف خدا کی قدرت ہے کہ اس نے اس کرۂ خاک کو کیسے عجیب و غریب گولہ اندازون کا نشانہ بنا کر کیسی رقیق اور لطیف شے سے محصور اور محفوظ کیا ہے۔ سُبحَانَہٗ وَتَعَالیٰ عَمَّا یَقُولُونَ عُلُوّاً کَبِیْراً۔

محمد انوار الحق
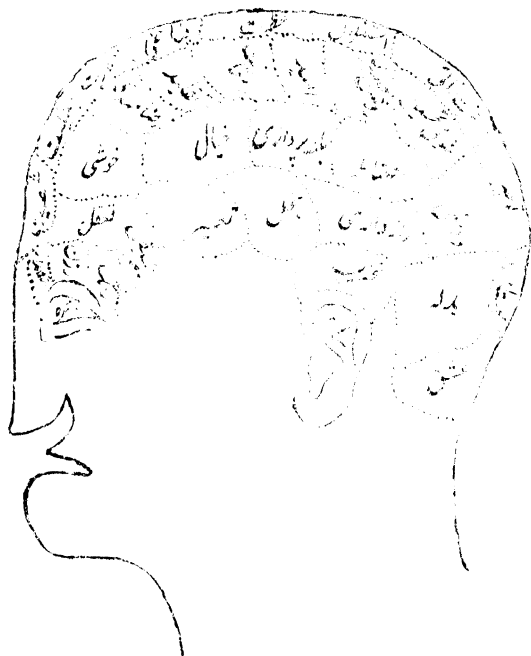
خالق عالم کی عجیب و غریب صنعتون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ہر ایک صنعت انواع و اقسام کے فوائد سے مملو ہی۔ قوت خیالیہ ہی کو لیجئے۔ اس سے انسان کو روزمرہ کے کاروبار مین کسقدر فوائد حاصل ہوتے ہین۔ اگر یہ مفید قوت انسان کو عطا نہ کی جاتی حواس ظاہری کی ساری محنت برباد جاتی۔ انسان کسی صورت اور واقعہ کو بھی اعادۂ خیال مین نہ لاسکتا اور نہ کسی مفید و غیر مفید شئی۔ یا دوست و دشمن مین فرق کرسکتا۔

واضح ہو کہ خیال کا کام یہ ہی کہ ان ظاہری صورتون کو جو بذریعہ حس مشترک معلوم ہوتی ہون اور اون صورتون کو جو حس مشترک مین جمع ہوگئی ہون اور اُن محسوسات کو جو اُسمین سے غائب ہوجائین۔ ان سبکو بحالت اصلی اوسی کیفیت پر حاضر کرسکے۔

قوت خیالیہ کے دو اقسام ہین **تخئیل**۔ اور **تخیّل**:۔

تخئیل کے لغوی معنی ہین۔ خیال کرنا۔ اور یہ خیال صرف عقلی اور ذہنی ہوتا ہی یعنی تخئیل قوت خیالیہ کے ایک ایسے طریق عمل کا نام ہی۔ جو معقولات۔ اور مرئی و غیر مرئی امورات سے متعلق ہو۔ عام ازینکہ اونکی ابتدائی حالت معقولی ہو یا محسوسی۔ مرئی ہو یا غیر مرئی جیسے ہم نے ایک کل ایجاد کی جو اس سے پہلے دنیا مین رائج نہ تھی۔ اور کبھی ہم نے اوسکا نام تک نہ سنا تھا۔ گویا ہماری قوت متخیلہ نے عقلی طور پر ایک عجیب اور نادر خیال پیدا کرکے ایک نئی بات ایجاد کی۔

تخئیل باعتبار حالات دو قسم پر ہی۔ تخئیل عقلی اور تخئیل حسّی

تخئیل عقلی۔ جسکے حالات صرف عقل ہی سے منضبط ہون۔ جیسے کسی شخص کسی نئے خیال کا پیدا کرنا۔

تخئیل حسّی۔ جسکی ابتدائی حالت محسوسہ سے شروع ہوتی ہی اور اوس کا نتیجہ معقولات پر ختم ہوتا ہو **جیسے** آفتاب کو بذریعہ حس باصرہ دیکھنا اور پھر اوسکی بابت عقلی طور پر نئے نئے خیالات پیدا کرنا۔

تخیل کے معنے ہین خیال مین لانا۔ اور وہ صرف صور اور امورات محسوسہ سے متعلق ہوتی ہی یعنی تخیل قوت خیالیہ کی اوس حالت کو کہتے ہین جو محسوسات اور مرئی اشیاء سے متعلق ہو۔ جیسے ہم نے کسی شخص سے سنا۔ کسی کتاب مین پڑھا یا اپنی آنکھون سے دیکھا کہ فلان شخص نے فلان کل ایجاد کی اور اس سنئے واقعہ کو ہماری قوت خیالیہ نے اپنے طبعی خزانہ مین داخل کر لیا

تخیل کی پانچ قسمین ہین۔

باصرہ[۱] - **شامہ**[۲] - **سامعہ**[۳] - **ذائقہ**[۴] - **لامسہ**[۵]

باصرہ - آنکھ سے متعلق ہی جیسے۔ کسی جانور وغیرہ کو دیکھ کر اوسکی صورت مرئیہ کو خیالی خزانہ مین لانا۔

شامہ - ناک سے متعلق ہی۔ جیسے پھول کا سونگھنا۔ اور اوسکی حالت محسوسہ کو خیال مین جا لینا۔

سامعہ - کان سے متعلق ہی۔ جیسے۔ کسی راوی سے کسی موجودہ یا گذشتہ واقعہ کو سننا اور اوسکی حالت مسموعہ کو خیال مین جمع کرنا۔

ذائقہ - زبان سے متعلق ہے۔ جیسے۔ کسی چیز کا چکھنا اور مزہ معلوم کر کے خیال کو اوس سے مانوس بنانا۔

لامسہ - چھونے سے متعلق ہے - جیسے - کسی شئے یا حالت شئے کو بذریعہ لمس معلوم کرنا اور اوس حالت ملموسہ کو خیال مین لانا۔

ذیل کے نقشہ سے ہمارا مضمون بخوبی ذہن نشین ہو جائے گا

باصرہ شامہ سامعہ ذائقہ لامسہ

حس مشترک

تخیل — خیال — تخیل

متصرفہ — قوت متخیلہ — مفکرہ

وہم

شائقہ — حافظہ — ذاکرہ

صورت محسوسہ - ظاہری پانچ حواس[1] کے ذریعہ سے ہم جس صورت کو محسوس کرسکیں

[1] حواس ظاہری - باصرہ[1] شامہ[2] - سامعہ[3] - ذائقہ[4] - لامسہ[5] -
حواس باطنی - حس مشترک[1] - خیال[2] - قوت متخیلہ[3] - وہم[4] - حافظہ[5] -
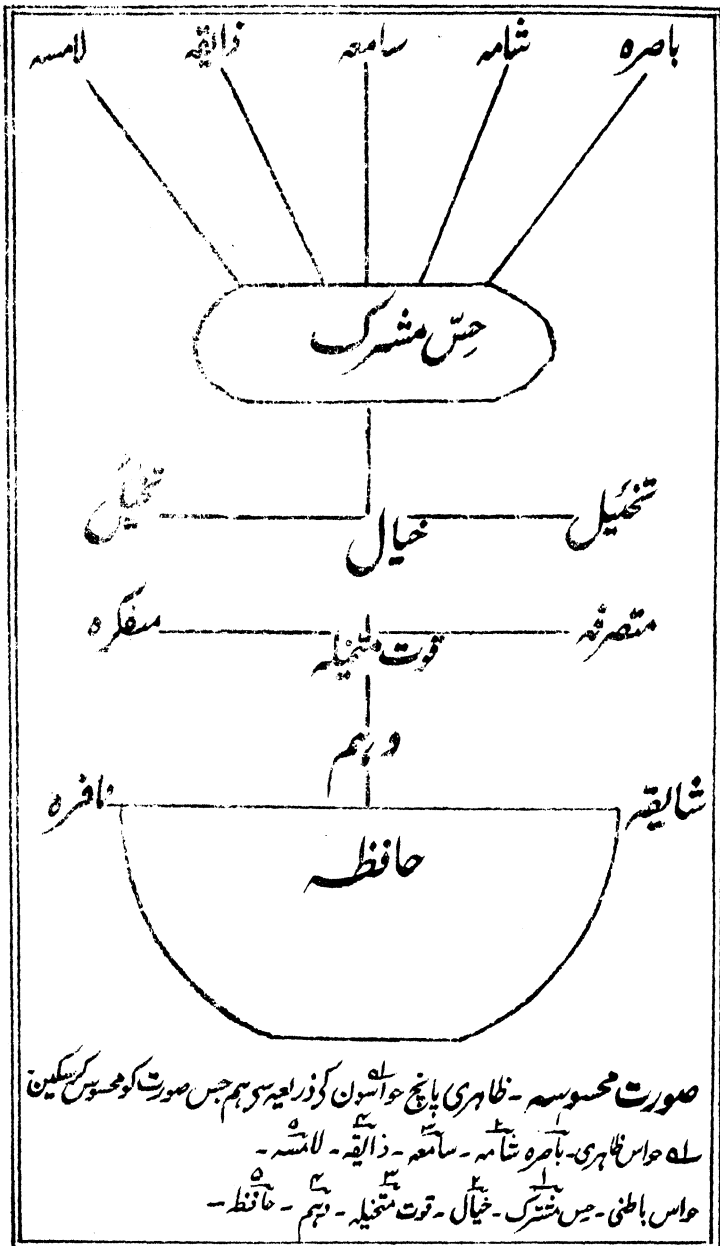
حِسِّ مشترک - اوس قوت کا نام ہی جو حواس خمسۂ ظاہری کی وساطت - صور محسوسات کو حاصل کرتی ہی - گویا حس مشترک پر صور محسوسہ کا استحصال موقوف ہی - جو کچھ حواس ظاہری سے دریافت ہو - اس مین پہونچتا ہی - اسی سبب سے اسکو مشترک کہتے ہین - اور اسکی جگہ دماغ کے بطن اول کا مقدم ہی -

خیال - وہ قوت ہی جو حس مشترک کی حاصل کی ہوئی صورتون کو قبول کرتی ہی - گویا یہ حس مشترک کا خزانہ ہی - اور اسکا مقام دماغ کے بطن اول کا مقدم ہی - گویا یہ دونون قوتین دماغ کے بطن مقدم مین ہین -

متخیلہ - اسکو متصرفہ بھی کہتے ہین - جو صور محسوسہ کہ خیال مین موجود ہوتی ہین اون مین یہ تصرف کرتی ہی - اور یہ تصرف یا ترکیب کے ساتھ ہوتا ہی جیسے - دو سر کا آدمی تصور کرنا - یا تفصیل کے ساتھ ہوتا ہی - جیسے انسان کو بے سر کا تصور کرنا اور یہ فساد تخیل کی ایک قسم ہی -

اور اس قوت مین تصرفات اسطرح ہوتے ہین کہ وہم صورت متخیلہ اور معانی جزئیہ مین اس سے خدمت لیتا ہی - اس لیے کہ جب یہ قوت عقل کی اطاعت کرتی ہی - اور نفس ناطقہ کی خدمت کرتی ہی تب اوسکا نام متفکرہ ہوتا ہی - اور اس قوت کا نفس ناطقہ کی خدمت کرنا سوائے انسان کے اور کسی جاندار مین نہین ہوتا - اسلیے کہ متفکرہ نہین پائی جاتی مگر انسان مین - اور اس قوت کی جگہ وہم اور خیال کے درمیان ہی -

وہم - یہ قوت اون معانی جزئیہ کو ادراک کرتی ہی جو محسوسات سی تعلق رکھتے ہین جیسے - دوست کی دوستی اور دشمن کی دشمنی - اسی واسطے بکری بھیڑیے کو دیکھتے ہی بھاگ جاتی ہی اور جس سی مانوس ہو اوسکی طرف آتی ہی - اور اس قوت کی جگہ دماغ کے بطن اوسط کے آخر مین ہی -

حافظہ - یہ قوت اون امور کو جنھین متفکرہ یا متوہمہ نے دریافت کیا ہو حفاظت سے

رکہتی ہی۔ اور اسکو متذکرہ بھی کہتے ہین۔ اسلیئے کہ بھولی ہوئی چیزون کو یاد دلاتی ہی اور یہ متوہمہ اور متخیلہ کا خزانہ ہی۔ اسکی جگہ دماغ کا بطن موخر ہی۔

بعض اطبا کا بیان ہی کہ خیال اور حس مشترک مرادف ہین۔ لیکن فلاسفہ ذہنی اس ترادف سے انکار کرتے ہین اون کے نزدیک خیال اور حس مشترک دو قوتین ہین اور اون کے حالات اور حیثیات آپس مین متباین ہین۔ ان دو تون قوتون مین فرق بیّن طور پر موجود ہی۔ مثلاً جب ہم حواس ظاہری کی وساطت سے کسی صورت محسوسہ کو پاتے ہین تو اوسوقت ہم اپنے آپ مین ایک ایسی طاقت دیکھتے ہین جو اس صورت محسوسہ کے استحصال کی طرف رغبت دلاتی ہی۔ جسکے اکہ بشرکت حواس ظاہریہ اوس صورت کو پالیتی ہی۔

جب یہ طاقت اپنے کام سی فراغت پاتی ہی تو ایک اور قوت ظہور پذیر ہوتی ہی وہ حس مشترک کو مجبور کرتی ہی کہ اون صور محسوس کو اوسکے سپرد کردے۔ اگر حس مشترک اور خیال مرادف ہوتے تو ضرور تھا کہ یہ دو حالتین پیدا نہوتین بلکہ اون طاقتون کی تاثیر ایک ہی وضع کی ہوتی ہی۔ اور اگر یہ دونون قوتین ایک ہی ہین تو کیا وجہ ہی کہ ایک ہی دفعہ دونون قسم کے خیالات پیدا اور مجتمع نہین ہوتے۔ پہلے ایک صورت پیدا ہوتی ہی اوسکو بعد کچھ اور۔ اگر یہ کہا جاے کہ قوت تو ایک ہی مگر اوسکی حالتین اور حیثیتین دو ہین جیسے پھول تو ایک ہوتا ہی مگر مختلف رنگون کے سبب سے مختلف حالتون مین منقسم ہو جاتا ہے تو اوسوقت ہم کہین گے کہ یہ لازم نہین آتا کہ انقسام حالات شئے مستلزم انقسام ذات شئے ہو جائے۔

قوتِ خیالی کی طبعی آنکھون کے سامنے ہر ایک قسم کا خیال اور واقعہ پڑا رہتا ہی جب اوسکو ضرورت ہوتی ہی۔ فی الفور نکال لیتی ہی۔ اور قوت حافظہ کا یہ دستور ہی کہ قوت وہمیہ کی وساطت سی مختلف معانی اور صورتون کو جمع کر لیتی ہی اور ضرورت کے وقت

ٹٹول ٹٹول کر نکال لیتی ہی۔ مثلاً جب ہمکو کسی بھولے ہوئے دوست کا نام لینا منظور ہوتا ہی تو کس مشکل اور دقت سے یاد کرتے ہین۔

قوت خیال بذاتہ مختار ہی اور قوت حافظہ مین اس قسم کی قابلیت ہی نہین پائی جاتی کہ اوسکو خود مختار قرار دیا جاسکے۔

قوت حافظہ کی مثال ایک محافظ کی ہی۔ کہ جب خیالات کو قوت خیال حس مشترک سے حاصل کرکے حافظہ کے سپرد کردے تو اوسے وہ نہایت حفاظت سے رکھے اور ضرورت کے وقت حاضر کردے۔ قوت حافظہ کو حافظہ اسی لیے کہتے ہین کہ وہ خیالات سپرد کردہ قوتِ خیال کو حفاظت اور دیانت سے رکھتی ہی۔

قوتِ خیال کے مقام کی بابت گو اکثر لوگون نے اختلاف بھی کیا ہی مگر متفق علیہ یہ قول ہی کہ اس قوت کا مقر دماغ ہی اسلیئے کہ اگر اس قوت کا مقام دماغ نہوتا تو ماؤفیت دماغ کیوجہ سے اس قوت کو کوئی صدمہ نہ پہونچتا حالانکہ انسان کا دماغ جب کسی وجہ سے ماؤف ہوجاتا ہی تو اوس کی قوت متخیلہ کی طبعی رفتار مین ایک قسم کی کمزوری اور ایک نوع کا نقص پیدا ہوجاتا ہے

قوت خیال کی طبعی صورت کے بارے مین بھی مختلف خیال ہین اسلیے اسکی صورت مخصوص مرئی نہین ہی۔ بہرحال قوت متخیلہ ایک نہایت ہی صاف اور الطف پانی کی طرح ہی۔ جو صورتین اور واقعات اوسکے سامنے آتے جاتے ہین اوسکی ذاتی صفائی اور لطافت کے سبب سے اوس مین منعکس ہوتے جاتے ہین۔

یہانپر لطافت و صفائی سے اس قسم کی کمزور صفائی مراد نہین ہی: پانی یا شیشہ کیطرح صور منعکسہ کو قایم اور ثابت نہ رکھہ سکے بلکہ اس سے ایک ایسی لطافت مراد ہے جو نہاتہ لطیف ہو اور اوس مین ایک ایسی کشش اور طاقت ہو کہ وہ امور خارجیہ اور صور منعکسہ کو ایک مدت تک قایم رکھہ سکے۔

مسٹر ہارڈر کا خیال ہی کہ قوتِ خیالیہ صرف محسوسات کی بابت ہی خیالات پیدا کرسکتی ہی معقولات سے اوسکو کچھ واسطہ نہین۔ اسپر توجیہ یہ کیجاتی ہی کہ ہمارے دل مین وہی خیالات پیدا ہوتے ہین۔ اور انھین صورتون کو قوت متخیلہ پیش کرتی ہی جو محسوسات سی پیدا ہوتی ہین عقلی خیالات پیدا کرنے کے لیے قوتِ عقلیہ موجود ہی۔ ہم اس خیال سے متفق ہین کہ ہماری قوتِ متخیلہ صورِ محسوسات سے بھی مختلف خیالات کو اپنے طبعی خزانہ مین منتقل کرتی ہی مگر اس سی یہ لازم نہین آتا کہ وہ عقلی خیالات پیدا کرنے سے قاصر ہے ہم اکثر بلا رویت صورِ محسوسہ و بلا وساطتِ حواس جسطرح طرح کے عقلی خیالات پیدا کرتے ہین۔ ہماری قوتِ متخیلہ مین خدا نے ایسی طاقت دی ہی کہ اوسکے ذریعے سے ہزار ہا عقلی خیالات پیدا کرسکتی ہی۔ دنیا جو علوم و فنون مین ترقی کر رہی ہی یہ قوتِ متخیلہ ہی کی برکتون مین سے ہی جس شخص نے وائرلس ٹیلیگرافی (بے تار خبر رسانی) یا ایرشپ (ہوائی جہاز) کا نام بھی کبھی نہ سنا تھا اوسنے ان عجیب چیزون کو کیونکر ایجاد کرلیا؟ - مارکونی گراف یا ایرشپ کا خیال ایک عقلی خیال ہی جسکو صورِ محسوسہ سی کچھ نسبت نہین۔ اگر ہماری قوتِ متخیلہ مین عقلی خیالات پیدا کرنے کی طاقت نہین تو اس قسم کے عقلی خیالات کیونکر پیدا ہوتے ہین؟

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ایک قوت جسکی ذات ایک ہو دو قسم کے خیالات کیونکر پیدا کرسکتی ہی تو اسکا جواب یہ ہی کہ ایک قوت کا دو قسم کے خیالات پیدا کرنا وحدتِ ذاتی کے مغایر نہین۔ قوتِ ذائقہ ایک ہی قوت ہی مگر ہر چیز کا مزہ معلوم کرسکتی ہی۔

قوتِ عقلیہ دراصل اسلیے موضوع ہوئی ہی کہ اون خیالات کو جنھین قوتِ خیال بلا رویتِ صورِ محسوسہ پیدا کرتی ہی۔ اونھین اپنی حالت کے مطابق بنائے۔ چنانچہ قوتِ متخیلہ جب ایسے خیالات پیدا کرتی ہی تو قوتِ عقلیہ اونکو اپنے مطابق بنانا شروع کرتی ہی۔ قوتِ خیالیہ عقلی خیالات من قبیل عقل پیدا کرکے عقل کے سپرد کر دیتی ہی تاکہ اون خیالات کی صحت اور تنقیح ہوجائے۔

بالعموم انسان کی قوت خیالیہ دو طرح پر خیالات پیدا کرتی ہی۔ ایک بذریعہ حواس خمسۂ ظاہری دوسری بلا ذریعۂ حواس خمسہ۔ جنکا خارج مین مطلقاً اثر او نشان نہین ہوتا۔

خیالات بذریعہ حواس خمسہ

جب کوئی شخص بذریعہ حواس خمسہ امورات خارجیہ پر نظر یا غور کرتا ہی تو اوسوقت قوت خیالیہ اوس خیال کی حیثیت کے مطابق عمل کرتی ہی۔ بہت سے خیالات ایسے ہوتے ہین جنھین قوت خیالیہ بطور خود ناقص یا کمزور جانکر چھوڑ دیتی ہی۔ اور بہت سے خیالات کو مفید اور زوردار سمجھکر قوت عقلیہ کے سپرد کردیتی ہی۔

قوت خیالیہ مین نہایت جزئی طور پر تمیز اور فرق کی قابلیت بھی موجود ہی۔ بہت سے ایسے خیالات ہین کہ قوت خیالیہ اونکو نہایت خوشی سے قبول کرکے حفاظت کے لیے قوت حافظہ کے سپرد کردیتی ہی۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہی کہ قوت خیالیہ کی جزئی تمیز سے عقل کی خصوصیت مین کوئی فرق نہین آتا جب حواس خمسہ کے ذریعہ سے قوت خیالیہ۔ صور محسوسہ کو خیالی خزانہ مین جمع کرلیتی ہی تو اون مین سے بتدریج ایک ایک خیال عقل کے آگے پیش کرتی جاتی ہی اور خیالات منظور کردۂ عقل کو قوت حافظہ کے سپرد کرتی جاتی ہی اور جن خیالات کو عقل نے منظور نہین کیا ہی اونکو بذریعہ قوت نافرہ زایل کرتی جاتی ہی۔

حواس خمسہ قوت خیالیہ کے اول درجہ کے مؤید ہین۔ اُنھین کی وجہ سے خیالی خزانہ مین ہر ایک قسم کے خیال کی آمد رہتی ہی۔ گویا یہ حواس ہر وقت قوت خیالیہ کے طبعی خزانہ کو مملو رکھتے ہین۔ حس مشترک مثل ایک متوسط کے صور محسوسہ کو خیال کے سپرد کرتا جاتا ہی۔ خداوند عالم نے قوت خیالیہ اور حافظہ کے درمیان ایک ایسا لازوال تعلق رکھا ہی کہ ایک کی حالت ضروریہ کی خبر دوسرے کو فی الفور ہوجاتی ہی جب کبھی قوت خیالیہ کو کوئی بھولی بسری بات

کا یاد کرنا مقصود ہوتا ہی تو وہ اون خیالات اور صورتون مین جو اُس نے حس مشترک کے ذریعہ
سے حاصل کی تھین ۔ اور جو ہمیشہ اوسکی طبعی آنکھون کے سامنے پڑی رہتی ہین غور سے دیکھنا
شروع کرتی ہی تو اوسکی ایسے دماغ مین ایک قسم کا جوش پیدا ہوتا ہی ۔ اس جوش کو دیکھکر قوت
حافظہ ۔ جو خیالات اور صورتون کی محافظ ہی ۔ اوس خیال اور اوس صورت مطلوبہ کو قوت
خیالیہ کے روبرو اوسی حالت مین پیش کرتی ہی ۔ جس حالت کہ وہ خیالی جوش مطابق ہوتا ہی

خیالات بلا ذریعہ حواس خمسہ

وہ خیالات جو بلا توسط حس مشترک پیدا ہوتے ہین اونکی دو قسمین ہین ۔ ایک وہ کہ
جنکو حس مشترک سے کوئی علاقہ نہین ہوتا ۔ دوسرے وہ کہ جنکی ابتدائی صورت حس مشترک
کی شرکت سے پیدا ہوتی ہی مگر آخر مین معقولات پر جنکا سلسلہ تمام ہوتا ہی ۔

انسانکی قوت خیالیہ مین ایک لطیف اور طاقتور کشش رکھی گئی ہی جو بعض وقت
بلا مدد حس مشترک طبعی طور پر خیالات مفیدہ کے پیدا کرنے کی تحریک کرتی ہی ۔ جسوقت
انسان کی قوت متخیلہ اس لطیف قوت کو کام مین لانا شروع کرتی ہی تو اوسکی طبعی حالت مین
ایک تغیر عظیم واقع ہوتا ہی ۔ یہ تغیر اسوجہ سے ہوتا ہی کہ کثرت خیال سے قوت متخیلہ کو تکلیف
ہوتی ہے ۔

ایسے عقلی خیالات کو قوت متخیلہ دو طرح سے پیدا کرتی ہی ۔ ایک تو ضروریات کے پیش آنے
کیوجہ سے دوسرے ناگہانی طور پر جس مین ضروریات کا کوئی شائبہ نہین ہوتا ۔

جب انسان کو کوئی ضرورت در پیش ہوتی ہی ، اور اوس ضرورت کی تکمیل ایک ضروری
امر خیال کیا جاتا ہی تو اوسوقت انسان کی قوت متخیلہ مین ایک جوش پیدا ہوتا ہے اور وہ نہایت
مضطرب ہوجاتی ہی اسلیے کہ بظاہر باعانت حس مشترک اس ضرورت کی رفع ہونیکی کوئی صورت
نہین ہوتی ۔ ایسی حالت مین غور اور خوض کرتے کرتے ایک ایسی وجہ اور خیال پیدا ہوجاتا ہی
جس کا ظاہر مین کوئی نشان نہین ہوتا مثل مشہور ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے

دنیا مین جتنے علوم و فنون ہین وہ سب اسیطرح پر پیدا اور ایجاد ہوئے اور سب کو اسی قوت خیالیہ نے ایک اضطراب کی حالت مین پیدا کیا۔ اور اون کو پیدا کر کے اپنے اضطراب کو برطرف کیا۔ جب ارسطو کو ضرورت ہوئی کہ سیاست امورات کیلیئے کوئی قانون وضع کیا جاوے تو اوسکی قوت خیالہ نے طبعی جوش کے ذریعہ سے منطقی اصولون کو قایم کرلیا۔

بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو کوئی ضرورت درپیش نہین ہوتی۔ بلکہ اوسکا خیال تک نہین ہوتا مگر ناگہانی طور پر ایک عقلی خیال پیدا ہوجاتا ہے اور انسان حیران رہجاتا ہے ابو الخیر کہتا ہے کہ ایک روز مین باغ کی سیر کررہا تھا۔ میرا خیال سبزی کی طرف مائل تھا۔ ناگاہ میری قوت متخیلہ مین یہ خیال پیدا ہوا کہ روشنی ایک لحظہ مین کتنی دور چلی جاتی ہے۔؟ ہرچند مین نے غور کیا مگر کچھہ معلوم نہوا کہ یہ خیال کیون اور کسطرح پیدا ہوا؟۔

ایک شخص جانسن نامی کو پیرس مین پھانسی دینے کے لیئے لیجارہے تھے۔ ناگاہ اوسنے لوگون سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ اسوقت میرے دل مین یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ آتشی شیشہ سے بعض اشیاء کو آگ کیونکر لگ جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اسکا جواب دے تو مین نہایت ممنون ہونگا۔ لوگون نے اوس سے کہا کہ اس سوال کا کیا موقع ہے؟ اُسنے کہا کہ اگرچہ میری روح آدھ گھنٹہ کے بعد جسم کو چھوڑ دیگی مگر اسوقت مجھے اس خیال نے ناگہانی طور پر اسقدر مجبور کردیا ہے کہ موت کا خیال بھی جاتا رہا!!

فلسفۂ ذہنی کے ماہرین نے ناگہانی خیالات کے پیدا ہونے کے وجوہ دریافت کرنے کی بہت کوششین کین مگر کوئی پختہ دلیل دستیاب نہین ہوئی۔ بعضون کا خیال ہے کہ قوت خیالیہ کی حالت مثل آفتاب کے ہے جسطرح آفتاب کی شعاعین تمام اشیا پر اثر کرتی ہین اسیطرح قوت خیالیہ بھی سارے خیالات پر محیط ہے۔ اس احتمال کے باعث کبھی کبھی ایسے خیالات پیدا ہوتے ہین جو ناگہانی معلوم ہوتی ہین حالانکہ درا صل وہ ناگہانی نہ ہوتے۔

بعضون کا خیال ہے کہ قوت خیالیہ بلحاظ حالات کے دو قسم کی ہوتی ہی۔ ایک صوری اور دوسری معنوی ہی۔ بعض خیالات پردۂ صوری مین ہوتے ہین اور بعض پردۂ معنوی مین جب کسی سبب سے معنوی پردہ اُٹھ جاتا ہی تو پوشیدہ خیالات ظاہر ہو جاتے ہین بشر ان کو تعجب ہوتا ہی کہ یہ خیال یکایک کہان سے آگیا۔

۲۔ وہ خیالات جنکی ابتدائی صورت حسّ مشترک کی ذریعے سے پیدا ہوتی ہی مگر بعد کو قوت خیالیہ تسلسل کے ذریعہ سے اون سے معقولی صورت پیدا کر لیتی ہی۔

فرض کیا جائے کہ ہم نے قوت باصرہ کی وساطت سے ایک خوش رنگ اور خوش لہجہ چڑیا دیکھی تو ابتداءً ہمکو اس مشاہدہ سے صرف اسیقدر حاصل ہوا کہ اس چڑیا کی شکل اور ہیئت کذائی کا خیال ہماری قوت خیالیہ کے خزانے مین منتقل ہو گیا۔ لیکن جب ہم نے اپنی قوت خیالیہ کی اوس قوت کو جو اپنی طبعی کشش کی وجہ سے بلا ذریعہ حواس خمسہ خیالات کو پیدا کرتی ہی اس شکل کی طرف رجوع کیا تو ہماری قوت خیالیہ نے بلا مدد حواس خمسہ اس شکل کی بابت تفصیلی خیالات پیدا کرنے شروع کیے اور اس شکل سے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ اسکو خداوند عالم نے کسطرح پر پیدا کیا۔ اور اسکی ذات سے انسان کی ذات کو کس قسم کے فوائد پہونچنے کی امید ہو سکتی ہی۔ اور اسکے ذاتی خواص کیا ہین؟ یہان تک کہ انھین سلسلہ خیالات کا نام علم حیوانات رکھا گیا۔ حالانکہ جب ہم نے قوت باصرہ اور حس مشترک کی وساطت سے صرف شکل کا مشاہدہ کیا تھا اوس وقت ہمارے خیال مین علم حیوانات کا نام و نشان تک نہ تھا۔

علیٰ ہذا جب ہم بذریعہ قوت شامّہ کسی چیز کی خوشبو یا بدبو سونگھتے ہین تو ابتداءً ہمارے خیال کے طبعی خزانہ مین صرف بو ہی داخل ہوتی ہی اور اس بو کے ساتھ تفصیلی خیالات کچھ بھی نہین ہوتے۔ بو داخل ہونے کے بعد تفصیلی خیالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہی اور ہم معلوم کر لیتے ہین کہ اس بو سے دماغ اور دل پر یہ اثر ہوتا ہے، اور روح کو اس سے

یہ فائدہ اور ضرر رہوتا ہے، ابتدائی صورت مین تفصیلی خیالات کا نام نہین تھا اور نہ انسانکی قوت خیالیہ ان سے ماہر تھی مگر خیال کے طبعی جوش نے ان تفصیلی خیالات کو ظاہر کرکے اونسے اس قسم کے دقایق پیدا کرلئے کہ ہماری معلومات مین بے حد اضافہ ہوا اور اس سے بیشمار فوائد حاصل ہوگئے۔ وَاللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ مُحِیطٌ

سید علی اصغر بلگرامی ایم آر۔ اے۔

شخصی سلطنت مین سازش کا اثر

منصور عباسی کی وفات مکہ معظمہ مین زمانۂ احرام مین واقع ہوئی۔ ربیع منصور کا وزیر تھا۔ اوسے یہ اندیشہ ہوا کہ عیسیٰ بن موسیٰ کو معزول کرکے خلیفہ نے مہدی کے لیے اپنی زندگی مین بیعت لی تو لی ہی لیکن بہتر یہ ہوگا کہ یہان مکہ مین اعیان بنی ہاشم کو جمع کرکے پھر مہدی کے لیے تجدید بیعت کرلی جاے اس سے مہدی کے دل مین بھی جگہ پیدا ہوگی۔ اوس نے منصور کے مرنے کو چھپا ڈالا مردہ کو اٹھا کے بٹھایا سامنے ایک باریک سا پردہ ڈال دیا اور بزرگان بنی ہاشم کو جمع کرکے یہ کہا کہ خلیفہ نے اپنے بیٹے مہدی کے لیے تجدید بیعت کا حکم کیا ہی کہ اوس کے سامنے سب کر بیعت کرین غرض اس حیلہ سے تجدید بیعت ہوگئی۔ جب ربیع منصور کی تجہیز اور مہدی کی تجدید بیعت کے بعد مکہ سے واپس ہوا اور دار الخلافۃ مین پہونچا تو راستہ مین پہلے معاویہ بن یسار وزیر مہدی کا مکان ملا فضل ابن ربیع نے باپ سے کہا کہ اباجان ہمکو چاہیئے کہ مہدی سے ملنے کے پیشتر اور اپنے گھر جانے کے پہلے وزیر سے مل لین اور اسکو وزارت کی مبارکباد دے دین اسوقت کا ملنا شکوہی پر دلالت کرے گا اوسکا خوش رکھنا ضروری ہی کیونکہ مہدی پر اوسکا بہت

اثر ہے باپ نے بھی بیٹے کی رائے پسند کی اور دونون وزیر کی ڈیوڑھی پر پہونچے
اطلاع ہوئی تھوڑی دیر کے بعد ایک چوبدار آیا اور اوس نے کہا کہ چلیئے آپ کو
حضوری کی اجازت ہی دونون جب وزیر کے روبرو پہونچے تو وزیر نے ذرا
تعظیم نہین کی ربیع بھی آخر وزارت کرچکا تھا یہ امر اسکو ناگوار تو ہوا اگر چہرہ پر آثار
ملال نہ آنے دیئے اور شگفتہ روئی و بشاشت سے باتین کرنے لگا اثنا ے گفتگو مین
منصور کے مرنے کا ذکر مہدی کے واسطے تجدید بیعت کا حال شروع کیا ابھی تھوڑا
ہی حصہ اس گفتگو کا طے ہوا تھا کہ وزیر نے تیوری چڑھا کر اور منھ بنا کر کہدیا کہ
ہان ہان مجھے سب کچھ معلوم ہے اس طرز ملاقات سے ربیع و فضل بن الربیع
دونون دل ہی دل مین آزردہ اور آکے پشیمان ہوئے غرض کہ باپ بیٹے
وزیر سے ملکر رخصت ہوے اوس نے رخصت کرنے مین بھی بے پروائی
سے تعظیم نہ کی دروازہ سے باہر آنے کے بعد ربیع نے فضل سے کہا کہ اگر اس
وزیر کو تباہ اور اسکے جاہ و جلال و دولت حشمت کو خاک مین نہ ملا دیا تو میرا
نام ربیع نہین اللہ رے اسکے غرور اسکے بعد یہ دونون باپ بیٹے مہدی
کے در دولت پر حاضر ہوے اوس نے بڑی عنایت و مہربانی سے ملاقات
کی اور حاجب کی خدمت ربیع کو دے کر اپنے مخصوصین و مقربین بارگہ مین
جگہ دی اب ربیع کی یہ حالت ہی کہ دن رات وزیر کو زک دینے اور ہٹانے
کی فکر مین رہتا ہے مگر کچھ بن نہین پڑتا ایک دن وزیر کے کسی دشمن سے
ربیع سے ملاقات ہوگئی اوسنے کچھ اپنا حال جس مین وزیر کی شکایت تھی اس
سے کہا اس کو ملتفت پا کر خوب جلے پھپھولے پھوڑے سارا قصہ اس سے
بیان کیا اور اس نے اپنا واقعہ اوس کے گوش گزار کیا غرض کہ دو دل ایک
ہوگئے کہ وزیر کے کوہ تمکین کو توڑین اور اوسکو ضرر پہنچائین دو رن مین یہ رائے

قرار پائی کہ وزیر پر تو بوجہ اوس کے ہوشیار اور زیرک ہونے کے دار چلنا مشکل ہے مکر و فریب اوس پر کچھ نہ چل سکے گا البتہ اوسکے بیٹے کو کسی الزام مین پھانس کر مہدی کے حکم سے قتل کرادو اگر وزیر نے بیٹے کی ترجیح کی تو بھی مہدی اور وزیر سے بگڑ جائے گی اور اگر طرف داری نہ کی اور قتل ہو جانے دیا تو مہدی کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ مین نے اوس کے لڑکے کو قتل کیا ہی اوسے ضرور مجھسے ملال ہوگا یہ رائے ربیع کو پسند آئی اور وزیر کے بیٹے پر چپکے ہی چپکے تہمتین دہرنا اور الزام لگانا شروع کیے کبھی تو مہدی کی حرم کے ساتھ متہم کرتا کبھی الحاد کا الزام اوسپر دہرتا تھا اور مہدی کا یہ رنگ تھا کہ ملحدون کی جان کا دشمن تھا اس شکایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ وزیر کے لڑکے کی طرف سے مہدی کے کان بھر گئے اوس کے ملحد ہونے کا یقین ہوگیا اور ملحد سے جو حرکت ہو جائے کچھ بعید نہین ولی نعمت کے حرم کا اوسے کیون لحاظ و پاس ہونے لگا آخر جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہوگیا ایک دن مہدی نے اوس لڑکے سے بعض آیات قرآنی پڑھنے کی فرمایش کی وہ نہ پڑھ سکا اور مہدی کو گمان قوی اس امر کا ہوا کہ فلسفہ جدید نے اسکے عقائد بھی خراب کردیئے مہدی وزیر سے مخاطب ہوا اور کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ یہ قرآن حفظ کررہا ہے وزیر نے جواب دیا کہ مین نے ایسا عرض تو کیا تھا مگر اسکو بہت دن ہوگئے شاید بھول گیا ہوگا یہ سنکر مہدی نے کہا کہ اچھا اب اٹھو اور اپنے ہاتھ سے اوسکو قتل کرکے خدا و رسول کو خوش کرو وزیر حکم پاتے ہی اٹھا تو سہی مگر پاؤن لڑکھڑا گئے آنکھون مین اندھیرا آگیا قریب تھا کہ گر پڑے اوسوقت عباس بن محمد بھی بیٹھے ہوئے تھے اونھون نے دست بستہ یہ عرض کیا کہ اگر خلیفہ باپ کو بیٹے کے قتل کرنے سے معاف رکھے اور یہ کام کسی اور سے لے تو بہتر ہوگا ۔ اسپر مہدی نے ایک دوسرے حاضر دربار

شخص کو حکم دیا اور وزیر کے لڑکے کی گردن ماری گئی اسکے بعد وزیر جیتے جی
مرگیا دشمنون کے دل مین ٹھنڈک پڑگئی دونون نے مل کر اپنا بیر اس طرح نکالا مگر
وزیر اپنی خدمت پر حسب دستور قائم رہا اب وزیر کی طرف سے زیادہ تر
اطاعت و فرمانبرداری ہونے لگی ایک دن کچھ راز کے کاغذات لیکر وزیر
حاضر ہوا اور مہدی نے حاضرین کو برخاست کا اشارہ کیا سب لوگ تو
اُٹھ گئے مگر ربیع اپنی جگہ سے نہ سرکا اوسکو دیکھکر وزیر نے کاغذ پیش کرنے
مین تامل کیا اور مہدی نے پھر اوسکو خاص طور پر اُٹھ جانے کا حکم کیا مگر وہ
عیار ذرا سرک کر پھر وہین بیٹھ گیا اسپر مہدی نے ترش رو ہو کر کہا کہ کیا
مین نے ابھی تمکو یہان سے چلے جانے کا حکم نہین دیا۔ اتنا کہنا تھا کہ پھر کیا
تھا اب تو ربیع کو موقع مل گیا اور کہنے لگا "خداوند کیونکر اُٹھ جاؤن آپ اکیلے
ہین تلوار بھی پاس نہین ہے اور تخلیہ کی درخواست وہ شخص کر رہا ہے
جسکے لڑکے کو ابھی چند روز ہوئے آپ نے قتل کرایا ہے" یہ سنکر مہدی
کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا مگر سنبھل کر کہنے لگا کہ نہین وزیر بڑا نمک حلال اور
مطیع ہے اور وزیر سے کہا کہ ربیع سے کونسا راز پوشیدہ ہے شوق سے کاغذات
پڑہو مگر ربیع نے یہ ایسا جوڑ مارا کہ روز بروز مہدی کا وسواس بڑھتا گیا
آخر کو ایک دن ربیع سے کہہ دیا کہ بھئی مجھکو وزیر سے شرم آتی ہے مین نے اوس
کے لڑکے کو قتل کیا اوس سے کہہ دو کہ اپنے گھر مین رہا کرے یہان آنے کی ضرورت
نہین ہے" اسطرح معاویہ بن یسار نے اپنے کبر و نخوت و بدمزاجی دبے پر والی
کی سزا پائی جوان بیٹے کی لال سی جان گنوائی ایک عظیم الشان سلطنت کی
وزارت سے ہاتھ دھونا پڑا اسی نظر بندی کی حالت مین وہ مرگیا اور مہدی
کو اس جلد بازی اور بغیر سمجھے بوجھے حکم دینے کی یہ سزا ملی کہ ایک دانشمند

نمک حلال وزیر کو کھو دیا سنہ ۱۶۹ ہجری مین معاویہ بن یسار رنج والم مین گرفتار ہو کر مرگیا لیکن اوس منتقم حقیقی کی شان کو دیکھیے ربیع نے ایک کنیز مہدی کو نذر کی تھی مہدی نے وہ کنیز ہادی کو دیدی ہادی اوسے بہت چاہتا تھا اور صاحب اولاد ہو چکی تھی اوس کی عزت بھی کرتا تھا۔ ربیع کے دشمنون نے ہادی سے یہ شکایت کی کہ ربیع آپ کے بچون کو دیکھ دیکھ کر کہا کرتا ہے کہ ان لڑکون کی مان پہلے میرے تصرف مین آچکی ہے یہ سنکر ہادی اور اوسکے بچے اور اونکی مان سب کے سب ربیع کے جانی دشمن ہوگئے آخر ہادی نے اُسے شہد مین ملاکر زہر پلا دیا جس سال معاویہ بن یسار مرا ہے اوسی سال ربیع کا بھی خاتمہ ہوگیا اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سازش سے کوئی زمانہ خالی نہین رہا اور شخصی حکومت پر سازش کا کیا اثر ہوتا ہے۔

میر محمد طباطبائی (حیدرآباد دکن)

سبزہ زار کی شام

یہ سہانی شام، اور یہ مرغزار پر فضا
قطعۂ صحرا ہے کہنے کو، مگر ہے پُر بہار
پیڑ چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے موجود ہین
دل بہل جاتا ہی غمگینون کا اسکی دید سے
دست قدرت نے سنوارا ہی اسی کچھ لطف سے
دن کے ڈھلتے ہی کچھ ایسی آگئی اسپر بہار
چہچہے کرتے ہین مل ملکر بسیرا لینگے اب
یہ تھکے ماندے ہین دن بھر کہیان آئے ہوے

سبزۂ نوخیز ہے کیا لہلہاتا جابجا
صانعِ قدرت کے ہاتھون کا ہی یہ سینچا ہوا
ہر شجر فیض سماوی سے ہے کیا پھولا پھلا
کیسا پیارا ہی سمان اسوقت اس میدان کا
جسکے منظر پر نظر لوٹا کرے صبح و مسا
راحت جان بنگیا ہی یہ مقام پُر فضا
جمع پیڑون پر ہوئے ہین طائران خوشنوا
آشیان اِن کی درختون پر بنے ہین جابجا

ڈوبنے والا ہی سورج جس سے تھا پرنور دن | دہوپ میدانون سی تھوڑی دیر مین ہوگی فنا
پھوٹ کر شاخون کی صورت سی شعاعین مہر کی | پھول بن بنکر زمین پر گر رہی ہین جا بجا
رات کا سا کچھ اندہیرا ہی، نہ دن کا سا ہی نور | دُھندلی دہندلی سی نظر آتی ہی سورج کی ضیا
سردی و گرمی نہین، کچھ معتدل سا وقت ہی | چل رہی ہی کس ادا و ناز سے ٹھنڈی ہوا
درد بیٹا سا نظر آتا ہی کچھ بالائے کوہ | لو وہ دم بھر مین وہین آنکھون سی غائب ہوگیا
آسمان نے سرخ چادر اوڑھلی آتی ہی رات | جس طرف دیکھو شفق پھولی ہوئی ہی خوشنما
لو اندھیرا ہر طرف چھانے لگا، رات آچلی | آسمان پر جا بجا تارے ہوئے جلوہ نما

گھر چلو محوی یہان سی رات ہونیکو ہی اب
آچلی ظلمت تو لطفِ سیر بھی جاتا رہا

محمد حسین محوی لکھنوی

اے ہم قفس نہ پوچھ کہان آشیان ہی اب ۔غزل۔ بے نام و بے نشان ہون بے نام و نشان ہی اب

شمشیر تیز ہو جو مرا امتحان ہی اب | اتنی خبر رہے کہ کوئی سخت جان ہی اب
کس رشک گل کے عشق مین آوارہ ہوگئی | اے بوئے گل وہ گل کی محبت کہان ہی اب
اے بت ہوس ہی کعبے کی کس روسیاہ کو | میری جبین ہی اور ترا آستان ہی اب
سینہ مین ایک داغِ الم ہی بجائے دل | تحفہ یہی ہی اور یہی ارمغان ہی اب
حائل رہا کوئی نہ کوئی وصلِ یار مین | اصرار اُٹھ گیا تو حیا درمیان ہی اب
سُننے کو سُن چکے ہو فسانے ہزار ہا | دل تھام لیجئے کہ مری داستان ہی اب
مٹی مین مل چکا ہون مگر ہی وہی تلاش | یہ مشتِ خاک گردِ پسِ کاروان ہی اب
اسوقت حسبِ عدہ طلب ہی وصال کی | گویا ہمارے منھ مین تمھاری زبان ہی اب

گذرے نہ رقصِ مستئ لذت پہ وہم درد
بسمل نہ یون تڑپ کہ دمِ امتحان ہی اب

مسئلہ ازدواج

انسان کے خوش رہنے کے واسطے اُس کا ایک ہم روح اور ساتھ ہی معاون ہونا ضروری ہو۔ اور ان دونون کو صادق۔ باعصمت اور ہمدرد ہونا چاہیئے (ڈاکٹر سموئل)

کارکنانِ قضا و قدر نے عالم انسان کو دو اجزا سے مرکب فرماکر قوت فاعلہ اور قوتِ منفعلہ کو متحد کر دیا ہے۔ اسی فطرتی تحریک سے بنی آدم متاہلانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور رہین۔

خود پسندی اور خود غرضی لازمۂ حیات ہے۔ انسانی ہستی نے اپنی نوع مین لغیر جنسیت دیکھکر ایک دوسرے پر غالب آنیکی کوشش کی اس جد و جہد اور کشمکش کا لازمی نتیجہ تھا کہ صنف نازک کو ناکامی ہو۔ اور مرد کے مقابلہ مین عورت ایک ماتحت قوت ہو کر کام کرے۔ اس نتیجہ پر پہونچنے کے بعد ضروری ہوا کہ ہر فریق کے فرائض انجام دینے کے لیے جداگانہ قواعد مقرر کیے جائین۔ چنانچہ ازدواج کا زرّین اصول جس بہترین اور پاکیزہ مصلحت پر قائم کیا گیا۔ اُسکی واقعیت کے اعتراف مین ذرا بھی تامل کی گنجایش نہین۔ اور اسکے اعلیٰ مقاصد سے دنیا کا کوئی فرد بشر انکار نہین کرسکتا۔ نظام تمدن کو قائم رکھنے کے لیے مذاہب نے اس کے بہترین قواعد منضبط کیے۔ لا مذہب اور دہریے لوگون نے اس باب مین قوانین مروجہ کو رہنما بنایا۔ یا قومی رسم کی متابعت کی۔ ابتدائے آفرینش سے اسی پر عملدرآمد ہوتا رہا ہے۔ اور تا قیام ہست و بود اسکی پابندی کی جائے گی۔ اشرف المخلوقات ہستی اسی مجموعہ سے مراد ہے یہی انسان کامل کہا جاتا ہے۔ جو گلزار کائنات کا ایک خوشبودار پھول ہے۔

وحشت اور جہالت روشنضمیری کی دشمن ہی۔ غیر تہذیبت

یافتہ اور جادۂ اعتدال سے منحرف ہونیوالے غالب عنصر نے اپنے اقتدار کے ناجائز استعمال کی غلطی کا ارتکاب کیا۔ جوش و خود غرضی نے پامالی حقوق کی ساتھ ساتھ جذبات روحانیت بھی معدوم کردیئے اور اس وحشیانہ حرکت نے طبیعت ثانیہ بنکر حسیات لطیفہ کی قوت بھی سلب کرلی جسکی وجہ سے بوئے خوش گلو بیمار ہوگئی۔ اِن خوشگوار اور فطرتی تعلقات کا قید علایق و گرانباری دنیا سے تعبیر کیا جانا شروع ہوگیا۔ حصول مراتب اور تکمیل ترقی مین یہ مانع عظیم سمجھا گیا۔ حتی کہ عالم تجرد کی رہبانیت کو اس خوشنما زندگی پر ترجیح دی جانے لگی جسکا دردناک اور حسرت خیز نتیجہ یہ نکلا کہ خود اُسی کی نصف قوت ضعیف ہوگئی۔ جذبات حیوانی نے منافی پاکیزگی ہوکر انفرادی زندگی کی بنیاد ڈالدی قوت کے بالاشتراک کام نہ کرنے سے فرائض بڑھ گئے۔ اور چونکہ وہ اصلی نہ تھے۔ اسلیئے انجام دہی کی قابلیت العدام سے تکالیف مین اور زیادتی ہولی۔ ٹھوکرین کھانیوالے مردون نے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے بجاے اولٹے اس معصوم صفت جماعت کو متہم کرنا شروع کیا۔ ناقص العقل کا خطاب دیا گیا ان کی ہم نشینی سے حذر کیا جانے لگا۔ بیوفائی کا الزام لگایا گیا۔ اِن کا وجود دنیا مین بناے فساد قرار دیا گیا۔ غرضکہ پستی ترین مخلوق مین جن ارذل ترین صفات کا امکان ہوسکتا تھا۔ اونکے عائد کرنے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا گیا۔ یہانتک کہ عورت کو درجہ انسانیت سے خارج کرکے اوسکا شمار اشیاے مملوکہ و مقبوضہ مین ہونے لگا۔ اور اُسکے فرائض دنیاوی و مقاصد زندگی محض مرد کی اطاعت و فرمانبرداری اور حفظ نفس کی اعانت تک محدود کردیئے گئے۔ گویا منجملہ دیگر ضروریات زندگی کے مرد کے لیئے عورت بھی ایک کارآمد شے ہے۔ کیا ظالم و غاصب انسان کی ناہمواری کی (دوسنی اپنی ہی جنس لطیف کو نخچیر بنایا) اس سے زیادہ بدنما مثال اور بھی کوئی ہوگی۔ مگر نہین۔ نہین۔ یہ مسافت تمدن کی ابتدائی منزلون کے طے کرنے کا زمانہ تھا۔

دنیائے انسان جو کبھی بھولی نہین سمجھتی۔ برابر آگے بڑھتی رہی تدریجی ترقی نے بالآخر اوسے شائستگی کی حدتک پہونچادیا۔ حاسہ اخلاقی نے ضمیر کو حرکت دی۔ تعلیم و تلقین سے تہذیب و تمدن پر کاربند ہوا۔ اوسکے ساتھ ہی یہ اہم فروگذاشت بھی محسوس ہوئی۔ اور فی الجملہ اسکی تلافی کی کوشش ہونے لگی۔ اب عالم نسوان کی سینہری بدلی۔ اور عورتین بھی مردون کے دوش بدوش۔ پہلو بہ پہلو۔ ایک نمایان ہستی معلوم ہونے لگین عالم کے اسٹیج پر دونون ایکٹر اپنا اپنا پارٹ باقاعدہ انجام دینے لگے جسکی تصویر سرجان لیک کے مشہور قلم سے اسطرح کھینچی گئی۔

"زن وشو ساتھ ہی دعا مانگتے ہین۔ ساتھ ہی عبادت کرتے ہین اور ساتھ ہی روزہ رکھتے ہین۔ خوشی و رنج۔ تکلیف و راحت مین ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہین۔ اور باہم مونس ہوا کرتے ہین۔ ایک دوسرے سے کوئی امر پوشیدہ نہین رکھتے۔ اور نہ ایک دوسرے کے لیے بارخاطر ہوتے ہین۔ جہان یہ باتین ہوتی ہین۔ اوس جگہ کو دیکھکر خدا بھی خوش ہوتا ہے۔ اور اوسی جگہ وہ اپنی برکت نازل کرتا ہی۔ جہان میان بی بی محبت سے رہتے ہین اُس جگہ وہ بھی موجود ہوتا ہے اور جہان وہ موجود ہوتا ہے۔ وہان برائی قدم نہین رکھ سکتی۔"

حسن و عشق۔ وفا و محبت کی ان جیتی جاگتی تصویرون کے ہوتے ہوئے۔ کیسا اور بھی کوئی جنتی مخلوق ہو سکتی ہی۔ طلسم خیال کیا اس سے زیادہ اور کوئی پرفضا منظر پیش کرسکتا ہے۔ یہی ان اصلی مسرتون کا سرچشمہ ہے۔ جن سے حقیقی اور سچی خوشی حاصل ہوتی ہے یہی وہ دلکش اور سرور افزا زندگی ہے جسپر گدایان بینوا ہفت اقلیم کی سلطنتون کو قربان کردینے مین دریغ نہین کرتے یہی عیش و عشرت کی اصلی تصویر سرمایۂ زندگی کہی جاسکتی ہی۔

خوشا وقتے وخرم روزگارے کہ یارے برخورد از وصل یارے

دنیا کی متمدن قومون مین سے کوئی ایک بھی ایسی نہ ملیگی جس کے لٹریچر مین حسن و عشق کی داستانین مایۂ نازش نہون۔ اور اوسکے جادو نگار فسانہ نویس ان ہی جذبات کی موزونیت کی وجہ سے ایک شان امتیاز نہ رکھتے ہون۔ علم ادب کا بہترین حصہ انہی خوشگوارانہ تعلقات کے واقعات سے مرتب کیا جاتا ہے۔ اور یہی موضوع اقصائے عالم مین فنون لطیفہ کی جان ہے۔

لیکن بایںہمہ بہت سی مثالین ایسی بھی دکھائی دیتی ہین۔ جنکے بھیانک نظارے قوت باصرہ کو ان خوشنما منظرون کے بجائے ایک انتہا درجہ کی افسردہ اور مایوسانہ زندگی کا نمونہ پیش کرتے ہین۔ مشاہدہ ان کلفت آمیز واقعات کو نہایت دردناک پیرایہ مین نذر کرتا ہی۔ اور ان حوادث کے دیکھنے والے کو گفتون تعجب و حیرت کے بحر ذخار مین متلاطم موجون سے مقابلہ کرنا پڑتا ہی۔

ایک چلبلی طبیعت کے نوجوان کو جسکی دلی امنگین اور جوش طبیعت اندازہ بیان سے باہر تھے۔ جب شادی ہوجانے پر افسردہ خاطر اُسکے دلی ولولون اور حوصلون کو مٹتے ہوے اُسکی آئندہ زندگی کی امیدون اور منصوبون کو خاک مین ملتے ہوئے اور اُسکی لاتعداد آرزون اور تمناؤن کو دم توڑتے ہوئے دیکھتے ہین اور پھر اوسکے ساتھ ہی اوسکی حیرت و خاموشی ایک غمناک سکون کا پہلو لیے ہوئے پیش نظر ہوتی ہی تو تاسف کیے بغیر نہین رہا جاتا۔

ایک نونہال عمر جو اپنی اعلیٰ کوششون کی سرسبزی کو اپنے ہمصفیر کی نغمہ سرائی کے انتظار مین زبان مستقبل سے وابستہ کیے ہوئے ہوتا ہی۔ جب ایک ناقدردان محض کے ہاتھون اپنی سرگرمیون کی داد پانے کے بجائے ناشناسی کا خار چبھتا ہوا دیکھتا ہے تو اپنی خلش جگر سے بیتاب ہوکر دل تھام لیتا ہے۔ اور بجائے ترنم ریزی کے

۶ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ کہتا ہوا بیٹھ جاتا ہے ایک مخزن آرزو جسکے خیالات کی بلند پروازیاں فضائے بسیط کے محدود ہونے کی شاکی رہتی تھیں۔ جب اپنی محرومی قسمت سے مطلع ہوتا ہے تو اوسکی دردناک لہجے سے اکثر یہ آواز سنی جاتی ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

"ایک سریع السیر طائر فضائے بسیط مین اوڑ رہا تھا۔ قرمزی رنگ کے بادلون پر سنہری رنگ کی ہلکی ہلکی کرنین۔ نہایت دلفریبی پیدا کر رہی تھیں۔ اس خوش منظری سے لطف اُٹھاتا ہوا لا پرند۔ بلند پروازی مین ترقی کرتا جاتا تھا۔ اوسکے ننھے سے دل مین شوق کی طوفانی لہرون نے ایک تلاطم برپا کر رکھا تھا۔ کہ ہوا کی ابھی دلکشی اوسکے جوش و اُمنگ کو اُبھار رہی تھی۔ وہ جسقدر اونچا ہوتا گیا۔ اُسکے عزم و استقلال نے اُسیطرح ساتھ دیا۔ جون جون اُسکو کامیابی ہوتی تھی۔ شاباش۔ اور آفرین کے زمزمے اوسے سنائی دیتے تھے جسقدر وہ اپنے مقصد سے قریب ہوتا جاتا تھا۔ کانون مین مبارکباد کا سرود اور خوش آمدید کا ترنم گونجتا تھا۔ اس لطف و عروج نے اُسے سراپا مسرت بنایا تیتلونی سے بُرہو کر وہ فتحمندانہ شان سے اپنے چارون طرف دیکھ لیتا تھا۔ اُسکے ولولے اُسکو اُبھار رہے تھے۔ اُسکی طبیعت کی جولانی بڑھتی جاتی تھی۔ اور وہ اپنے زور رون مین جھسار ہا تھا۔ ہوا کے جھونکون نے مخالفت کی ٹھکانا چاہا مگر اس دھن کے پکّے نے ذرا بھی خیال نہ کیا۔ اور ہمت کی قوت بڑھی یہہ حوصلہ دیکھکر نورانی کرنون نے اوسکو داد دی۔ اسکی تقویت بڑھی۔ اور بھی زور مین جانے لگا۔ ہوا اپنی چالون سے شرما کر خود ہی دھیمی ہوتی گئی یہ بڑھ چلا۔ اور اونچا ہوا۔ دامن رفعت نے لبیک کہا۔۔۔ آسمانی مخلوق نے چھیڑ دیے۔۔۔۔۔"۔

"دل - آہ دل - - ظالم دل - - ناخدا ترس دل - - کم بخت دل - دشمن دل - یہ پارہ گوشت - - - یہ دل - - چاہا - - - کیا - ایک اور - - ایک دل - ایک دوسرا دل - - تنہائی اچھی نہین - - - مین اور وہ - - - دو - - دونون نہین - مین اور تو - - ہم - - - ہم دونون - - - دونون اوڑتے - دونون سیر کرتے - - - دونون لطف اُٹھاتے - - - بس دونون - - - یہان - وہان - ادھر اُدھر - ہر جگہ - دونون دیکھتے - دونون ہنستے - دونون کا مجموعہ - - مسرت - خوشی - شادمانی - یہ - - وہ - - سب کچھ - - -"

. . . .

اس خیال کا آنا تھا کہ - باا ینہمہ دم خم - باا ینہمہ زور بازو - باا ینہمہ جوش و خروش" باا ینہمہ حوصلہ و ولولہ جنبش بازو مین سستی پیدا ہو گئی - تیزی مین کمی ہوئی رکاوٹ آ گئی - تیر کی رفتار خرام ناز سے بدلی - ہلکی اوڑان - آہستہ پرواز - آخر تھم گیا - پرون کے سہارے ہوا پر تھرانے لگا - گویا کسیکا انتظار رہی - لطف انتظار - ذوق انتظار - انتظار کی خوش گواری نے دل کو ایک نامعلوم مسرت سے معمور کر دیا - طبیعت مین ایک ناقابل بیان مزیدار کیفیت پیدا ہو گئی - اب تو اور بھی پھرتی آ گئی - پھر - پھر - توپے - اڑون - - "

افسوس یہ جگہ رکنے کی نہ تھی - ٹھرنیوالے مجرم سمجھے جاتے تھے - دائمی اور ابدی سزا ان کے واسطے مقرر تھی - سزا بھی نہایت شدت - احکام سزا فوری اثر پذیر - ستم یہ تھا کہ قانون مذکور کی اشاعت نہایت خفیہ طریقہ سے باطنی طور پر کی گئی تھی - صورت جرم دلاویز - پھر فیصلہ ناطق - حکم سزا ناقابل ترمیم - نہ اپیل - نہ مرافعہ - - "

بھولا بھالا - سبک پرواز - کندے تول رہا تھا - جیسے ہی بڑھنا چاہا - -

رہ گیا۔۔ایک پھندا لگا ہوا تھا۔۔بہت باریک۔۔۔تار کار۔۔
گردن مین آیا۔۔۔۔بازوپر بندہ گیا۔۔اوسی مین ایک دوڑا بھی۔
مضبوط۔ریشمین۔ایک پتھر کو اپنی گرہ مین لیے ہوے۔۔پتھر خوبصورت
چکتا ہوا۔چکنا۔۔شفاف۔۔آبدار۔مگر پتھر۔۔۔طائر کی بساط سے بھاری
وزندار۔۔زمین کی کشش سے متاثر ہوکر اپنی ساتھ ہی طائر کو بھی بہلا۔
لے گیا۔۔پستی۔۔پستی۔۔انتہائی پستی۔تاریکی۔گھپ اندھیرا۔
اونچی اُڑان والا۔سبک سیر۔ہوا کا پرندہ۔تڑپا۔۔پھڑکا۔۔
پھڑپھڑایا۔۔پھڑک پھڑک کر رہ گیا۔۔۔ ے

منحصر مرنے پہ ہو جسکی امید — ناامیدی اوسکی دیکھا چاہیئے"

یہ ایک شادی شدہ نازک خیال نوجوان کا خواب تھا۔جو اوسنے تخئیل کی دوربین سے عالم بیداری مین دیکھا۔اور جسکی تعبیر اوسے پہلے ہی مل چکی تھی۔اوسنے زور سے ایک دلدوز آہ کی۔اور بے ساختہ گھبرا کر کہہ اٹھا۔
ع۔بس ہجوم یاس دل گھبرا گیا۔

یہ تصویر کا ایک رخ تھا۔دوسرا پہلو اس سے بھی زیادہ تاریک ہے جسکا نظارہ خون کے آنسو رولانے کے لیے تیار ہوجاتا ہے وہ خمیر وفا جسکی سرشت محبت ہے۔دلسوزی جسکی قدرتی میراث ہے۔جسکی نسبت برنس کے بقول قدرت اپنی کہن سالی کی قسم کھا کر کہتی ہی کہ اوسنے عورت کو سب سے بہتر صورت مین خلق کیا ہے" یہی بہترین ہستی جسکے دلی جذبات معدوم ہونا نہین جانتے جسکی احساسات ہلکی شے ہلکی جھلک کا امتیاز کرسکتے ہین۔اوسے غم کی تصویر بنادیتے ہین جسکا قلب محبت آفرینیون کا مبدا رہی۔وہ اپنے ارمان بھرے دل کی بھینیون سے جو فطرتی طور پر اوس مین ودیعت کی گئی ہین تنگ آ کر

کلیجہ مسوس مسوس کر رہ جاتی ہے۔

نوع انسان کی اس جنس لطیف کا اندوہگین ہونا فلسفیانہ طور پہ دل ہلادینے کے لیے کسقدر کافی ہے۔ ڈاکٹر اسمائلز جنکی تصانیف سے مہذب دنیا نے بہت کچھ استفادہ حاصل کیا ہے۔ اپنی لاجواب کتاب ڈیوٹی مین لکھتے ہین۔

"ایک حسین عورت تھی۔ جسکا شوہر علیحدگی چاہتا تھا۔ اسپر عورت نے کہا"۔ تو ہم کچھ مین لائی تھی وہ مجھکو واپس کر دو"

خاوند نے جواب دیا "بہتر ہے تمھاری دولت تمکو ملجائے گی"۔

عورت بولی "مجھکو دولت کا خیال مطلق نہین۔ میرا حقیقی مال و متاع مجھکو واپس دو۔ یعنی میرا حسن و نوجوانی مجھکو واپس دو۔ میری روح کی دوشیزگی مجھکو واپس دو۔ اور وہ بشاش دل واپس دو۔ جو کبھی ملول نہین ہوتا"۔

آہ۔ یہ کسقدر جگرخراش تصور ہے کہ جن دلون کی یہ آواز ہوتی ہو "مین تو صرف ایک ایسا دل چاہتا ہون۔ اور اسکا طالب ہون۔ جو دانشمندی سے میری نگہداشت کرے۔ اور ہر طرح میرا ہمدرد بنے" اون ہی دل والون کے گلابی رخسار آنسوؤن سے ڈھلتے ہین اور شگفتہ چہرے ناقابل اظہار رنج و الم سے پژمردہ ہوتے ہین۔ اور ناخوش زندگی کے دن پورے کرکے رفتہ رفتہ اسی مایوسانہ حالت مین گھل گھل کر اونکا رشتۂ حیات منقطع ہو جاتا ہے ع۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ بعض زن و شو کی منافرت اسدرجہ تک دیکھی گئی ہو کہ نہ محض لطافت جذبات ہی کے لطف سے محروم رہتے ہین۔ بلکہ باہمی گفتگو بھی آپس مین نہین ہوتی حتی کہ ایک دوسرے کے سامنے ہونا بھی پسند نہین کرتے۔ اور بالآخر نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ بچے جسمی و تعلیمی ... قابل خود دل و دماغ کی رہنمائی سے شاہراہ ترقی کو

نہایت سرعت کے ساتھ طے کر رہے تھے۔ منزلِ مقصود سے کوسون پیچھے ہٹ جاتے ہین اور آیندہ زمانہ مین ایک پر رونق اور شاندار زندگی کے بجائے نہایت مبتذل اور تکلیف دہ زندگی بسر کرتے ہین۔ بعض اس سے زیادہ تاریکی مین مبتلا ہو کر بد چلنی اختیار کر لیتے ہین۔ اور اس طرح روحانیت و پاکیزگی کے آبِ شیرین سے محروم ہو کر وہ پود جسکے بار آور ہونے کی بہت سی نظرین متوقع ہوتی ہین۔ قبل از وقت مرجھا کر سوکھ جاتی ہے۔ جسکا مجموعی نتیجہ قومی انحطاط کا باعث ہوتا ہے۔

انسان کی تمام خواہشات۔ تحصیل علوم۔ تکمیل فنون۔ احساس مذہب ترقی تہذیب۔ طریق تمدن وغیرہ سب کا دار و مدار شگفتگی طبیعت اور زندہ دلی پہ ہے۔ اور اوسکے جملہ افعال کی غرض و غایت محض دلجمعی اور طمانیت قلب پر مبنی ہے۔ از دواجی پیچیدگیون سے جو مایوسانہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہو۔ وہ نہ صرف معاملات دنیاہی پہ تصرف کرتی ہے۔ بلکہ اوسکا اثر اوس دوسرے عالم پر بھی جسکو غیر محسوس نہین۔ کہا جا سکتا پورا پورا پڑتا ہے۔ ایک بے ارادہ اور مہمل زندگی بسر کرنے والا شخص کیونکر کسی نتیجہ کا متوقع ہو سکتا ہی۔ جو خسرۃ الدنیا و الآخرہ کا پورا مصداق ہی۔ مسز پارسونز ایک امریکن لیڈی نے ان تکالیف کا احساس کرکے آزمایشی شادیان کیئے جانے کی رائے دی ہے۔ اور بد نصیبی کی شادی سے بچنے کے لیئے جسکے نتیجہ مین ایک بڑی تعداد شادی کرنے والون کی گرفتار ہو جاتی ہی۔ اوسنے اپنی کتاب مین اس امر پر زور دیا ہے کہ ایک میعاد مقررہ کے لیے مرد و عورت کی انتہائی شادی کیجائے۔ اگر ساعد بخت سے دونون متفق رہین۔ اور خوشی سے اونکی زندگی گذرے تو دوامی نکاح کر لین۔ ورنہ علیحدگی اختیار کر لیجائے۔ اور پھر عالم تجرد مین آجائین۔ ایسکے

بعد دوسری شادی کے انتخاب کا ہر فریق کو حق حاصل ہوگا یہ قرار دینا کہ مسٹر پارسونز کی رائے کہان تک معقولیت کا پہلو لیئے ہوئے ہے - ایک امر جداگانہ ہے - اسوقت اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ دنیاے ازدواج مین اس ناخوشگواری نے کس حد تک کشمکش پیدا کر رکھی ہی -

یہ عام قاعدہ ہے کہ ہر واقعہ کے لیے کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہی - چنانچہ ان خانہ جنگیون کے پیش آنے پر بہت سے اسباب تجویز کیئے جاتے ہین - اور بہت سی صورتین بنار مخاصمت قرار دیجاتی ہین - ہندوستانی تو مین بھی بلا لحاظ مذہب و ملت کثرت سے ان حادثات کا شکار رہوتی ہین - مصلحانِ قوم اور ملکی ریفارمران خرابیون کے اسباب ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کا سد باب کر رہے ہین - اور شاید کچھ کامیاب بھی ہو چلے ہین - مختلف سوسائٹیان اور انجمنین ملک کے اکثر حصون مین اس خاص غرض کے لیے قائم ہوئی ہین - اور ہوتی جاتی ہین - اور آیندہ نسلون کو اس دنیاوی دوزخ سے بچانے کی کوشش کی جا رہی ہی - کم سنی کی شادی - ذات پات کی قیود - کُف اور گوتھ وغیرہ کا خیال وغیرا اور بھی بہت سے امور معرض بحث مین ہین - اور اسی لحاظ سے کم و بیش ان کی ترویج و تنسیخ بھی شروع ہو گئی ہی - اور آیندہ کے لیے سلسلہ کوشش جاری ہی -

حقیقت یہ ہی کہ رشتہ ازدواج ایک ایسا قلبی تعلق ہی جسکی بنیاد کو موانست و محبت سے استحکام ہوتا ہے - اور یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ جسقدر نفوس متحد المقاصد ہونگے - اوسیقدر ارتباط کو مضبوطی ہو گی - پس دو شریک زندگی جنکی اغراض لازمی طور پر متحد ہو جاتی ہین - اون کا ایک دوسرے سے مغائرت برتنا - ایسا ہی بعید از فہم ہی - جیسا کہ دو متحد المقاصد کا ایک ہستی ہو جانا قرین قیاس ہے متحد المقاصد ہونے کے لیئے خیالات کی یکسانیت اور طبایع کا مساوی الحیثیت ہونا ضروری ہی

اسی انتخاب مین جب غلطی ہوتی ہی تو دو متناقض طبعیتین او لجھ جاتی ہین۔ اور جذب وانتصال پیدا ہونے کے بجاے افتراق وانفصال کی صورت پیدا ہوجاتی ہی چنانچہ اسیوجہ سے اقوام عالم مین تخصیص مذہب واشتراک قومیت کا بہت لحاظ رکھا جاتا ہے۔ تاکہ طبائع کی بیگانگی اور اجنبیت خیالات اختلاف راے کا باعث ہوکر کوئی صورت اتحاد مقصد کے منافی نہ پیدا کردے۔ فروعی اختلافات سے قطع نظر کرلی جائے مگر جب اصول مین تفریق ہوگی تو خود بخود مغائرت پیدا ہوجائے گی ارا کین خاندان مین خصوصیت کیون ہوتی ہی۔ اس لیے کہ اونکی اغراض مشترک ہین۔ شرکاے تجارت شیر و شکر کیون ہوتے ہین۔ اسلیئے کہ مشترکہ پلیٹ فارم پر کھڑے ہین یہ ایک معمولی سا واقعہ ہی۔ جسکی تصدیق بالمرہ دوران سفر مین ہوتی رہتی ہی کہ ایک ٹرین مین جب دو مسافر طولانی سفر کر رہے ہون اور کسی ایک ہی جگہ پہونچنا دونون کو منظور ہو تو بمقابلہ دوسرے سفر کرنیوالون کے ان دونون مین باہم ایک خاص خصوصیت پیدا ہوجاتی ہی۔ درانحالیکہ اس سے قبل وہ ناآشناے محض ہوتے ہین۔ اور انتہائی اسٹیشن پر پہونچکر دونون کا منتشر ہوجانا یقینی امر ہے۔ اس مثال سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہی کہ لوگون مین جس حدتک اغراض بہم پیوستہ ہونگی اوسی نسبت سے آپس مین مانوس ہوجائینگے۔ ہم سبقی۔ ہم مکتبی۔ ہمسائگی۔ ہم وطنی۔ ہم قومی۔ ہم مذہبی۔ ہم مسلکی وغیرہ کا تفاوت اسی معیار سے صحیح طور پر معلوم ہوسکتا ہی۔

لیکن سب سے زیادہ افسوسناک یہ امر ہے کہ اس اصول کے اجزا افراط وتفریط پر تقسیم کردیے جاتے ہین اور اس بے ضابطگی کی پاداش مین وہی نتیجہ مترتب ہوتا ہی۔ جس سے احتیاط مقصود تھی۔ اور اُسی سزا کا وجوب لازم آجاتا ہے جو دائمی طور پر نزاع بذیر ہوتی ہی تعجب ہوتا ہی۔ جب متعاقدین معاہدہ کے موازنہ

ماثلت مین نمایشی اور غیر مؤثر امور پر تو خوب غور کیا جاتا ہی حسب نسب ۔ شرافت خاندانی ہنر ۔ گوتم ۔ کف ۔ غیر کف ۔ وجاہت اعزاز تمول ۔ شکل ۔ شباہت وغیرہ کی بار بار جانچ کی جاتی ہے ۔ مگر اون طبایع کی افتاد کا کبھی اندازہ نہین کیا جاتا ۔ جنکی موافقت و ناموافقت پر اس جدید طرز زندگی کا انحصار ہے ۔

کیا ایک متانت پسند ۔ تربیت یافتہ ۔ خوش دماغ لڑکی ۔ ایک وہمی مزاج نیم خواندہ شخص کی پست خیالی کی متحمل ہو سکتی ہی ۔ ؟ اور کیا ایک مبتذل اور چھچھوری طبیعت کی عورت کسی نازک خیال خوش مزاج مرد کی ہمسری و ہم کیشی کا استحقاق رکھتی ہی ؟ یا کسی بد چلن سرمست شباب نوجوان کو ایک باحمیت نازآفرین عفیفہ کی دل شکنی کا حق حاصل ہی ۔ ؟

کیا ایک غیور طبع ۔ ذی حوصلہ اور خوددار بیگم کی انتہائی بدنصیبی نہین ہے ۔ کہ کسی بے غیرت طامع ۔ اور خفیف الحرکات شوہر کے حوالہ کر دیجاے ۔ ؟ یا کوئی خود پسند اور متکبر لڑکا اس قابل ہے کہ کسی محبت کیش ناز بردار دوشیزہ کا خواستگار ہو ؟ وغیرہ وغیرہ ۔

یہ کیسی افسردہ کرنے والی بات ہی کہ ان نفی آمیز سوالات کے جواب تجربہ بہت اثبات مین دے سکتا ہی ۔ اور سوسائٹی کے بہت سے ممبر لفظ شادی کو غم کا مترادف وہم معنی کہدینے مین تامل نہین کرتے ۔ یہ ساری خرابی اوسی بے پروائی کا نتیجہ ہی جسکی تفصیل سطور بالا مین ہو چکی ہی ۔ گو اس نامناسب عقد و مناکحت کی بعض بعض اسباب اور بھی ذہن مین آسکتے ہین لیکن سلسلہ کے اختتام پر پھر یہی غلطی نکلے گی ۔ اور فی الحال بخیال طوالت اوسکی تفصیل سے قطع نظر کیا جاتا ہی ۔ بہر کیف ۔

این غلط مجموعہ را شیرازہ بستن خوب نیست

ارشد تھانوی

خبرین

ہندوستان کے تمام علم دوست اصحاب یہ سنکر نہایت افسوس کرینگے کہ خان بہادر شمس العلما مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کے ذوق علمی کا اندازہ اس سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ ۱۸۵۵ء سے ۱۹۱۰ء تک اونکی تصانیف و تراجم کی تعداد بتصریح فن حسب ذیل تھی۔ تاریخ (۱۸) ریاضی (۸۷) طب و ہیئت (۹) ادب (۱۶) اخلاق (۶) سیاست مدن (۷) کل ۱۴۳ — ان کتابون کے علاوہ جو کثیر تعداد اون کے مضامین کی ملک کی مختلف اخبارات و رسائل مین وقتاً فوقتاً شایع ہوتی رہی وہ بھی ایک آدمی کے لیے کچھ کم نہ تھی۔ اُردو کے تمام مصنفین مین مختلف فنون پر اس کثرت سے آجتک کسی نے نہین لکھا۔ اور یہ ایک بڑی خصوصیت ہے۔ یقیناً تمام بہی خواہان اردو ہمارے ساتھ مرحوم کی وفات پر اظہار رنج اور اونکے لیے دعاے مغفرت کرنے مین ہم آہنگ ہونگے۔ ہمین مرحوم کے پس ماندگان سے دلی ہمدردی ہے۔

خان بہادر مرزا سلطان احمد کے نام نامی سے تمام وہ حضرات بخوبی واقف ہین جو اردو رسالون کو گاہے ماہے بھی پڑھ لیا کرتے ہین کیونکہ ہندوستان کے طول و عرض مین شاید بہت کم ایسے رسالے ہون گے جو اونکی رشحات قلم سے فیضیاب اور اون کے علمی چشمۂ فیض سے سیراب نہ ہوتے ہون۔ الناظر کے حال پر بھی اونکی خاص توجہ ہے۔ چندروز ہوے اونپر ایک عجیب حادثہ گذرا جسکی مختصر کیفیت اونھین کی گرامی نامہ سے اقتباس کرکے درج ذیل کیجاتی ہے:—

"مین ۵ نومبر ۱۹۱۰ء کو میل مین جالندھر سے لاہور کو سوار ہوا۔ جب ٹرین کوئی ½ ۱۱ بجے دن کے مانانوالہ اسٹیشن پر پہونچی تو وہان سے گذر کر مجھے معلوم ہوا کہ بندوق چلی ہے اور میرے سر کے پچھلے حصہ مین بندوق کی گولی لگی ہے مین نے فوراً مارے درد کے سر پر ہاتھ مارا تو کوئی ۳ یا ۴ انچہ کے قریب سر کا حصہ متورم تھا اور سخت درد تھا۔ اسکے ساتھ ہی دیکھا کہ گاڑی مین شیشہ گلاس کے چند ٹکڑے بھی پڑے ہین۔ اسکے بعد فوراً مجھے ۱۰۴ درجہ تک بخار ہوگیا اور بدحواسی۔ آخر مین لاہور آکر اترا اور ۷ کی شام تک بیمار رہا اور ۹ تک ورم رہا۔"

ہمین امید ہی کہ ہمارے ساتھ تمام ناظرین الناظر کو مرزا صاحب کے ساتھ دلی ہمدردی
اور اس حادثہ پر سخت افسوس ہوگا مسرت کی بات ہی کہ اب انکی طبیعت بفضلہ اچھی ہی۔

خان بہادر سید اکبر حسین اکبر کی ظرافت طبع نے اردو شاعری کی ایک خاص صنعت
کو اپنی ذات کے ساتھ اسطرح وابستہ کرلیا ہی جسطرح گل کے ساتھ بو اور بلبل کے ساتھ نغمہ
حال مین اون پر جو کوہ الم اونکی زندگی کی مونس کی وفات کی صورت مین ٹوٹ پڑا ہے
اوس نے جناب ممدوح کو پریشان و مضطرب کردیا ہی۔ ہمین جو ارادت جناب موصوف سے
ہی اوسکی بنا پر اور نیز اردو کی ایک ادنی خادم ہونیکی حیثیت سے مرحومہ کی وفات کا بڑا قلق ہی۔ خان بہادر کے
ساتھ سچی دلی ہمدردی ہی اور ہم کامل یقین رکھتے ہین کہ ہمارے ساتھ اس دعا مین تمام دلدادگان اردو
عموماً اور لطف آشنایان کلام اکبر خصوصاً ہم آہنگ ہونگے کہ خداوند جل وعلی سید صاحب کو
صبر و ثواب عطا فرمائے ہماین دعا از من و از جملہ جہان آمین باد۔

الناظر کی دوسرے سال کی ششماہی اس نمبر کے ساتھ ختم ہوتی ہی۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم اس
موقع پر اون اضافون تبدیلیوں اور ترمیمون کا اعلان کرسکین گے جو کچھ عرصہ سے ہمارے پیش
نظر ہین لیکن بعض اتفاقی اور خلاف امید اسباب کی پیش آنیکی وجہ سے ہم اون اعادہ سے معذور ہین
مگر ہم اپنے معزز قدر دانون کو یقین دلانا چاہتے ہین کہ اصلاحات کا جو وعدہ گذشتہ جون نمبر مین کیا
گیا تھا اوسکے ایفا کا ہمین برابر خیال ہی اور رہیگا اور اگر بخت نے نارسائی نکی اور [illegible]
و حادثات اتفاقی ہمارے شامل حال نہ رہے تو ہم انشاء اللہ آیندہ [illegible]
اصلاحات کے عمل [illegible] کا اعلان کردینگے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اردو رسالون کی ایڈیٹرون [illegible] کو جن دشواریون سے سامنا ہوتا ہی اوسکا اندازہ
کچھ وہی خوب کرسکتے ہین [illegible] کے بعد تمام ذمہ داریون کی دست بردار ہو جاتے ہیں
مگر [illegible] کی مشکلات کا خاتمہ نہین ہوتا۔ مضامین نگار حضرات مضمون بھیجکر ایڈیٹر کو ممنون بنا دیتے ہین اور
[illegible] کی اشاعت کی انتظار مین خاموش ہوکر بیٹھ جاتے ہین لیکن ایڈیٹر کا سر افکار سے خالی نہین رہتا۔ رسالہ
[illegible] ایڈیٹر [illegible] اپنے فرائض ادا کررہے ہین اور خریداران نے قیمت بھیجدی

مگر جب سال تمام پر دفتر کا جمع خرچ مالک کے سامنے جاتا ہی تو اوسکی الجھن کم ہونیکے بجای بڑھجاتی ہے۔ یہ کیون ہوتا ہی؟ اس لیے نہین کہ رسالون کے خریدار نادہند ہوتے ہین یا مضمون لکھنے والے میسر نہین آتے یا منتظمین ایمانداری سے کام نہین کرتے بلکہ اسوجہ سے ہوا اور محض اس وجہ سے کہ پبلک کی مذاق کا صحیح اندازہ کیا جاتا ہی اور نہ غالبًا ملک کی موجودہ حالت تغیر مین کیا جا سکتا ہی لیکن جو رسالے ان مشکلات کی باوجود بھی شایع ہوتے ہین اور بے ہنگام موت کا شکار نہین ہوجاتے وہ اگر اپنے فرائض مین اس قدر اور اضافہ کرلین کہ رسالہ ایک وقت معین پر شایع کیا کرین تو غالبًا اردو رسالون کی حالت مین ایک نہایت مفید اصلاح ہوگی۔ ہمنے متعدد موقعون پر اپنے معزز معاصرون کو اس ضروری اصلاح کی طرف توجہ دلائی اور الحمد للہ کہ بعض نے ہماری مخلصانہ عرضداشت پر توجہ کرکے اس تجویز کو حسن قبول عطا کیا۔ چنانچہ الرفیق (رنگون) اور العجائب (بجنور) کی بابت مین ہمین علم ہی کہ آیندہ سال سے اسکا خاص اہتمام کیا جائیگا۔

الناظر ڈیڑھ سال سے شایع ہو رہا ہی اور ناظرین الناظر اس بات کی شہادت دے سکتے ہین کہ اس ضروری شرط کو ہمنے کس حد تک پورا کیا ہی۔ اسی تجربہ کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ ہمارے معاصرین اگر پابندی وقت کو اپنے فرائض مین داخل کرلین تو انکو ناکامیابی کی کوئی وجہ نہین ہے اور اگر اس قسم کے ارادہ مین خدانخواستہ کوئی امر سد راہ ہو تو ہم نہایت ادب کے ساتھ ہر قسم کی اصلاح اور مشورہ دینے کے لیے طیار ہین۔ اور اگر کسی صاحب کو مطابع کے جور و ستم کی شکایت ہو اور وہ لکھنؤ مین پرچہ چھپوانے کی زحمت گوارا کرین تو الناظر پریس اپنی خدمات پیش کرنے مین عذر نکریگا۔ ہمارے یہان پابندی وقت کو تمام باتون پر ترجیح دیجاتی ہی۔

اعلان۔ الحکم دو سال سے بند تھا۔ انشاء اللہ جنوری ۱۹۱۱ء سے ہر غازہ آب و تاب کے ساتھ فلسفیانہ آب و تاب کی ساتھ جاری ہوگا قیمت سالانہ عہ مع محصولڈاک۔ ناظرین خواستین مرزا محمد ہادی صاحب بی اے لکھنؤ گولہ گنج دفتر الحکم مین روانہ فرمائین فقط المشتہر ہادی گولہ گنج

نوٹ۔ ایکنسو خواستین مع سالانہ قیمت پیشگی دفتر مین وصول ہونے سے جنوری کا پرچہ ماہ جنوری ۱۹۱۱ء سے شایع

قیمت ۳ سالانہ نمونہ ۶/

رسالہ **زمانہ** کانپور

عمدہ لکھائی۔ نفیس چھپائی۔ اعلی کاغذ۔ دلکش تصاویر۔ مفید اور دلچسپ مضامین۔ غرض ہر حیثیت اور ہر لحاظ سے اُردو زبان کا

بہترین رسالہ

(ہے)

زمانہ کا حجم قریب سو صفحے ماہوار کے ہوتا ہے۔
زمانہ کے ہر نمبر میں ہر قسم کی متعدد بہترین تصویرین ہوتی ہین۔
زمانہ مین سب قسم اور ہر مذاق کے بہترین مضامین ہوتے ہین۔
زمانہ ہر ماہ کے ٹھیک ۳۰ تاریخ کو شایع ہوتا ہی۔

اس قیمت پر ملک کا کوئی ماہوار رسالہ اسقدر مضامین اور اتنی نفیس اور عمدہ تصویرین نہین دیتا

جنوری سی جون ۱۹۱۰ء تک جو ششماہی جلد تمام ہوئی ہی اسمین لکھائی کاغذ کے ۵۰۰ صفحات سے زاید مضامین نظم و نثر اور سات اعلی درجہ کی نفیس اور ۴۸ ہاف ٹون عکسی و لیتھو تصاویر ہین کوئی مکمل جلد فروخت کرنے کے لیے نہین بچی ہی۔ جولائی سے نئی جلد شروع ہوتی ہی آیندہ خریداری اسی نمبر سے شروع ہونا چاہیے ورنہ دیر مین خریداری سی جلد مکمل نہ مل سکے گی۔

المشتہر

مینیجر زمانہ کانپور

اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ کا پرچہ ۳۰۔ اکتوبر کو خاص آب و تاب سے شایع ہو گیا

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی فصلی بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا چھتیس برس سے ہندوستان میں استعمال کیجاتی ہو۔ اگر آپ بخار میں مبتلا ہوں اور سب قسم کے علاج کر کے تھک گئے ہوں تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ منگا کر ضرور استعمال کیجیے۔ اس دوا میں چند فائدہ لاجواب ہیں۔ یہ بخار کے کیڑوں کو مار دیتی ہو اس لیے اسکی چار یا پانچ خوراک پیتے ہی بخار آنا بند ہو جاتا ہو اور یہ خون کو گاڑھا کرتی اور اسکی خرابیوں کو مٹاتی ہو اور تلی کو گلاتی ہو۔

قیمت۔ بڑی شیشی چودہ آنہ ۱۴؍ محصولڈاک ۶؍ دو شیشی تک آٹھ آنہ ۸؍

قیمت۔ چھوٹی شیشی آٹھ آنہ ۸؍ محصولڈاک ۵؍ دو شیشی تک چھ آنہ ۶؍

جناب مہاراج گوپال بھاوے ہیڈ ماسٹر مرہٹی اسکول بیلاگانوں کالیا برا سے لکھتے ہیں کہ آپکی بخار کی دوا میں اپنے دوستوں اور طالب علموں کو دو برس سے دے رہا ہوں بڑی خوشی کی بات ہو کہ کہیں بھی ناکامیابی نہیں ہوئی اسکی ایسی تعجب خیز صفت ہو مفصلات کے غریب آدمیوں کے لیے آپ نے گویا آبحیات بنایا ہو۔ جناب پنڈت شیام لال ہیڈ ماسٹر اسکول ہنڈور ضلع باندہ سے لکھتے ہیں۔ چار شیشی جو آپکی بھیجی ہوئی دوا آئی اس سے بہت فائدہ ہوا جناب بلدیو پرشاد مدرس ضلع فرخ آباد سے لکھتے ہیں دو شیشی تاپ تلی کی آپکے یہاں سے منگائی تھیں اس سے دونوں مریض اچھے ہو گئے جو قریب مرگ تھے جان بچ گئی۔ آپ کو مریض دعا دیتے ہیں۔ جناب شیودت پرشاد ہیڈ ماسٹر اسکول ہردی نگر سے لکھتے ہیں بخار جاڑے کی دوا جو میں نے منگوائی اپنے مریض کو جو تین مہینے سے مبتلا تھے دی۔ تین خوراک دوا کھانے سے فائدہ نظر آیا اور سات خوراک میں مریض مرض سے نجات پا گئے۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ دوا بخار کے دفع کرنے میں قابل تعریف ہو۔ آپ ایسی نیکی کرنے والے کا از بسکہ شکر گزار ہوں جناب کالی رام نند برہمن بھرون ضلع مندسور سے لکھتے ہیں آپنے جو فصلی بخار کی دوا بھیجی بہت فائدہ مند ہو۔ ہم کہاں تک تعریف کریں جناب رام پرشاد انسپکٹر ڈاکخانہ مرزاپور سے لکھتے ہیں۔ میں آپکا از بسکہ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میرا دو سال کا جو تھیا بخار تھا وہ صرف دو دن میں جاتا رہا۔